

عنقا کے معانی (جلد اول)

شرح اردو دیوانِ غالب

شارح : شیر علی سرخوش



PDF & Title By : Ghulam Mustafa Daaim

مطبوعہ انقلاب سٹیم پریس، بیرون موری دروازہ، لاہور

Ac. No. 3535



عمری اصل نام احمد اللہ بیگ غلام تھا۔ ابتداً احمد تخلص رکھا پھر غالب۔ لیکن نواب آئی بخش غلام حروف کے ہاں شکوے کے بعد وہ آپ کو غلام مرزا نوشہری کہا کرتے تھے۔ آپ آنکھوں کے لئے دیکھنے والے ہیں مگر بھلا ہوا ہے۔

نسب مرزا کے دادا شاہ عالم کے زمانہ میں مرقد سے ہندوستان آئے تھے۔ اور وہ بارہ گزیر کے تھے۔ ان کا ایک بیٹا غلام

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

نشاہ تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین تھا۔ اس کا بیٹا غلام حسین

PDF By : Ghulam Mustafa Dacim

+92 303 5054101 / +92 311 5929589

ب

فوقی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آخر راجہ بختاور سنگھ دلی اور کی میں تھے کہ انکے علاقہ میں ایک بغاوت ہو گئی۔ مرزا کے باپ سرکوبی گئے۔ لیکن کوئی لگاؤ اور وہیں راہی ملک عدم ہوئے۔

نقص

مرزا نے آگرہ میں شیخ معظم سے جو ایک مشہور مسلم تھے۔ مرزا کے خوش و خوش وضع نوجوانوں میں ایک مرزا نوشہ بھی شمار کئے جاتے تھے۔

سراوقات

جب مرزا پانچ برس کے ہوئے تو انکے والد نے فضا کی اذکار چھاننا شروع کیا۔ مرزا کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ اور جب مرزا کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو وہ چچا بھی فضا کر گئے۔ مگر ان کی وراثت سے مرزا کو سات سو روپیہ سالانہ بطور وظیفہ ملا کرتے تھے۔ اور بہادر شاہ ظفر بھی کچھ رقم ماہوار دیا کرتے تھے۔ لیکن شہنشاہوں میں انکی پیش سرکار سے بند کر دی گئی۔ تین سال کے بعد واکزار کر دی گئی۔ اور پھر مرزا کو تادم زلیمت پہنچا دیا۔ علاوہ انہیں نواب رامپور بھی وقتاً فوقتاً کچھ مالی امداد مرزا کو بھیجتا رہتے تھے۔ لیکن ان کی طبیعت بہت دوست پرور واقع ہوئی تھی۔ اور نہایت میرانہ شان سے بسراوقات کرتے تھے۔ جس سے انکا ہاتھ اکثر تنگ رہتا تھا۔ وزیر مال شراب نوشی کی عادت انکو کچھ نہ کچھ مالی پریشانیوں میں مبتلا رکھتی تھی۔ یہی اسباب تھے کہ وہ کبھی آسودہ حال نہ ہو سکے۔

شاعری

مرزا نے لڑکپن میں مرزا بیگل کاظمی شاعری اختیار کر لیا تھا۔ وہ اکثر بیگل ہی کا معترف و مدح

کرتا تھا۔ مثلاً ہے
تدبیر حاکم میں طبع باغ ناز ناز آ
بچہ رنگ بہار بیکاری بیدل پسند آیا

سخن فہمی

مرزا کے زمانہ میں اخبارات اور چھپی ہوئی کتابوں کا فائدہ استفادہ کیا کرتے تھے۔ مرزا کو شعر سے طبیعتاً مناسبت تھی۔ چنانچہ ہر شے میں شہر کوئی مشہور کر دی تھی۔ آپ علم عروض اور شاعری سے نیز اس قدر واقف تھے کہ قادیان کا کلام منظور ہوتے ہیں۔ بلکہ اردو میں تو انکا مرتبہ میر و مرزا بھی ہرگز کم نہیں ہے۔ اور زبان فارسی میں ایرانی ادیبوں کی طرح نظم و نثر لکھا کرتے تھے۔

حافظہ

مرزا کا قوی ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ مرزا کو فارسی اشعار اور اساتذہ کے شعر سے اسقدر نکات اذہر تھے کہ وہ ہر ایک موقع پر دس دس یا دس پیش کر دیتے تھے۔ لیکن ضعیف العمر ہو کر جب کتابوں سے اونکے آخر حافظہ بھی جواب دے چکا تھا۔

ایکسا اور جگہ فرماتے ہیں سے
 بجے راہ کن میں خون گمراہی نہیں غالب
 صفا سے خضر مجراے کن سے عامہ تبدیل کا
 خواجہ الطاف حسین صاحب عالی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ مندرجہ
 چند شعر مرزا غالب کی ابتدائی مشق کے نمونے ہیں۔ سے
 بھرت گاہ نازک گشتہ جاں بخشی خواباں
 خضر کو چشمہ آب بقا سے تر جبین پایا
 -اولہ-

رکھا غفلت سے دہرا افتادہ ذوق فناورہ
 اشارت فہم کو ہر ناخن پریدہ ابرو سے
 -اولہ-

پریشانی سے مغز سر ہوا ہے پنبہ پالش
 خیال شوخی خواباں کو راحت آفریں پایا
 لیکن اسد کے ٹھکس سے مرزا سے جتنی غزلیں ابتداء آگئیں ہیں۔ وہ سب
 اسی قبیل کی ہیں۔ بلکہ بعض تو ان اوپر دوائے منوہوں سے بھی گئی گزری ہیں۔
 جو دیوان غالب نسخہ حمید یہ میں شامل ہیں۔
 اگر غالب کے کلام کو باعتبار فصاحت و بلاغت تقسیم کیا جائے۔ تو اس کے
 تین حصے یا ساقی کئے جاسکتے ہیں۔

اول۔ ہول وہ اشعار کہ جن کی بنا شعراے فارس کی نازک خیالیوں
 اور دقیقہ سنجیوں پر رکھی گئی ہے۔ اور ایسی غزلیں مسموٰتا اسد کے ٹھکس سے
 متمیز کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً سے

سے اسد جفا سائل سے غم جنوں مائل
 تجھ کو جس قدر ڈھونڈا اکفٹ آنا پایا
 ان غزلوں کے اکثر شعرا اس وقت لکھن کر دئے گئے تھے۔ جب کہ موجودہ
 تاریخ الوقت دیوان غالب مرتب ہوا تھا۔
 و فوہیم۔ وہ اشعار کہ جو باوجود دقیق اور مشکل ہونے کے فارسی شراکی
 نازک خیالیوں کا حق اردو ترجمہ میں پورا پورا اور کھینچے ہیں۔ مثلاً سے
 ہوئی جس کو بہار فرصت ہستی سے آگاہی
 برنگ لالہ جام بادہ پر حمل پسند آیا

ولہ
 فضا سے خندہ گل تنگ و ذوق پیش بے پروا
 فراغت گاہ آغوش و دماغ دل پسند آیا
ولہ

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب
 ہم سے دشت امکان کو ایک نقش پایا
سویکم۔ وہ آسان۔ صاف اور سلیس غزلیں کہ جن کے اشعار گویا
 سہل متنع واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً سے
 موت کا ایک دن مقین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 ہانسا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ولہ

بیکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی یہ نہیں ملتا ہوا
 علمی معرکے۔ ایک مرتبہ مرزا نے برائے قاطع پر کچھ اعتراضات کئے تھے۔ جبکہ

تخلع برہان کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔ اس پر ایک زبردست بحث بعض محققین فارسی اور مرزا کے درمیان چمک اٹھی تھی۔ اگرچہ مرزا کے اعتراضات قریباً تمام صحیح تھے۔ مگر بعض ایسے بھی تھے۔ کہ جن پر کچھ غور نہ ہو سکا۔ اور ان کو واپس لینا پڑا۔ تاہم اس وقت مرزا کے کمال فن کی ہر جگہ تعریف کی گئی تھی۔ اور وہ خود بھی اپنی فادری وائی پر غرور ناز کیا کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے کہ آج ان کے وہ کارنامے جو اردو نظم و نثر میں ہیں۔ وہی نثر وادہ شہرت رکھتے ہیں۔ اور ان کے فارسی اشعار و قصائد بہت کم ہی ملتے ہیں۔

اخلاق و عادات وغیرہ | مرزا کے اخلاق و عادات میں شریک دلی کا ایک پورا نمونہ ہے۔ لہذا وہ دوستوں سے بد کشانہ پیشانی طے کرتے تھے۔ اور بچوں تک سے بھی ہنسی دل لگی کرنے میں نہیں چوکتے تھے۔ مگر ان کی طبیعت اکثر آزاد۔ اور مذہبی قبور کے بالکل مستفی واقع ہوتی تھی۔ اسی سے وہ اپنے آپ کو مومہ کیش اور صوفی خش بنایا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے تمام خاص خاص حالات اور واقعات پر اپنی تصنیفات ہی میں بخوبی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ اردو کے سنے۔ عمد ہندی۔ اور بعض فارسی نثر و نظم کی سنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دسی باتیں بکثرت موجود ہیں۔ کہ جگہ ترتیب دیکر ایک صاحب علم سے نکالتے غالب کے نام سے ان کی ایک مختصر سی سوانحی مرتب کر دی ہے۔ تاہم یادگار غالب میں شرح و بہت کے ساتھ مرزا کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔

عام اخلاق | مرزا غالب بہت فروغ و صند۔ خود دار اور حق پسند یہ طبیعت رکھتے تھے۔ ان کی ذراغ جو مصلیٰ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ جب غدر کے بعد ان کی آمد قیصر کے محل محدود ہو گئی تھی۔ اس حالت میں بھی اپنے دوستوں۔ عزیزوں اور لوگوں وغیرہ سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ وہ خود دار تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے ان کو مرید کالج دلی لاہر و فیصلہ بنانا پڑا۔ تو اپنے چالیس پچاس روپیہ بھی حیرت رقم پر ملازم ہونا

قبول نہ کیا۔ حالانکہ صوبائی سٹے ای تھا وہ پر ملازمت سرکار قبول کر لی۔ (دیکھو طبقات شعراء ہند مولد مولوی کریم الدین مرحوم) مرزا ہمیشہ بالکل یا ہمدرد تھے۔ شکر گزار یا بجا یا کرتے تھے۔ اور امر اور شرفائے دلی سے ہمیشہ مساوات کا رتہ کیا کرتے تھے۔ وہ اس قدر ہی پسند تھے کہ ایک شخص ان کے کلام کو بہت اچھی طرح سمجھا کر لکھا۔ وہ جب ان سے ملتا تھا تو نہایت احتیاطی کے ساتھ اس کے بغلیں ہوتے۔ اور اس کی خاطر تو واضح میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہونے دیتے تھے۔ دینے بھی ان کے کلام پر کوئی غلط معترض نہ ہوتا۔ تو انسان مرکب من الخطا و النسیان۔ اگر معترض حق بجا نہ ہوتا۔ تو اس کی بات فوراً قبول کر لیا کرتے تھے۔ زمانہ موجودہ میں غالب کی شاعری۔ ان کی سوانحی اور ان کے عام حالات پر اس قدر لکھا جا چکا ہے۔ کہ اب ان باتوں کا زیادہ و غاۃ کرنا تحصیل حاصل ہے۔

۱۔ سطور ذیل میں ہم ان کی تمام تصنیفات کا کچھ حال قلمبند کرتے ہیں۔

۱۔ کلیات غالب فارسی۔ یہ مطبع نو کشتورست طبع ہو کر عموماً ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اس میں غالب کی فارسی نظمیں۔ قصیدے۔ غنویں۔ قطعے اور رباعیات وغیرہ درست ہیں۔ کچھ فارسی نثر کی اس میں شامل ہے۔

۲۔ اردو دیوان غالب۔ اس کا ایک مکمل نسخہ۔ قلمبند و دیوان غالب کے نام سے صدر مقدم ڈاکٹر عبد اللہ رحیل صاحب بخوری مرحوم بہ وساطت مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم۔ اے ڈاکٹر تعلیمات بمبہال طبع ہو چکا ہے۔ اس میں وہ کلام بھی موجود ہے۔ جو کہ راج الوقت دیوان غالب کی ترتیب کے وقت مسترد کر دیا گیا تھا۔

۳۔ محمود ہندی۔ اس میں شعرو شاعری کے متعلق بعض دوستوں نے مرزا صاحب سے جو تنقید کیا ہے۔ وہ معہ جواہر جلیق ہے۔ علاوہ انہیں اور بھی متعدد معلومات دست ہیں۔ یہ کتاب ایک مجموعہ غلو طبع ہے۔

۴۔ اردو کے سنے۔ شش ماہ میں طبع ہوئی تھی۔ یہ اردو نثر کی بہترین کتابوں

میں شام کی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک عجوبہ خطور ہے۔ غالب کی اکثر سوانح زندگی اس میں موجود ہیں۔

۵۔ قاضی برہان۔ شیخ تیز۔ نامہ غالب۔ درخش کاویانی۔ لفظ گنت نہیں۔ سالیہ برہان وغیرہ۔ یہ سب کتابیں تخت برہان قاضی کی بحث کے متعلق اردو اور فارسی زبانوں میں لکھی گئی تھیں۔ مثلاً لطایف غیبی اردو زبان میں ہے۔

۶۔ پنج فرہنگ۔ فارسی دانش پر دازی کے متعلق ایک اچھی کتاب ہے۔ اسی طرح دستباز ایک ایسی تصنیف ہے۔ کہ جس میں صرف فارسی زبان کے لغات لکھے ہیں جن میں خود کا مال ہے۔ سبدرمیں۔ دو زبان قلمی۔ چند قصیدے اور بہ کچھ خطوط فارسی کے اس میں درج ہیں۔

۷۔ تاریخ حیرت خیز۔ اس میں امیر تیمور سے لیکر ہمایوں تک کے مغل بادشاہوں کے حالات مرتب کئے گئے ہیں۔

۸۔ قادر نامہ غالب۔ یہ کتاب امیر خسرو کی خالق باری کے طور پر لکھا ہے مکتب کے لئے لکھی ہے۔ اس میں چند اردو غزلیں بھی درج ہیں۔

۹۔ ایک رسالہ قد و قاری گریز کا بھی مرزا نے اپنے مہربان دوست پنڈت پیارے لال صاحب کی فرمائش پر طبع کرایا تھا۔ جو کچھ دلوں پر انگریزوں کو لادیں پڑھایا بھی گیا تھا۔ مگر زیادہ شہرت اور رواج نہ پاسکا۔

وفات مرزا نے ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ انکی حیرت اولاد کو پیشہ پیدہ ہوئے جو کہ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ مرزا کی قبر دلی میں تامل موجود ہے انکی وفات پر گئی شعرا نے مرثیے لکھے۔ لیکن مولانا حالی کا اردو مرثیہ غالب بہت موثر تسلیم کیا گیا ہے۔ مرزا کی تاریخ وفات اس موقع سے پائی جاتی ہے۔

آہ غالب بمرود

کلام غالب اور اسکی مختلف شخص

جس طرح کوئی علم و فن ابتدا ہی سے جبکہ وہ بہاد و مدد کیا گیا ہو مکمل نہیں ہوتا بلکہ تدریج درجہ تکمیل حاصل کرتا ہے۔ ادب اردو میں بھی حال دیوان غالب اور اس کی شرح کا ہے۔ کہ مرزا نے اقل اقل بیبل کی تقلید میں ہر صفت مشق کی اور استفادہ شکل شرح لکھے۔ کہ اردو دیوان ان ہیڈنا تک ۱۱۱ فرسب ترین خیالات اور تشبیہات وغیرہ کی تہمت نہ ہو سکی نتیجہ یہ ہوا کہ اسی تدریجی طور پر ان کو جو کہ بے غفلت اس تصنیف کی تھیں۔ بالبعد اختصار کرنا پڑا۔ اور پھر کچھ اور نیا وخلق کی بدولت اسی طرز اختیار کی کہ جس میں علم عروض و قواعد فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے تو کچھ نقص نہیں پایا جاتا تھا۔ تاہم غالب کا یہ کلام بھی جو ابتدائی کلام سے بدرجہا بہتر اور چھوٹی و جلال امیر و بیبل و فیض کی روش کے بالکل مطابق تھا۔ اساتذہ اردو کے کلام سے مدد و مختلف تھا۔ لہذا اس پر کچھ لکھی کر کے اس کی دوسری طرز جو آخری تھی اختیار کی ہی مرزا کا بہترین کلام ہے جو کہ کامل پچیس برس کی مسلسل محنت کا ثمر ہے۔

پس جس طرح اس کا کلام تدریج تکمیل ہوا اسی طرح اس کلام کی شرح بھی کئی شاعریں کی متواتر کوششوں کے بعد اب کچھ تکمیل کی صورت حاصل کرتی جاتی ہے۔ لہذا ہم اس خاص ادبی اور ثقافتی کچھ شاعری ہی تفصیل میں اس طرح کرتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ مرزا غالب کے کلام میں اردو زبان کے تمام شعرا کے کلام سے کچھ زیادہ مشکلات موجود ہیں۔ لہذا مرزا کی زندگی میں اس کے دوستوں نے بعض بعض اشعار کے معنی وقتاً فوقتاً دریافت کئے تھے جنہیں سے کچھ شائیں عود ہندی اور اردو رائے مسلطی میں موجود ہیں۔ مگر وہ مفید ناکافی ہیں۔ کہ ان سے استفادہ ہو کر کوئی شارح اردو دیوان غالب کی ایک مکمل شرح ہرگز مرتب نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم جس طرز پر مرزا نے اپنے معروضات چند اشعار کی شرح بھی تھی۔ وہ اصول کے لئے اچھا خاصہ نمونہ بن گئی۔ چنانچہ بعد کے شاعرین (خصوصاً مولانا فاضل العارف حسین صاحب حالی) نے مرزا کے یہی وہ اشعار اسی طریق پر نقل کئے۔ لیکن حالی نے بہت زیادہ مشکل اشعار کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ حالانکہ جن اشعار کی شرحیں آپ نے قلمبند فرمائی تھیں وہ ایک غیر واضح طریق پر بعض دوسرے شاعرین کی کتب شرواح میں بھی موجود ہیں۔ لہذا ہم اردو دیوان غالب کی چند ایسی مریدہ شرحوں کا کچھ محل سامعین مسطور ذیل میں درج کرتے ہیں:-

۱۔ شرح مجملہ سید میر علی۔ یہ شرح حضرت شوکت مجددی صاحب مشرقیہ نے ترتیب دی تھی۔ مگر یہ صرف ۱۴۲۱ھ ۱۸۰۸ء تقیعیہ کے ہیں۔ جن میں تمام اردو اشعار غالب کی شرح نہیں کی گئی۔ بلکہ ایک کثیر حصہ کلام غالب کا نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ عنوان اس کتاب کا محل کیا ہے۔ اردو مرزا غالب دہلوی مرحوم جو بزرگ کیا ہے۔ اس شرح کی یہ خصوصیات ہیں: ۱۔ لغت بہر شعریں جو مشکل الفاظ لفظ آئے ہیں ان کے نام معنی لغتوں سے نقل کر کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان سب درجہ اول معانی میں سے صرف ایک مادہ کی تل شرحیں ضرورت پڑی ہے۔ لیکن مجدد صاحب کی عالمانہ

کابلیت کا اظہار اور کس طرح ہو سکتا تھا۔ اسی طرح ابتدائے کتاب میں ایک ایک شعر کے ساتھ ساتھ معنی درج شرح کر دیئے ہیں۔ جن میں سے اکثر شخص مجدد صاحب کی تجدید نازک خیالی کا ثبوت ہم پہنچاتے ہیں۔ مگر شرح دیوان غالب سے ان کو کچھ سہرا کا نہیں ہے۔ لہذا جب دیکھا کہ رسالہ شرح کا حجم زرا بڑھنے لگا تو مجدد صاحب نے ہر شعر کے ساتھ ساتھ معنی لکھنے کے بجائے آخری حصہ شرح میں ایک شعر کے صرف ایک معنی بھی پوری طرح بیان نہیں کئے۔ (دب) مجدد صاحب موصوف کی یہ شرح کس قسم کی ہے۔ اس کے متعلق جناب حسرت موہانی صاحب اپنی شرح دیوان غالب کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہم عروفت اپنی تصویف ہم کے باعث مجدد صاحب کے دقیق مطالب کے سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے سے قاصر رہا۔

ہم حسرت صاحب کے قول کی تطبیق کرتے ہیں۔ لیکن مجدد صاحب کی یہ شرح اکثر مبہم و مبش نظر ہی ہے۔ یہ استفادہ بل بھی نہیں ہے جیسا کہ اسے بنایا گیا ہے۔ ال بعض اشعار اس میں بھی غلط طور پر شرح کئے گئے ہیں۔ اور بعض صرف اسی شرح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کلام غالب کی کئی اشعار کے بعض بعض اشعار کی کئی شرحوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور پھر جو معنی کسی شاعر سے واضح طور پر بیان ہو گئے ہیں اس وقت وہی معنی بالکل صحیح و درست دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب کی متعدد ذیل تفسیحات اشعار غالب جو اس وقت صحیح معلوم ہوئی تھیں۔ اب اس غلط معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً غالب سے

سراپا رہن عشق دنا گزیر الفت مستی + عبادت گاہ کی کنابوں دافعتیہ کا حضرت مجدد صاحب نے اس شعر کے یہ معنی بنا دیئے ہیں جس میں مرزا

عشق میں قید ہوں۔ اور سستی یا زندگی کی الفت نے بھی مجھ کو رکھا ہے۔ برقی کو
میں نے اپنا سمجھنا بنا رکھا ہے۔ اور اس سے انکار کرنا ہوں۔ کہ وہ مجھے جلا دے
اور فنا کر دے۔ مگر اس عبادت سے چونکہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
پس اسوس کرنا ہوں کہ کہیں زندہ ہوں۔

اسکے بعد صاحب اس شعر کو سمجھ ہی نہ سکے۔ کیونکہ شاعر یہ کہتا ہے کہ
میں سرتاپا عشق میں فرق ہوں۔ اور اس کو ترک نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ میری جان
بچنے کی بھیجا چھوڑ دے گا۔ اور جان بھی مجھے پیاری ہے۔ یعنی الفت سستی یا گریبے
وگو یا میری یہ حالت ہے کہ مجھے کوئی کسان برقی کی تو عبادت کیا کرے گا۔
جب وہ برقی محبت پر گھر کر محفل یعنی فصل کو جلا دے تو اسوس کرے۔
مراد یہ کہ جب کوئی شخص عاشق ہو۔ تو پھر زندگی کی محبت سے کیا فائدہ۔

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف + ٹوٹے ٹوٹے ہیں غلط دام ہوائے گل
صل بعد صاحب بطور طنز کہتا ہے کہ نسیم کا آزاد ہونا آزادی سے چلنا
مبارک ہو۔ جس کی بدولت دام ہوائے گل کے غلط ہر طرف ٹوٹے پڑے
ہیں یعنی اس کثرت سے پھول ہیں۔ کہ کسی کو پھولوں کی محبت اور خواہش ہی
نہیں رہی۔

شرح غلط ہے۔ اگر ہوائے گل کے معنی بقول بعد صاحب پھول کی
خواہش لئے جائیں۔ تو دوسرے مصرعے کا مفہوم یہ ہے۔ کہ پھولوں کی خواہش
کے حال کی دخیلیاں سب ٹوٹ گئی ہیں اس سے ہرگز شے نہیں ہوتا۔ کہ
کثرت گل سے پھول ہی نہیں ہو گئے۔ بلکہ بقول بعد صاحب شعر کا مطلب یہ ہوتا

ہا ہے۔ کہ نسیم کا آزادی سے چلنا اس لئے مبارک ہو۔ یعنی آپ کو چاہیے
اس لئے دلہند ہو یا مبارک رہے کہ پھولوں کی خواہش کا جو چند اتحاد ہی
گواہی دے گیا۔ تو اس سے نسیم کو آزادی حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ شعر صریح میں نہیں
ہے۔ اس طرح بعد صاحب کے اور بھی بیسیوں اشعار درست نہیں ہیں مگر
ان کی خیال آفریں شرح نے بعد کے شاعرین کو ضرور بہت مدد دی۔ اور
اس طرح اپنے وقت میں یہ شرح کچھ بیکار ثابت نہیں ہوئی۔

۱۲۔ دھوکہ مراحت۔ اس شعر کو حضرت والدہ حیدر آبادی نے مرتب
کیا تھا۔ اسکی نسبت حضرت مولانا صاحب قبلہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بیوان
فالب کی کمال شرح نہیں ہے۔ محض چند نوٹوں اور اشاروں کا مجموعہ ہے
لہذا اس پر کچھ اور زیادہ تنقید کرنے کی حاجت نہیں۔ یہ شرح پہلی مرتبہ فالب
کتاب خانہ دیاست ماہو میں میری نظر سے گزری تھی۔

۱۳۔ شرح دیوان فالب از مولوی سید علی صاحب طباطبائی نظم
کچھ دیر سے شرح بہت بہتر ہے۔ مگر زیادہ تر ان شعرا کے مذاق کی ہے۔ کہ جو
فن شاعری میں کمال پیدا کیا جاتا ہے۔ لہذا اسکا کثیر حصہ ان جثہ و نفاذ کو
پڑے کہ جن کی طلبائے دار اس دکان کو چنداں احتیاج نہیں ہوتی۔ مزید براں
حضرت نظم صاحب نے ہا بجا فالب کے کلام پر اعتراضات کر کے اس کے
مطلوبہ نکالے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ کہ فالب کا ابتدائی کلام بہ
تخلص اسد محمد افلاطون سے تھا۔ حضرت نظم صاحب کی تحریروں سے بھی اسکی
تائید ہوتی ہے۔ مگر ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ فالب کی تکمیل شاعری بتدریج
ہوتی تھی۔ اور اسے نقائص کا یہاں بعض شق نہایت ضروری تھا۔ نیز نظم
صاحب کی شرح اور شاعرین کی عام دیکھی ادائے استفادہ کے لئے۔

بہت اچھی تالیف ہے۔ لیکن اس میں بھی چند اشعار کی شرح یا تو غلط کی گئی ہے یا وضاحت نہیں ہوئی۔ مثلاً قائل ہے

دیکھا کفن نے رخ عیوب بر سنگی ۱ میں وہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا
جناب نظم صاحب اس کی یوں شرح فرماتے ہیں۔ کہ مر جانے ہی سے عیب سنگی
مٹا نہیں تو میں ہر لباس میں تنگ ہستی وجود تھا۔ یہ شرح صرف مصنف ہی کو
الفاظ کو دہرائی ہے وہ نہ شرح کرنے میں حتی الامکان بعض دوسرے الفاظ و
جملات سے کام لینا چاہئے خصوصاً طابانے مددہ و کارج تو ایسی شروحوں سے
مطلقاً مستفید نہیں ہو سکتے۔ غالب ۲

یاد وہ نہ تجھے میں نہ بھیجیں گھڑی بات ۳ دے اور دل انکو جو نہ سے جھکوں باں اور وہ
معنی طباطبائی صاحب میں سوال دل کھل کے نہیں کہہ سکتا۔ اور وہ
سادہ دلی سے ہے صاف صاف کہے ہوئے مطلب سمجھ نہیں سکتے۔

اس شعر میں مری بات سے مراد ہر قسم کی بات ہے۔ حالانکہ نظم صاحب
اس کو مہسل کے سوال سے غرض فرماتے ہیں مگر یہ یہ معنی ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن
جب شاعر نے کوئی ایسی تخصیص نہیں کی تو یہ معنی اور سب معنی پر جو اس شعر
سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔ ہرگز مادی نہیں ہیں۔ لہذا کہم درست نہیں ہیں۔ اسکو
صحیح معنی کتاب ہدایں ملاحظہ فرمائیں)

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خور اہل بزم ۴ ہو غم ہی جا نگہ از تو غمخوار کیست کاریں
مفہوم حضرت نظم صاحب۔ شمع کا ذکر غرض تمثیل ہے۔ غرض اپنے حال
سے ہے۔

مولف۔ یہ شرح نہیں ہے۔ کیونکہ غالب کا کوئی شعر بھی محض ایسے

اشعاروں سے عام فہم نہیں ہو سکتا۔

۱۴۔ شرح دیوان غالب مرتبہ جناب مولوی عبدالباری صاحب سی
سکرٹری انجمن خا خان ادب لکھنؤ۔ موجودہ تمام شروحوں میں یہ شرح بہت
جاری و صاف و سلیس عبارت میں ہے اور بجا طابانے اشعار حتی الامکان
صحیح و جامع حسب دستور اس میں بھی بعض اشعار کی شرح یا تو غلط کی گئی ہے یا
مبہم ہے مثلاً غالب ۵
بکہ ہوں غالب اسیری میں بھی نقش زہرا۔

موتے آتش دیدہ ہے طعنت مری۔ بخیر کا
شرح اسی صاحب۔ نقش زہرا یہ معنی ہے قرار یعنی چونکہ میں اسیری
کی حالت میں بھی بے قرار ہوں اس واسطے میرا حلقہ زہرخش موتے آتش
دیدہ بن گیا ہے۔

غابر ہے کراگ بال کو جب جلا دینی ہے تو وہ بیچ دنا ب کہا جاتا ہے
اور یہ نہایت عمدہ تمثیل ہے۔ وغیرہ وغیرہ غابر ہے کہ یہ طرح بہت مبہم ہے
اصلی معنی جناب اسی صاحب کی طرح کسی شاعر کے بھی نہیں نہیں ہوئے
ہاں جناب نظم طباطبائی صاحب نے اس کے کچھ دوسرے معنی لکھ دیے ہیں مگر
وہ اس قدر غیر واضح ہیں کہ اچھی طرح دل نشین نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مرانا لاجپن
صاحب آئندہ نے بھی اس شعر کے متعلق تذکرہ آب حیات میں یوں لکھا ہے
کہ نقش زہرا کے معنی ہزار ہوں نام ہے۔ یہ صحیح ہے۔ مگر اس شعر میں غالب نے اس
جملے کا لفظی مفہوم یعنی ہزار ہوں کے شے آگ ہے۔ مراد رکھا ہے۔ اور اس
شعر کے جو حقیقی معنی ہیں وہ کتاب ہدایں کے مفہوم پر ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ شرح دیوان غالب۔ مرتبہ جناب حسرت موہانی صاحب۔ شرح پہلے بہت ہی مختصری شائع ہوئی تھی مگر کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ طبع کی گئی۔ مگر یہ نیا ایڈیشن بھی اکثر اشعار کے اسے مختصر سے مختصر معنی پیش کرتا ہے کہ طلباء ان اشعار کی تفسیر بخوبی سمجھ نہیں سکتے۔ علاوہ انہیں صد ہا اشعار بالکل آسان سمجھ کر بغیر شرح ہی سہنے دے گئے ہیں۔ حالانکہ ان میں اکثر اشعار شرح طلب ہیں۔ اور جن اشعار کی شرح کی گئی ہے ان سنانی میں بھی کہیں کہیں غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر وہ قابلِ غل ہیں۔ لہذا حسرت صاحب کی شرح جس قدر مختصر ہے ویسے ہی سب شعروں میں بہت کم قیمت کی بھی ہے۔ اس میں بھی چند اشعار کی شرح یا تو بہم ہے یا غلط ہے مثلاً غالبؔ

از ہر تاپہ زرد دل و دل ہے آئینہ + طوطی کو کشش چیست مقابل ہے آئینہ

جناب حسرت موہانی صاحب (شرح آفتاب سے لیکر ذرے تک ہر شے مانند دل ہے۔ اور دل بصورت آئینہ ہے۔ پس گویا ہر طوطی کو دھنی ہر شے مانے آئینہ دل کو ہر شے سے آئینہ مقابل نظر آتا ہے۔

عام شعروں میں بھی سناج ہیں۔ مگر دراصل دل و دل ایک فارسی محاورہ ہے جس کے معنی بیقرار ہونے کے ہیں۔ غالبؔ بھی معنی اسس جگہ مفصلاً دیں۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آنے نہ ہے

غالبؔ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو طلبتے نہ بنے

مفہوم حسرت صاحب۔ جبکہ موت کی راہ نہ دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ خواہ مخواہ آجلی۔ علاوہ اس کے موت کی خواہش کو نہ میں یہ بات بھی پیدا

ہوئی کہ میں چاہتا ہوں کہ نہ آؤ۔ اور اگر ایسے خیال کا شہ بھی میری نسبت ہوا تو میں ہر کچھ ممکنہ کرنے کے قابل نہ ہوں گا۔ یعنی ایسا خیال نہ کہہ کر کچھ کس منہ سے تم کو بلاؤں گا۔

مکمل یہاں غالبؔ نے یہ مقابلہ کرنا چاہا ہے کہ اگر موت کی راہ نہ دیکھوں یعنی اس کی مطلق پرواہ نہ کروں تو پھر بھی وہ ضرور جاتی ہے اگر کسی اصول پر چلتی راہ بھی نہ دیکھوں یعنی انتظار نہ کروں تو تم نہیں آتے اور بن جلتے نہیں یعنی اس شخص کی موت کا مقابل دوست کی آمد سے اس نے کیا ہے کہ موت کا ناخبر طرح مرنے والے کو ڈرے سے بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے اس طرح دوست کا ناخبر عاشق کو اس کے برعکس ڈرے سے بڑے فائدہ یعنی وصال کی امید لاسکتا ہے لہذا یہ مقابل کرنا چاہتا۔

مرآۃ الغالب۔ شرح دیوان غالب از جناب سید وحید الدین حسرت بزم و دہلوی ہاشمین حضرت دارغ مرحوم۔ اس شرح میں غالبؔ کے قریباً ہر ایک شعر پر شاعر کی داد دی گئی ہے۔ حالانکہ اب غالبؔ کی اعتراف اس حد تک کیا جا چکا ہے کہ حضرت آقا و دو آرخ کے زمانے میں فطرت کی جو شہرت تھی اور اس نے غالبؔ کو گویا ماند کر رکھا تھا وہ معنوں ہی اب بالکل ٹھوہو ہو چکا ہے۔

اسی طرح خود صاحب کی شرح اشعار پر تعلق جملات و فقرات سے ملوس ہے۔ اور کہیں کہیں شرح بھی غلط کی ہے۔ تاہم مضامین غالبؔ کو عام فہم کرنے میں بچہ کو کشش کی ہے۔ مثلاً غالبؔ

غافل بہ وہم نا خود آ رہے در نہ پاں
بے شانہ صبا نہیں سرہ گب اکا

اس شعر میں مشتق سے خطاب ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنی زبانیں کی نکر
ہیں ہے۔ حالانکہ قدرت نے ایک گھاس کے تنکے تک کو بھی پیاں آراستہ
وہیر مستہ کر کے بھیجا ہے اسیا یہی وہ محبوب کی قدرت آراستہ و پیراستہ
ہے۔ مگر حضرت تجوید صاحب شرح فرماتے ہیں کہ اہل دنیا را حقیقت
سے خردار نہیں۔ ہر شخص کی طبیعت میں غرضناز کا ایک مادہ ہے جو رنگ
دوس میں یہ وہم پیدا کر دیتا ہے کہ ہم نے یہ کام اچھا کیا۔ ورنہ ہمارے ہر
سورہ کام بن پڑا۔ حالانکہ جو کچھ ہے سب اس کی طرف سے ہے
غیر مسلم الہی کے یہاں کچھ نہیں ہوتا۔
(یہ معنی بالکل بے تعلق ہیں)

ملا سب ان غالب۔ اس شعر کو مولانا سہا صاحب نے مرتب کیا
تھا۔ جو کہ اس وقت شائع ہوئی تھی جبکہ شروع غالب بکثرت طبع ہو چکی تھیں۔
باد جو اس کے سہا صاحب نے قصائد و قطعات و متفرقات کی شرح مکمل
طور پر نہیں کی۔ حالانکہ آپ نے جو ایک ویب چاس کتاب کے ساتھ درج کیا
ہے اس کا بہترین حصہ شرح غالب کے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ تاہم اس شرح میں
اشعار غالب کے جو شکل الفاظ پر غور نظر آتے ہیں ان کے معنی و مصاحبت
میان کر دئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ شعر طلبہ نے پنجاب میں زیادہ تر مقبول
ہو چکی ہے۔ فصلیہاں تو اس میں بھی موجود ہیں۔ و بعض بعض اشعار بالکل نیا

بھوکا بھی شرح نظر نہ زکری گئی ہے۔ حالانکہ غالب کا کوئی آسان سے آسان
ایسا نہیں جو طلبہ نے اس کا کاج کے لئے شرح کا محتاج نہ ہو سکا۔
اسے تراجم و یک نسیم انگیز
شرح سہا صاحب۔ نگیز انجمن ادب۔ یہاں غالب ائمہ کی رعایت سے
لائے ہیں۔ کہ نادر و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن
و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن و نگیز ند فن
اور تراجم بھی اس کے ساتھ ہے۔
انتراجم۔ یہ ایک فیکر میں شرح ہے کہ جو عام طلباء کی سمجھ میں ہو کہ نہیں
اسکتی۔ اگر کسی قدر غلط بھی ہے۔ اس کے متعلق ہی کتاب میں کی شرح
ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۰۵

غالب تری طرف سے بہ عورت نفاذہ نرگس
بکوری دل و چشم قیب سا فرج
شرح سہا۔ چٹم نرگس کو شعرا کو بھی کہتے ہیں۔ نرگس و ساق میں تشبیہ
ہے۔ اور شعر سب کسی کی یاد میں رہتے ہیں۔
یہ شرح۔ شعر نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حوام کو اس شعر کا مطلب ہو کر
وہیں نشین نہیں ہو سکتا۔

یا انکار غالب۔ مرتبہ جناب مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب ہالی
مروم۔ سب جانتے ہیں کہ غالب کے اکثر آسان اردو اشعار کی کتاب
مذکور میں مولانا موصوف نے بھی شرح کی ہے۔ جو محض تفسیلات کے طور پر ہے

قدیم خط و کتابت طلب کئے تھے ولاحظہ ہوں مکتوبات آزاد مرقدہ آزاد دہلہ پو
صفحہ ۲۴۸) جس کے جواب میں خواجہ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مر جوئے کے
سنی جیاشک میں نے سمجھ میں کھینے کے ہیں واعدہ عند اللہ شاید کہ شاعر کی
مراد ہے کہ کوسل کی تیار کی گئی وقت معشوق کی زلفیں سرگوند بننے کے لئے
کھلتی ہیں دیکھئے وہ وقت کب آتا ہے۔ خواجہ اس وقت تک فرختم ہو یا یکی
دوسرے سر زلف شدن یعنی زلف کا سر جو نام ایک فارسی زبان کا محاورہ
ہے جس کا مفہوم معشوق کا عاشق کے ساتھ حدود ہے کا استغنا برتتا ہے۔
لہذا شعر کے پر معنی ہو کر کہ عاشق کی آہ کو ایک حرمہ در اندکا ہے کہ وہ معشوق
براثر در معشوق کی عادت سر زلف شدن یعنی ہی استغنا برتنے کی ہے۔
تو اس وقت تک کہ معشوق استغنا ترک کرے اور وہاں حال کون جیتا
وہ سکتا ہے۔ (سر زلف شدن کے پر معنی غالب کی بیخ آہنگ میں موجود ہیں)

شرح غالب از حضرت ذی می صاحب دیوانی مدظلہ۔ یہ شرح ہرگز
شرح کے نکتہ نظر سے نہیں لکھی گئی تھی۔ بلکہ محض اردو دیوان غالب کو بعض
بعض نولوں کے ساتھ حسن و خوبی میں کرنا منظور تھا۔ جو غرض بہت اچھی طرح
ادا کیا گیا اور انداز نہادہ نوٹس کے قابل نہیں ہے۔

شرح دیوان غالب موسوم بہ ہر یہ سعید۔ اس کو جناب فی سعید مدین
احمد صاحب ایم اے۔ بل ایل بی۔ لیکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے شائع کیا
ہے۔ یہ بہت اچھی شرح ہے جس میں طلباء کے واسطے دیکھنے کے لئے استفادہ
معاذ ادب میں کیا گیا ہے کہ وہ اس سے بدرجہا حسن استفادہ ہو سکتے ہیں۔

منہ خواجہ صاحب کراس سے ایک مکمل شرح اردو دیوان غالب لکھنا مقصود
نہیں تھی۔ تاہم بعض بعض اشعار غالب کی بہتہ دجہ ہر ایک بہترین شرح ہے۔
چنانچہ اس میں طرز شرح غالب کا اندازہ کامل موجود ہے۔ خواجہ صاحب
کی سخن فہمی اور سادگی کے کمال فن کی جہت تعریف کی جاتی ہے۔

اچھی شرح غالب سے بھی سمجھ نہیں کہیں اختلاف ہے۔ غالباً یہ میرا
بی قصور فہم ہوگا۔ بہر حال میں اپنی ناچیز و حقیر سمجھ کے مطابق کچھ عرض کرتا ہوں۔
میں کو ہے نشا کا کیا کیا غائب ہو مرنے تو جینے کا مزا کیسا
شرح سلطنت اوصوف۔ نشا طے کے معنی انگ کے ہیں۔ نشا کا یہ معنی
کام کرنے کی انگ۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ چل پہل ہے وہ صرف اس
یقین کی بدولت ہے۔ کہ یہاں سب کا ناس نہ بہت تھوڑا ہے۔ انسان کی ایک
طبی فطرت معلوم ہوتی ہے۔ کہ مستقبل فرصت میں ہوتی ہے۔ اس قدر زیادہ
سرگرمی سے کام کو سر انجام کیا جاتا ہے۔ یادگار غالب یہ شرح ممکن ہے کہ
درست ہو۔ مگر جبکہ اس سے اختلاف ہے۔ کیونکہ میں دوسرے مصرعہ شعر میں
موجود مرنے کا لفظ پایا ہے اس کا مطلب ہوس میں مرنے والا ہے کہ مقصود نہ کہ مرنے
ہوں۔ جس سے اس سے شعر کے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ کہ ہل دنیا جو
کام کرتے ہیں اسی دنیا کی بدولت اگر نہ مرنے نہ ہوتا۔ تو جیسے میں بھی کچھ مرنے نہ آتا۔

آہ کو ہائے اک عمر اثر سونے تک
غالب کون جیتا ہے تری زلف کے سرخونگ

یہ ایک سرگزشتہ الاما شعر ہے۔ کہ جس کی شرح خود آزاد دہلہ کی تک بھی
کما حقہ نہیں کر سکے۔ چنانچہ مولانا آزاد نے اس کے معنی خواجہ صاحب سے

قاضی صاحب نے پشورہ جناب مولوی دھانی لکھنوی صاحب جبراجہری
مذکورہ بہت بڑا کام سر انجام کر دیا ہے۔ خاکم دین میں دینی شریعت پر کچھ تنقید
کن نوے ادبی میں جنہاں میں مگر غالب کا کلام ہی کچھ ایسا واقعہ ہو گیا
کہ اس میں کہیں کہیں اختلاف معانی ضرور نہا ہو جاتا ہے۔ خوب۔

فاتح دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت در در
کام یا معلیٰ کا بقدر لب و دندوں نکلا

شرح جناب قاضی صاحب امیر زاد حسرت زدہ حسرتوں کا نام ہوا
درد کی لذتوں کا ایک دست خوان تھا جس پر نواح و اقسام کے درد رہتے
ہوتے تھے۔ میرے دستوں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے
مطابق ان لذات درد سے اپنا حق لیا۔ یہ شرح شعر قریباً ہر ایک اور شاعر
دیون غالب میں موجود پائی جاتی ہے کہ جس کو بیان بھی درود کیا ہے۔ ممکن
ہے کہ صحیح ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ بعد ازل کا "ایک اسد کا محاورہ ہے
جس کے سنی اچلتے۔ جبکہ کہہ کر تے ہیں یہ ہیں اب یاروں کا کام بنیابی
چاہتا ہے۔" لہذا اس شعر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ وہ قرین قیاس ہیں
کہ میرا دل حسرتوں کا ایک دست خوان ہے یعنی حد درجہ کا تمکین۔ لہذا میرا کام
بن گیا۔ وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہو شرح ہذا صفحہ ۱۱

فاتح نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں

حرف راز محبت مگر در در دیوار

مطبوع جناب قاضی صاحب۔ اسے غالب راز محبت کو تو دنیا میں
سوتے در دیوار کے کسی سے مت کہہ۔ کیونکہ درد دیوار کو چھوڑ کر کوئی بھی راز

محبت کو نہیں چھپا سکتا۔ اور چونکہ در دیوار سے راز کہنا فضول ہے، اس لئے
خیر یہ محاکہ کہ راز محبت کا کسی پر بھی اظہار نہ کرنا چاہئے۔

ممکن ہے کہ قاضی صاحب کو ذرا سی کی وہ شعر مرشل پر شرح شعر لکھتے
وقت یاد نہ رہی ہو۔ کہ کہتے ہیں دیوار ہم گوش دار و سلیمان معصفت لکھتا ہے
کہ غالب جبکہ حرف راز محبت نہ لکھتے ہیں اس کو کوئی نہیں ہے۔ مگر در دیوار
نواب تو کسی سے راز محبت نہ کہہ۔

یہاں حرف راز کا مطلب مخافت ہے یعنی راز کو قصداً فاش کر دینے
والی دیوار ہم گوش دار کی یعنی یہ بھی راز کو سننے کے بعد چھپائی نہیں
ہے۔ بلکہ کسی نہ کسی پر ضرور فاش کر دیتی ہے۔ لہذا غالب واضح ہوا۔ کہ
معصفت کا اصلی مفہوم شعر کیا ہے؟ یعنی کوئی حرف راز نہیں کر دیا۔

ایک لکھا

اس طویل طویل مضمون سے چہرہ مخفی فرض اور شاعرین غالب کی سبکی
کرنا نہیں ہے۔ بلکہ محض یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ شاعرین میں کتنے اختلاف
کرا پایا جاتا ہے۔ جو شاید جاری اس ناچیز کوشش سے آئندہ رفع ہو جائے۔
یہ کم از کم وہی دیوان غالب کو اس شرح کی بدولت کچھ سمجھ سکے گا تو وہ
خود ہی اندازہ کر سکا کہ غالب کے ہر شعر کے صحیح اور درست معنی کیا ہو گئے
ہیں۔ اور انکو شاعرین غالب کے کس کس طرح پیش کیا ہے۔ ورنہ

مطلب مستعدی و بجا است

خطم، ہدف کبتک چلی سبکی اور ہم کبتک اختلاف آکر تے رہینگے!!

عقباتِ محالی

یعنی

صحیح ترین و بہترین شرح اردو دیوان غالب
غزلیات

قتلِ فری ہے کس کی شرفی شمشیر کا
کاغذی ہے پیر میں برس پیر تصویر کا
کلو کاہ سوت مونی ہائے تنہائی نہ پہچان
صبح کرنا شام کا لانا ہے جسے شمشیر کا
چند بے اختیار سوز دیکھا ہے جیسے
سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی و علم شنیدن جب قدر چلتے کہلاتے
دعا عشاق سے اپنے عالمِ تحریر کا

لیکھ جوں قاتلِ پیری میں بھی اہلِ کربا
تو نے قتلِ اپنے سے حلقہ سری زنجیر کا

لا کاغذی پیر میں در پہنشن ۱۱ پہ ایک فارسی کا وہ ہے جس کے سنی کسی کے آتشے زرد
کہ ہے اردو کا وہ اس طرح ہوا جو کہ قدیم ایران میں کسی پر علم برتا تھا۔ تو وہ مدات ہیں
جب لفظ کیجئے مانتا تھا۔ تو سفید کاغذ کا ایک بڑا سا جو خطِ دہر سرخ میں لکھ کر جیسے شے
جاتے تھے پہنچ کر جا کر تانتا تاکہ دور ہی سے معلوم ہو کہ وہ فریادی جو دیکھ کر گئے دکھ غیر

فہرستِ اخلاط

اس کتاب کو مطالعہ کرنے کے بعد تمام غلطیاں صحیح کر دی گئیں اور بعض غلطیاں بھی کر دی گئیں

صفحہ	تصحیح	لفظ	صحیح	صفحہ	تصحیح	لفظ	صحیح
۱	-	عقاد کھانی	عقاد کھانی	۵۲	۱۵۰	ہنٹائی	ہنٹائی
۸	۲۰	کوابی	کوابی کی	۱۵۵	۲۵۸	ہدائی	ہدائی
۹	۳۱	عالم آباد	عالم آباد	۱۶۶	۲۸۰	گری نہیں	گری ہریم
۱۰	۲۲	اتہا	اتہا	۱۹۵	۵۶۳	عزقاری	عزقاری
۱۱	۲۹	پرفشاں	پرفشاں	۲۰۵	۵۶۳	روئیں	روئیں
۱۲	۲۸	لبِ حنظل	لبِ حنظل	-	-	میں	میں
۱۳	۲۱	انہیں سے	انہیں سے	-	-	ہائے	ہائے
۱۴	۵۲	دی	تھا شہ دی	۲۱۵	۶۲۱	پسب	پسب
۱۵	۵۳	طوسے	طوسے	-	-	ہیں	ہیں
۱۶	۵۴	چرو	چرو کا	۶۲۳	-	سے	سے
۱۷	۶۱	مڑو ہائے	مڑو ہائے	۲۲۱	۶۲۸	سالت	سالت
۱۸	۶۰	قرص	قرص	۲۲۳	۶۸۲	ہمیں حق	ہمیں حق
۱۹	۶۱	آہنگ تھا	آہنگ ہے	۲۲۶	۶۹۶	پرفشاں	پرفشاں
۲۰	۶۶	دیکھتے	دیکھتے	۲۵۱	۶۰۹	چھپاتے	چھپاتے
۲۱	۶۲	خوشگوار	خوشگوار	۲۵۵	۶۱۶	اشاد کھانا	اشاد کھانا
۲۲	۱۳۸	غرض کی	غرض کی	۲۶۶	۶۵۵	ہمیں حق	ہمیں حق
۲۳	۵۱	-	-	۵۲	۶۳۶	تیر کی لک	تیر کی لک

تصاویر کے عروا سفید کاغذ پر کشید کی جاتی تھیں۔ وزن تصاویر میں بھی، درجہ کوئی نسبت لال
 طبع ایک بہت زیادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوؤں کے عجیب گھروں کی تصویریں تصاویر میں
 زیادہ استعمال کی جاتی تھیں۔ ان کا یہی وہ باتوں سے غالب کو یہ تصویریں کھینچ کر نکال
 پیدا ہو کر تھیں۔ تاہم کاندھلویوں کے بعد اس سے پہلے بھی شعرا میں نظم کیا جاتا تھا جیسے
 کاندھلوی حامد پرشید و بدر گاہ کاندھلوی زادہ خاطر من تاہم سی داد مرزا
 میں زیادہ خاطر من یا مرزا کاندھلوی میں پنکرا بہتر زادہ، اس بارگاہ و مجمع پور شاہ
 کبیر دت ہیں انصاف کیلئے آج بھی تاکہ تو زمین سے غلطی نہ ہو، میری داد ہے۔ اب یہ
 فارسی شعور و ادب کی جو مضاف کے شعور کے اہل سنی حوت ہندوؤں میں گئے ہیں کہ وہ
 ایک طرح لال رنگ کی تصویریں کھینچ کر اس سے مضاف رہا، جسے مہیکر ایک نقش یا تصویر کا چرچن
 میں یا جو کہ کاندھلوی جو زادہ کاندھلوی پرین ہنس ایک فانی مواد کے مطابق کسی کے
 فوایدی مرتب کی ہو سکتی۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ نقش یعنی نقش تصویر یا دیگر تصویر
 پہلے کس صورت کے ہاتھ سے فوایدی ہے، مرزا فانی یہ تصویر اس وقت کہا تھا جبکہ وہ ہندی
 نہ تھا۔ درحکم پر فوایدی قدرت اسے حاصل نہیں تھی مگر چونکہ یہ شعر مطلع دیوں تھا۔
 جو حمد و ثناء میں کسی طرح صورت و اخلاق سے متعلق نہ ہا بیسے۔ اس سے
 کچھ گھٹ کر اس کے معنی یہ بنائے کہ تصویر یا کاندھلوی بنائی جاتی ہے۔ تو
 معاہدہ میں کاندھلوی کہہ کر فوایدی جو جاتی ہے۔ درجہ کہ دنیا کی ہر چیز ایک نقش یا
 ہے۔ تو یہی حال ہر شے کا ہے کہ وہ فوایدی ہے کہ بے پیدا کر کے
 کیوں مضاف درجہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ لہذا عجیب تک وہ نہ رہا ہے۔ اپنی
 ہستی کے ہاتھ سے نکال ہے۔ وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہو۔ ایک خط و کتابت
 غالب بنام عبدالرزاق شکر کو داد مرزا ہندی۔

۱۲۱ کاو کاو۔ مصدر کا دین کر دینا ہے۔ اور ایران میں ایک مقام کے تیشے
 کا نام بھی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو یہیں استعمال کیا گیا ہے۔ اور شعر میں
 زیادہ جوش رکھا کرتا تھا۔ اس کی جگہ شیر کا بھی پہل اٹھایا گیا ہے۔

مضبوط شعور سے مخاطب ہم سے تہذیبی و فراق کی سخت جانوں کی کریم کاہن اور
 کاش کا حال نہ پوچھو تم کا صبح کرا رات کا شنا، مگر یا فراق کی جوت دوہ کی
 نہیں، نہ سے فراق سے شکر کی گئی تھی کہ وہ جگہ شیر یا بھگا کاشے شیر یا بھگا کاشے
 رہا، گواہ کے سینے سے اس کی دہریں اس کا دم باہر نکلا نظر آتا ہے سینے
 کے اس میں یکساں اختیار و جذبہ، عاشق کے عشق کرنے کا موجود ہے۔ جو دیکھ
 کے قابل ہے۔ تمہارے زیادہ جوتیز وہ تہی ہو کر تھی ہے ذرا بھری ہوئی ہے
 اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۲۲ اگلی۔ اسے اگلی یعنی واقعیت کو مقصد رکھ کر لکھنے کے لئے جو سے کا جان بچا
 رہا جاسے اشارتیں مگر ان کے سنی و معنوم مدہم ہوئے۔ تیرہ ماہ تھا کاہن کا
 یا مقصود تھا ہے (نقشے مروجہ ایک ایسا جوت ہے جو سننے تو ہیں مگر کیا کسی نہیں
 کیونکہ وہ عالم مردم میں رہتا ہے۔ عام فقر پر مبنی عالم شرف و فاقہ شادی ہے
 ۱۲۳ ایک رچ بک ہلے غالب میں عالم قید میں بھی۔ جو یہ نظم صبا کے، آتش زبرد
 جوں۔ سنی ایک توفیقہ دوسرے میرے ہاتھ کے بچے آگ بھی لگتی تھی ہے۔ اس
 کے سبب سے پری زنجیر کا حلقہ لاؤ جو کہ کا کا اٹھائے آتش زدہ بن گیا ہے
 یعنی میں بال کو تینک قہر ہے وہ چڑم سا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میرے ہاتھ
 کے بچے کی لگ کے سبب سے پری زنجیر کا حلقہ جو گول صورت کا ہے۔
 واصل وہ چڑم جو کہ یاب بن گیا ہے۔

جوتیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار۔ ۱۲۴ صحرانگر بہ تکی چشم حسد تھا
 آتش لگنے سے نقش سوید کیا درست۔ ۱۲۵ ظاہر ہوا کہ دلخ کا سراپا وہ تھا
 کتا خواب میں خیال کو بچھڑے معاملہ۔ ۱۲۶ جب اکھ کھل گئی نہ زلیاں تھا نہ سرو تھا
 نیا سون گھٹن دم دس میں سبق منزلہ۔ ۱۲۷ لیکن یہی کہ رفت گیا اور ہوت
 دھانپا کن نے داغ غیوب پرستگلی ۱۲۸ میں وہ نہ بر لہاس میں نگاہ جوت تھا

میتھے بغیر مرد کا کہ کن است
سرکش غار رسوم و قیود حق

۱۶ سوئے مجنوں کے اور کوئی شخص نجد کے میدان میں بکٹے کارنہ یا بیہوش کام
کرنا کو میدان میں نہ نکلا دریاں عشاق کی طرح صحرانوردی کو اگر رشاد کہ میدان نجد
بھر، طبرستان کی آنکھ کی طرح تنگ تھا۔ امانہ کی آنکھ کو ہمیشہ تنگ کہا کرتے ہیں۔
کہ یہ دوسرے کسی کو نہیں دیکھ سکتی، گیہ قیس یہ مجنوں کے سو اور کوئی بڑا صحرانورد
مجنوں نہیں ہوا۔ تو یہ اس لئے کہ یہاں نجد میں صرمت ایک ہی محنوں صحرانوردی
کر سکتا تھا۔ وہ خدا اور پڑا ہوتا۔ تو کسی دوسرے مجنوں کو بھی میدان ہاتھ آتا۔
مطلب یہ کہ در عشاق بھی مجنوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر ویسے سبب بزرگ
کو حاصل نہیں ہوسکتے جیسے کہ قیس کو ۷

۱۷ آتش نکل (پریشانی) یہاں مرد پریشانی خاطر بنے سوید (دل پر جو کاناغہ ہوا کرتے)
س کو درست (تھیک بتا دیا یعنی ہموار کر کے قرباٹ دیا جو ظاہر محو (ثابت ہو کر) داغ
یعنی دس کے سویدے کا سروایہ (محو اور صاف دہنوں ہی درں تھا چنانچہ دل کی
سطح جس پر سوید ہوتا ہے۔ وہ بوجہ پریشانی خاطر جب کچھ پسلی تو اس سے نصرت سوید
جو یہ درد تک کا سوتا ہے کچھ درست سا ہو گیا یعنی مٹ گیا۔ لہذا داغ سوید بعض
اہم و ہی جمع تھا۔ یہاں دوسرے مراء کا دھوس ہے مطلب یہ کہ دس کی
پریشانی سے عاشق نے آپس کھینچیں تو یہیے زور سے کہ دس کے سوید تک مواد آگیا
۱۸ معادہ۔ عاشق و مشتوق کے درمیان جو کچھ گزرتا وہ معادہ کہلاتا ہے مثلاً انھما
نہوئے وصال شکوہ و مکیات وغیرہ جب خواب میں تیرے ساتھ بذریعہ خیال
معادہ کرنا پڑا۔ اجمہرت بر لطف تھا مگر حجب آنکھ کھل گئی۔ تو زیاں نہ ہو جی
کچھ بھی نہیں تھا سدا کے معنی چرخ بین دین کے بھی ہیں۔ اس مناسبت
سے زیاں دہ کے لفظ یہاں استعمال ہوسکتے ہیں ۷
۱۹ کتبہ۔ بتدائی مردہ ہم دل یہاں مرد عشق ہے۔ عشق کے ابتدائی مرحلے

میں ابھی میں بطور ابتدائی عشق سے رہا ہوں۔ سین و ہوسق ہیں ہے کہ دس۔ رفتہ
رہل ہاتھ سے گیا یا دل (دور) دل ابھی بھی میرے پاس تھا۔ اور وہ نہا پستے
کتب کے رشک عموماً فارسی پڑھا کرتے تھے۔ جیسے نیدرلٹ۔ نیدل کوہ بود۔ وغیرہ وغیرہ
یعنی رفت و بود بہت متشکل ہوتا تھا۔ رفت یعنی گیا۔ اور بود یعنی تھا۔ یہ دوسرا
بھی گیا سبقت ہے ۷

۲۰ میرے دل محبوب بزرگ (میرے نکل فحاشی کے عیبوں کے داغ) کو کھن یا
میری موت ہی نے ڈھانپا یا۔ یا مگر کسی مہر کی میٹھی شہ جوتی۔ ورنہ میں ہر
مہاس میں (جیسے ہر کماش میں مثلاً بادشاہ تھا۔ فقیر تھا۔ زندہ تھا یا پارہا رہنے
اس درجو کے جئے تنگ یا ہا محبت شرمنگل تھا۔ مصعب یہ کہ انسان خرو کسی
جہنیت کا جو۔ جو سب کے کٹھاؤ نہیں ہوتا۔ لہذا صرمت ہی اسکی پردہ پوشی کر لی تھی ۷
۲۱ کو کھن (فراد) بغیر تیشے کے مرد کا۔ وہ غار رسوم و قیود (موت کے لئے) میں بڑے
سرکش (مگر) ہو چکا تھا شعر کا آدھ ہے کہ کبھی کبھی مجنوں یا فراد وغیرہ عشاق کی
نہایت سے خیانت کا عہد رکھتے ہیں۔ کہ جن سے ان کی سگی جو چنانچہ یہاں
کھاسے کہ فراد تیشے کو مار کر مراء۔ دروہ جب تک زندہ رہا اس تیشے کو اس سے
کی گویا ایک جسم اور گرا ہوا تھا۔ تو وہ عاشق صادق نہیں تھا کیونکہ عشق کسی جسم
و قہد کے پابند نہیں ہو کرتے ۷

کہتے ہو نہ دیشے ہم دل اگر پڑ پایا ۱۲ | دل کہاں کر گم کیجئے ہم نے خدا پایا
عشق سے طبیعت نے ریت کا مڑ پایا ۱۳ | درو کی دوا پائی درو بے دوا پایا
دستار کو دشمن ہے افتاد دل مسدوم ۱۴ | آو ہے اثر و نیکی مالہ نارس پایا
سلاوی در کار دی بخود کی بکشیاری ۱۵ | اس کو کتا غل میں جرأت اڑا پایا
خون چھڑکا کھینے آج ہم نے اپنا دل ۱۶ | خون کیا ہڑا دیکھ گم کیا ہوا پایا
حال دل نہیں معلوم سین اقتدر یعنی ۱۷ | ہم نے بار بار دھونڈا تم سے بار بار پایا

شہر پندنا میں نے غم پر تھک چھڑکا ، اس کے کوئی پرچہ مجھے تمہارے کیا نرا پایا
 (۱۷) تم مجھ سے کہتے ہو کہ تیرے دل میں نہیں نہیں پرچہ مل گیا۔ تو کوئی مونی چہرہ
 جیسے پاس کے لڑائی نہیں جاتی۔ مجھ سے نہیں دیکھو۔ یہ فیض گارڈ کی باتیں ہیں کیونکہ
 میرے دل میرے پاس ہے ہی کہاں کہ آپ اس کو گم کر دیجے۔ ہاں اس قدر میرے
 لیے معلوم ہو گیا۔ کہ ہمارا دل میرا دل جو تھکے پاس جو اسے دیکھ کر نہیں ہے۔
 (۱۸) چہرہ محنت سے انسان کو دنیا کا سچا غم بھوں جانتا ہے۔ لہذا اس کی بات
 ہماری طبیعت کو اپنے جینے میں بڑی لطافت حاصل ہوتا ہے۔ مگر چونکہ عشق میں
 عاشق کو صدمہ تکلیف بھی پیش آتی ہے۔ اس لیے یہ ایک قسم کا رنگ بدود
 بھی ہے۔ لہذا اس پر پورا ہوتا ہے کہ اس درد میں غم عشق کا چہرہ کیونکر کرنا
 چاہیے۔ کہ یہ دکھ بھر سکی نہ ہو۔ تو اس کی دوا کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر عشق
 ترک کر دیا جائے جو اس کا بہترین علاج ہے۔ تو پھر زندگی بھرا ہو جائے گی۔
 پس ایسی صورت میں ہی مناسب ہے۔ کہ عشق ضرور قائم رکھ جائے۔۔۔
 ہذا عشق یہ ایک خاص قسم کا درد تو ہوگا۔ مگر بے دوا گویا
 اس درد کی دوا پائی۔ درد بے دوا پایا
 نوٹ۔ زندگی اگر کسی قسم کے شوق یا غم کے بغیر بسر کی جائے۔ تو
 یہ بہت بے لطافت ہو کر رہے گی۔ کسی نے کہا کہ
 عشق سے طبیعت نے تربیت کا نرا پایا
 مگر وہ عشق تو ایک رنگ ثابت ہوا۔ اس کا علاج چھ نہیں ہے۔ سوائے
 اس کے کہ یہ بے دوا ہی رہے۔ تو اچھا۔
 (۱۹) اقبال کا ایک شعر ہے۔ آہ جوں سے بھتی ہے اتر کر رہے۔ غائب
 کہتا ہے کہ چونکہ بہارِ دل دوستِ دل دشمن ہے۔ یعنی اس معشوق سے جو مازِ درد
 خواہ نہیں ہے۔ چاہا ہے۔ اس لیے اس کا کچھ اعتبار نہیں رہا ہے۔ یعنی
 ہمتا و دل معلوم ادا اسی باعث ہلاکی میں ہی اتر نہیں۔ کہ کسی کو متوجہ

کہے۔ زمانہ یا فریب ایسی ذرا سے محنت ہے کہ کسی تک پہنچے یا سمان تک
 جاسکے۔ اور ہماری کشمکش ہو۔
 (۲۰) من سے دوسرا دوسرا غم بھرتی یا بناؤ سنگار و ترائی میں بناؤ
 ذکرناہ جرات کے معنی یہاں جرات و مانا یعنی معشوق کے بناؤ سنگار و ترائی
 کسنا تحریریں و تزیینتیں جرات آؤ۔ کسنا جرات تزیینت تحریریں لایو۔
 یا دل کرنا افضل مطلب عروہ من کو تنہا میں یعنی معشوق نے جب بناؤ سنگار
 کی صورت سے فطرت کی۔ تو اس کی سادگی میں دشمنی کو جو باد جوں سادگی
 کے اس کے بہرے و سداوہ رہا کرتے ہیں۔ یہ کاری کیسا لطافت آیا۔ یہ کچھ
 کہتے ہیں معشوق ہے کہنے ہی بھلا گتا ہے، یہی طرح معشوق کی بجز دلی
 بوجہ کفایت حسن وہ اگر اپنے بناؤ سنگار سے غافل رہا۔ یا اہم نہیں کہہ سکتے
 جتنی بے کاب حسن سے بخیر دیا۔ بخیر ہے۔ تو اس صورت میں بھی عشاق کے
 لئے گویا اس کی بجز دلی بھلا گتا ہے کا کام کر رہی ہے۔ کہ عشاق اس کی
 طرف مائل رہتے ہیں۔
 (۲۱) غم پھر کھا لیکن میں پھر بہار کا موسم، گیا ہے۔ (جیکہ عشاق و بہار ہو
 جاتے ہیں۔ آج ہم نے اپنا دل بھی تو غنچہ لڑکی طرح جو بوجہ سرخ بگمت کے
 خون آلود نظر آتا ہے، جن کی سر پایا۔ ہر کسی (بوجہ غنچہ کے جد کو بھوں بگما
 کے معنی غنچہ کو بصورت دل ہوتا ہے۔ پھر کہیں کر ایسا نہیں رہتا، ہم نے
 اپنا دل گم کیا ہمارا پایا مطلب یہ کہ اس درخت کی صورت ایک جیسی ہوا
 کتی ہے۔ پہلے پہلے کارنگ بہت سرخ ہوتا ہے۔ اور وہ کچھ نہیں ہوتا
 تو گویا وہ دل ہے۔ کہ خون سے وہ ہوتا ہے۔ پھر غنچہ پھل جاتا ہے۔ تو وہ
 پھول بنی گئے۔ غنچہ نہیں رہتا۔ اس طرح دل پر پہنچا دور اثر عشق (جیکہ
 وہ تیرے نظر سے قتل ہوتا ہے) ختم ہوتا ہے۔ تو پھر وہ ہاتھ ہی سے جانا رہتا
 ہے۔ گویا پھر دل کو گم کیا ہو پایا۔ یعنی گمشدہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۷۱) ہمیں اپنے دل کا حال پر معلوم نہیں بلکہ ہفتہ روزہ ہم ہے کہ ہم کو چاہیے
 اور اسی لئے اس کو ہم سے ہر دو صوفیہ لڑتے ہیں۔ اس سے نکلا۔ کہ اگر کوئی نہیں
 سنے اس کو بار بار کہیں نہ کہیں سے اس کے رکھ لیا ہے مطلب یہ کہ ہم قہار سے ہی
 بار بار ماضی ہوتے ہیں۔ نہ معلوم کیا وجہ ہے۔ کہ ہمارا دل ایسا کرتا ہے۔
 ۱۷۲) زخم پر ٹنگ چھڑکنے سے درد پیدا ہوتا ہے۔ لہذا یہ مخالفت طبع کام کرتا
 ہے۔ کہتا ہے کہ داخلہ کی نصیحت کی ابتدا دے دے میرے زخمی دل پر جو بوجوش
 زخم خوردہ تھا، گویا ٹنگ چھڑک دیا۔ بھلا نامع سے پرچھے کہ آپ کو اس میں کیا
 مزہ آیا۔ لیکن ہم تو ماضی طبع سے ہیں۔ داخلہ نصیحت سے کیا کام ناسخ تاج
 سے ہیں سستیاب ہے۔

۱۷۱) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔	۱۷۲) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
۱۷۳) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔	۱۷۴) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔

۱۷۵) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔	۱۷۶) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
---------------------------------------	---------------------------------------

۱۷۷) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۷۸) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۷۹) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۰) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔

۱۸۱) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۲) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۳) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۴) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۵) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۶) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۷) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۸) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۸۹) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۰) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔

۱۹۱) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۲) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۳) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۴) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۵) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۶) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۷) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۸) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۱۹۹) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۰) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔

۲۰۱) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۲) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۳) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۴) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۵) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۶) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۷) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۸) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۰۹) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔
 ۲۱۰) دل میں دھڑکنے سے بے حال ہوتا ہے۔

ہر گز نالہ دل دودھ چراغ مغل ۱۰ جو تری بزم سے نکلا سر پریشان نکلا
وہ حسرت زدہ تھا مابعد لذت و دودھ کام یاروں کا بقدر یہ پند و انداز نکلا
ہے تو آئندہ فنا ہمت و شور پسند ۱۱ اس وقت شکل ہے کہ یہ کام بھی سلا نکلا

۳۰۰ دل میں پھر گرہ سے نکلا شہر غمناک
آہ چہ قہر و نہ نکلا غمناک سوجھنا نکلا

۲۵۱ شوق یا عشق ہر حال میں سر و سامان کا قریب ثابت ہو چنانچہ نہیں
انہوں تصویر کے پر سے دیتے نقش تصویر پر کاغذ کا پردہ ہوتا ہے اس
میں سے بھی نکل نکلا۔ مائل شہر کے کہ نہیں کی تصویر چونکہ غمناک برہنہ بنائی جاتی
ہے تو گرہ یا عشق ظاہری آتش اور ساز و سامان کا دشمن ہے کہ اسے یہ
نہیں چاہیے ۱۲

۲۵۲ داد نہ دینا۔ حوصلہ افزائی نہ کرنا یا کسی چیز کی ہمت بندھ کے اس کو
ترقی نہ دینا۔ تنگی دل تنگی دل کا کسی بات کے نہ سمجھنے سے مدد نہ دینا۔
تیر کا نشان ہونا۔ تیر کے پر جوڑے ہیں۔ جو اگر کسی کو گئے۔ تو وہ اس میں گڑا
ہائے میں۔ ہذا تیر کا نشان ہونا۔ اس کے ہر کسی چیز میں نہ گڑنا۔ بلکہ ہر
بامرعبہ ڈھینے جانا۔ مطلب شہر۔ میری دلی تنگی یا دل کے غم کی دل کے
زخم سے داد نہ دی لینے اس تو ترقی نہ دینا لینے یہ زخم بڑھانا۔ تو میرے
دل کا تنگی بڑھانا۔ علاوہ ازیں تیر بھی میرے سینہ بیل سے نکلا۔ تو وہ ہر
جھڑکے نکلا۔ حالانکہ اس کے ہر دل میں رہتے۔ تو دل میں غمناک ہوئی اور
زخم خوب بڑھتا۔ اور عشاق جس قدر زیادہ دکھ میں ہوں۔ خوش ہو گئے ہیں وہ
وہ سرے سے مٹی۔ فریاد کے طور پر کہتا ہے۔ یا رب زخم سے تنگی دل مٹی
دل کی دوست کی داد نہ دی۔ مٹی اس کی دوست کو نہ بڑھایا۔ جس کی
بدولت کوئی تیر اگر اس میں جھکا۔ تو اس کے اندر ہی رہ جاتا۔ اور پھر تیر

مٹی بھیل میں لگا تو دما جھوکے باہری پر جھانستے جھانستے مٹی گیا مٹی
انکا نہیں کہ غمناک کرتا رہتا ۱۳

۲۵۳ پھول کی خوشبو دل کی لذت یا وہ دھاری اور مغل کے چہرے کا دھریں
انہیں سے جو بھی تیری مغل سے نکلا۔ وہ پریشانی کی حالت میں نکلا گریبا
وہ نکلا ہی نہیں پابستا تھا کیونکہ تیری مغل مٹی دھریں جگہ سے نہ کر سکتا نکلا۔
تو پریشانی ہو کر۔ اس میں شک ہے۔ کہ خوشبو فریاد کا شہر اور چراغ کا
دھریں یہ چیزیں مٹی کی حالت میں ہی کسی مقام سے دور جاسکتی ہیں۔ کہ خوب
پھیل جائیں۔ اور پسند پریشانی سے مشابہ ہوتا ہے ۱۴

۲۵۴ میل حسرت زدہ دل چونکہ لذت و دودھ یعنی درد کا مزہ چکھنا سنا اور شوق
فنا۔ اس سے یادوں میں ہمارا یا اپنا کام بقدر پسند و نہد نکلا۔ مٹی حسرت
کے غم میں انسان کسی پتے سب کو مانگتا ہے بیکار کا شائبہ۔ اوکھڑی دانت
جیسا ہے۔ مٹی حسرت و فر حسرت ہو۔ مٹی حسرت زیادہ ایسا کیا جاتا ہے۔
مائل شعریہ کہ دل میں حسرت حسرت بھری مٹی سمجھنے اپنے بوٹ کو خوب
زور سے کاٹا۔ مٹی طرح فائزوں کہ مٹی۔ اور ایسی حالت میں انسان بھی کیا
کرتا ہے۔ خوبی شر میں یہ ہے۔ کہ دل کو اچھا حسرت سے تشبیہ دی ہے اور
انسان نکلائے وقت یا غم و رنج کے وقت لب و دندان بھی سے کام لیا
کرتا ہے۔ یادوں کا کام یہ پانا ہی وہ ہے۔ مثلاً کہا کرتے ہیں۔ بس
یادوں کا کام بن گیا۔ مٹی ہمارا ۱۵

۲۵۵ ہمت و شور پسند۔ مٹی وہ ہمت و حوصلہ جو مجھ میں ہے۔ اور
اس کی بدولت میں دشواری سے و شور کام بھی کرتے پرانا وہ جو جاتا ہوں۔
وہ اب میری تو آئندہ فنا ہے۔ اپنی پیٹے تو وہ صرف دشواری کی طرف
مجھے لپکاتی مٹی جس میں فنا نہیں ہونا پڑتا تھا۔ مگر اب اس سے بھی بڑھ
کر غمناک دینے مٹی ۱۶ ہذا اگر یہ کام و تشیم فٹ بھی پیش سا بقہ عالم دشوار

پسندی کے کہ آسمان تھا تو پھر میرے لیے دشوار پسند ہونے کی وجہ سے کوئی
دشوری تھی۔ تی نہیں ہو سکی۔ اور میرے لئے گویا سونت مشکل ہو جائیگی مطلب
یہ کہ جبکہ دشمنیات جوں اور دوا مل نہ جوں۔ وہ مجھے پسند ہیں +
(۳۰) کوئی لب گر جو سینی چہرے روئے میں جو میں نے کچھ ضبط کیا تھا۔ اور
کوئی قطعہ آتشوں کا، میرے دل میں ٹپکنے سے رہ گیا تھا۔ سب اس سے
پھر تھا یہ رافت ہر پاکی اور وہ اب کے طوفان بن کے فوہار خواہے سینی
اس نے مجھے سخت پائی ہر گاہ کیا ہے۔ قادر ہے۔ کہ جب روتے ملتے
تک ہائیں۔ تو دوبارہ اس سے زیادہ زور کا رونا مانتا ہے +

۱۸	دل میں مریخ جو نہ باب نبرد تھا	۱۹	مشرق نبرد پیشہ طلب گہر مرد تھا
۲۰	تھا نہ نہ میں مرت کا کشکا کا ہوا	۲۱	اٹنے سے چشتر بھی مراد ملک تھا
۲۲	تا سب سے پہلے وفا کر۔ با تھا میں	۲۳	بجو مریخیاں۔ بھی لسنہ و فرو تھا
۲۴	دن تا جگر کا سائل رہا میں خون سے سب	۲۵	اس بگڑ میں جلوہ گل گئے رو تھا
۲۶	ہاں ہے کوئی کشمکش اندویش کی	۲۷	دل بھی اگر گیا تو وہی دن کا وہ تھا
۲۸	مہتاب چاہا سانی دشت نہ کر سکے	۲۹	زندہاں میں بھی غیاں بیاں نرد تھا

۳۰ یہ لاش بے کفن اسد غمت جاں کی ہے
۳۱ اس مغرت کرے مہتاب از او مرد تھا

۳۲ باب۔ لائق۔ نبرد۔ لڑائی۔ باب نبرد۔ لڑائی کے لائق نبرد پیشہ میں
کا پیشہ لڑائی ہو۔ خوب لڑنے والا۔ وہ شخص جو عشق کی ایک ہوگی سی سے مر
گی جو رشتے کے قابل نہیں تھا کیونکہ عشق جس کا پیشہ نبرد (لڑائی) ہے۔
وہ طلب گار مرد کسی جنگجو آدمی کا طلب گار تھا مطلب یہ کہ عشق جو غمزد
کا کام ہے +

(۳۲) زندگی میں میں مجھے موت کا ڈر لگا رہتا تھا۔ حالانکہ جب تک انسان
جیتا ہے وہی کیوں مرنا تو ایک دن ہے ہی۔ دوسرا مصرعہ اس کا ثبوت
ہے۔ کہ اپنے آپ کو مثل ہا نوح کے فرض کر کے کہتا ہے۔ کہ اٹنے سے پیشتر
میں میرا ملک ڈرو تھا یعنی حبیب و کو میں نے دیکھا تو معرفت اسی کے
خوف سے نہ ڈرو ہو سکے ہیں نہیں اڑی تھا۔ بعد اُس سے قبل بھی زرد فم
تھا کیونکہ اس وقت موت کا ڈر لگا رہتا تھا۔ حالانکہ شعر کہ انسان کو ہلاکت
سے کوئی نہ کوئی خوف یا مہدی پیش نہ رہتا ہے۔ وہ یہ دنیا جیسے غمشت ہے +
دوسرے معنی۔ اس شعر کے آئین بھی ہو سکتے ہیں۔ اٹنے سے پیشتر

کر اور مرنے سے پہلے ہی ہے۔ تو پھر شعر کا ماحول مطلب یہ کہ جیتی جاں ہی
میں مجھے موت کا ڈر لگا رہتا تھا چنانچہ مرنے سے قبل بھی میں درود دے رہا
ہوئے گا۔ کسی خوف یا ڈر سے زرد ہو کر رہا ہے۔ گویا پیدا ہونے سے
مرنے تک میں صدات ہی سے خوف کھتا رہا ہے +

(۳۳) اولی میں ملت ہزار کو کہتے ہیں سی سے تالیف یعنی کسی کتاب
کے ہزار اسے مرتب کرنا ملتا ہے کہ سب سے کہ میرا گھوڑا خیاں وفا کے
مضمون کے متعلق، بھی فروز د تھا اس میں اس امر میں رہتاں خیال تھا
یونکہ پوری طرح سے مجھے نہ آئے ہیں۔ لڑائی تو مجھے نہیں تو وقت گزرا
مفوت اس کے جمع کا سکتا نہ تھا اس لئے ہر دو کے ساتھ میں وفا کے
مقتدا (۳۴) شے میں تالیف سنہ ہائے مونا کر رہا تھا۔ گویا میں ایک ایسے
کام کو کر رہا تھا۔ جو زمانے کے مدت سی سے باطل کچھ نہیں کہتا۔
میں زمانے میں وفا کا کہ سنہ ہائے وفا کا بیعت ہو سکیں۔ مطلب شعر میں
میرا خیال اس لئے ذی خیانت یا تجربات کا ذخیرہ، بھی مضمون وفا کے
مضمون فروز د میں پیشان و رہا تھا۔ کہ اسی بنا پر وفا کے مضمون
کی کتاب میں مرتب ترسہ لگا۔ یہی زمانے میں جب وفا جی ہیں

تو اس کے متعلق کتاب میں مکتوب کرنا عیب تھا ؟
 (۱۳۶) چونکہ انسان کے دل اور جگر دور دور واقع ہیں۔ اسی لئے دل تا
 جگر کہا۔ اور ان کے درمیانی فاصلے کی نسبت کہتا ہے۔ کہ دل سے جگر تک
 جو اب ایک خون کے دیا کا کنارہ بن گیا ہے۔ اور چونکہ دیا کے کنارے
 پر روگ بطور رگنڈا اسے نالے آتے جاتے ہیں اس رگنڈہ (رگت) میں
 (جو اس لئے خنجر بن گیا ہے۔ میرے دل و جگر کے خنجر بن گئے ہیں)
 اسے یعنی اس سے قبل جلوتہ گل و گلاب کے پھولوں کا جلوہ یا اثر مشاعر
 و تازگی تھی۔ گرو تھا۔ یعنی کچھ حقیقت نہیں رہ گئی تھی۔ گویا مجھے دل و
 جگر سے بہت لطف اور راحت حاصل ہوتی تھی مگر اب یہ خنجر بن گیا
 ہے میں ؟

(۱۳۷) اندوہ غم۔ رنج دل کا درد۔ اس سے یہاں دل کا جلنا مراد ہے۔
 کہتا ہے۔ اگر میرا دل آگ سے جل گیا جس کا بظاہر مفہوم ہے۔ کہ وہ گوشت
 کا و عظام جو میرے سینے میں تھا۔ اور میں میں اندوہ غم رنج تھا۔ گویا
 اب دل کے ساتھ وہ خدج ہو گیا۔ تو پھر بھی عشق کے غم کی خوش
 (کشش) میرے دل میں باقی ہے۔ اور یہ کیا بھی ہو سکتی ہے۔
 برگز نہیں ؟

(۱۳۸) دشت سے مراد گھبرا کر کسی صحرا یا جنگل میں تنہائی کیلئے ہے جانا۔
 میرے احباب (دوست) میری اس دشت کا کچھ علاج نہ کر سکے۔ چنانچہ
 مجھے انہوں نے قید کر دیا۔ (کہ ایسے خیالات سے باز آؤں) پھر بھی
 میرا خیال بیا باں نرود تھا۔ یعنی میں خود کو دشت کر کے دشت نرودی
 نہیں کر سکتا تھا۔ مگر میرا خیال اسی طرح جنگل میں پھر رہا تھا۔ تاکہ وہ ہے۔
 کہ مجزئی کو جنگل غلنے میں ڈالیں۔ تو وہاں بھی اس کے خیالات اسی
 طرح پریشان رہا کرتے ہیں ؟

(۱۳۹) داش اسد یہ نام کا بہت نکلیں تھا۔ ہشت جان و شمشاد مال
 کی ہے۔ کہ جیسے زمین نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ محبوب ازا اور تھا جس نے
 اپنے کھن تک سیکھے بھی کہ نہیں چھوڑا تھا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔
 بے اسے شکستہ۔ لکیر کا معرہ ہے۔ مگر وہ بے و عاشق کوئی نہ کہ کھن کر

نیل جو مرغوب بہت مشکل پسند آیا۔ اس تمام شایک گفت بدین دل پسند آیا
 پیشین بدین فریدی باوید اسان ہے۔ اس شش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
 جوئے میری کلین ہے میری قائل۔ کہ اندوہ غم خوار جان و شمشاد مال

۱۴۰ جراحات کمرہ۔ ماس و مغان میں جگر مرید
 سہار کیا و تدغم خوار جان و شمشاد مال

(۱۴۱) شمع۔ شمع۔ شمع کے۔ دل کا کنارہ (جس کو سواد دل
 کا ہوا کہتی ہے)۔ اس سے دوسرے جھوٹ ہیں۔ صمد دل کا اشارہ کیا۔ بہت
 مشکل پسند۔ وہ بہت زعمشوق (جو عشاق کے لئے مشکل پسند کیا کرتا ہے)۔
 ایک گفت بدین ایک مستہیل میں مانا۔ صمد دل سے عشق کے دل و مرغوب
 شوق ہوا۔ اس ریت کو جو مشکل پسند ہے۔ شمع کے سواد دل کے لئے کا
 شوق اس لئے پیدا ہو ہے۔ کہ وہ عشق کے سواد دل اپنی ایک مستہیل میں
 نیکر ان کا تاش دیکھتا رہتا ہے۔ یعنی شوق عشق ایک مشقت ہے۔ پھر شوق
 جو کہ ایک دوسرے کے قریب جوں گے۔ کہ باہم رقابت کر کے مشکل پیدا
 ہوگی۔ اور وہ بہت مشکل پسند ہی بہت پسند کرتا ہے ؟

(۱۴۲) بیولی۔ کسی کام کو خوب مستعد ہو کر نہ کرنا۔ اس سے وہ کام بھی
 مستحکم تک نہیں پہنچتا۔ تو میری باوید۔ ہمیشہ کے لئے یاروں جو جانا۔
 کہ وہ کام بھی مستحکم ہی نہ ہوگا۔ مطلب شعر۔ دوست کو ہمارا عقدہ مشکل
 یعنی ہماری مشکل کی گرہ کھولنا یا اس کا حل کرنا منظور ہوا ہے مگر وہ

۱۴۔ سرکش کے مرد لپکے بالوں والی زلف تھیں۔ ہندوؤں کے ہاتھوں کے پھلے یعنی کہ وہ زبرد
بیر سیرۃ خط اس نفی (نالی) نفوں کے نالکے کے پھلے کے لائق بلکہ نہ کر سکا۔
بیر سیرۃ خط کے ہوتے تیری زلفیں کڑی ہیں۔ تاکو گویا اس زبرد سے وہ لانا نالک
لوب۔ ہو۔

۱۵۔ نہ وہ وفا۔ مستحق سے وفا کر کے کی تکلیف میں سے ردہ کیا تھا کہ کسی
پتہ سے وفا کے غم و رنج سے خدا ہی پاؤں۔ ویر جہاں میں خود کشی کریں۔ مگر وہ ظالم
مستحق میرے اس طرح مر جائے پس بھی رضی نہ ہو۔ یعنی وہ ہی جہنم تباری کی خاطر
با مر سیرۃ نہیں کرتا۔ گویا وہ چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ اندوہ و غم میں مبتلا
ہوں۔

۱۶۔ گزر گاہ۔ معمولی راستہ۔ سر منزل۔ یہ لفظ کسی طرح کا ایک مرکب ہے
جیسے کہ میں سر براہ۔ سر گروہ۔ سر کار یعنی سرور کسی چیز کا کسی طرح منزل
لے بیٹھتا رہتا۔ اور سر منزل۔ منزلوں کی سرور منزل۔ یہی وجہ استعظیم گزر گاہ
وہ وہ چھوٹی سی راہ یا گزرتی ہوئی بڑے راستہ پر سما جاتی ہے اور پھر سب اس سے
سے جاتے ہیں۔ اگر میرے نفس (ذات یا وجود) بارہ سر منزل ملوئی۔ ہوا۔ سب غول
ہا ہیر گاہ کی وجہ استعظیم منزل کی گزرتی نہیں جانی میں بڑے مقدس قابل تعظیم
دی نہیں ہیں سب تو نہ سمی۔ میرا دل شراب و ریا غری کے خیال کی گزر گاہ سمی مطلب
یہ کہ گزر گاہ ایک پاک آوی خیال میں رہے۔ تو نہ سمی میں گہ گاہی چم چوں۔

۱۷۔ وعدہ وعدہ۔ یا وعدہ وصال منت کش اب منہ نکال کر
جو تخری میں ترس و وحشت۔ دیکھتے پر بھی راضی نہ ہو کیونکہ مبراں کہیں سکیں و کسلی
کی جو تخری کا اب مدد نہیں ہوا۔ یہی تو ہے جہنم جھوٹے وعدے کر کے مجھے وعدوں سے
جس جس ہوسے کاٹ دیتی ہیں جانا۔ تو اب اگر تو وعدہ کرے گا کہ میرے ہر حال میں
فوش ہوں۔

۱۸۔ محزنی قسمت۔ بد قسمتی۔ ہم اپنی بد قسمتی کی شکایت کس سے کریں ہم نے چاہا تھا

مہاشی (بھی) دعا مانگی تھی کہ مر جائیں تاکہ خود کشی کی کوشش کی تھی۔ مگر نام نہاد۔ ورنہ
بات بھی ہونے لگی اسوس۔

۱۹۔ غنیش سب یہاں دم چھوٹے کے لئے ہوتوں کو چاہا۔ حریف ربر کی جوت
برداشت کوئے واد۔ دم سانس چھوٹا یہاں دم چھوٹا۔ جیسے غازی و شامہ سے
ظفر کسی بیچ پر چھوٹا دیتے ہیں اسی طرح وہ بیسی حضرت عیسیٰؑ پر دم چھوٹا کر
انہیں اچھا کر دیا کرتے تھے۔ غالب حضرت جنت کے ایک ہونٹ ہاتھ کے صدر ہی سے
مر گیا وہ جو مگروری کے حضرت جنت کے (پورے) دم کر کے کی جوت برداشت نہ کر سکا جس اس
لا حریف نہ ہو۔ مرد سخت مگر دور و زنا قابل علاج تھا۔ حضرت عیسیٰؑ تم باؤں سے کہہ کر
چھوٹا دیتے تھے تو مرین۔ مردہ جب نہ کھڑے ہوتا تھا یہاں انہیں سب ایسے کے کو یک
جوت ہی ہوا۔ تو موت و حیات ہو گئی۔

۲۰۔ شایع گیسپ۔ اس قدر جس راہ میں وہ ایک گزرتی ہے ہم خود کے طاق سب کا
یہاں یہ گیسپ کا و شامہ مزاں کا ۵ کہ ہر ایک قطرہ خون واضح تیس مرص کا
خانی سلطنت قاتل کی داغ بھرے۔ دل کو ۵ لہو توں میں جوتے ہوئے پیرہ جوتے کو
دکھاؤں گا۔ دی گزرتی رہا ۵۵ مر مر دل دل اک کھپے سرور چراں کا
کیا تیرے قہر کا وہ نقشہ میرے صوے کے ۵۵ کرے جو پر تو خود تیرے شہادت ۵
مری قہر میں مضرت کے صورت خرابی کی ۵۵ بیوں بری حریں لاپتہ توں تیرے دہان ۵
آگاہ تھیں ہر جو سیرہ ویری ثبات کر ۵۵ مارا پ کھوئے پرتھاس کے تیرے دریاں ۵
قوتی میں مثال غول گنہ کھوت رزوں میں ۵۵ چربا مودہ بولی میں سے زہاں کو ۵۵
ہنوز ایک ہر تو قش جیال پر رانی ہے ۵۵ دل اسرودہ گویا جبرہ تیرا ہے ۵۵
خون غیری کی آج آپ سوتے ہیں کہیں وردہ ۵۵ سب کیا عجب میں گزرتی ہے ۵۵
ہیں معلوم کس کس کا سو پانی ہو ہر گاہ ۵۵ قیامت ہے سر شہادہ جو ناتری و گاہ
نظر میں ہماری بارہ را و فنا غائب کہہ شیرارہ ہے عالم کے حرام رسالہ

(۴۹) مستطیل گر تعریف کیے والا۔ مراح: باغ رضوں، باغ جنت، رشتہ، طاق نیاب، مویا کیا کرتے ہیں کہ یہ چیز بلا سے طاق یعنی من کو طاق پر کھڑکھڑا دو۔ لہذا طاق میں جنوں تک کا طاق کہ جس پر کوئی چیز رکھی، در بستر گئی، یہ بھول گئی، کیونکہ مسیحاں بھولتے تو گتے ہیں۔ زہد (واعظ) جس باغ جنت کا اس قدر مدح ہے، وہ تو ہم محروم آدمیوں و لوگوں کے بھولنے کے طاق کا ایک ٹکڑا ہے۔ غلہ سہ عام طور پر طاق کی زیت اوتاہے۔ یہ سہ غلہ مستطیل نیاب قرار دیا ہے۔ جو کدو غلہ سے جنت کے راستے کی تعریف کی گئی۔ غائب ہے اس کے، مغرب ایک گلدستہ پیش کر دیا اور واعظ کی بھول کہ اس کے سامنے باغ کے جواب میں ہمارا ایک گلدستہ ہی زیادہ ہمارے کارآمد ہے۔ اس کے باغ جنت کو ہم سے بلور گلدستہ کے طاق نیاب پر رکھو تو ہر گلدستہ کی دہی نہ تھے۔

(۵۰) ہر دو، غلہ کاوشمے، کھودنا، مڑاں، پٹکیں جو کائنات کی طرح تیز و نظر کی ہیں۔ در حیران کی نسبت کیا کرتے ہیں کہ وہ عشاق کے دل یا سب کو کائنات کی طرح چھوٹا کر لیں۔ مسیح مراح، موٹے کے دائروں کی تسبیح یا مار، مونا فون کی طرح لاپس ہو کر ناست، اس معصوم کے دیکھنے سے اس کی پٹکیں جو ہمارے دل یا سب کو کھودتی ہیں یا چھوڑ دیتی ہیں۔ اس علم کا کیا جا کر رہیں، کہ اس وجہ سے ہر ایک قطرہ خواجہ ہمارے دل سے گزرتا ہے۔ وہ گودا موٹے کی تسبیح لادنا ہوتا ہے۔ یعنی مڑاں کی سر و کسے ہر ایک قطرہ خوب گویا اس میں سہ ہر ایک حکمران کا تسبیح کی شکل میں داخل جاتا ہے مطلب کہ اس کا تیر نظر ہمارے سینے کو چھوڑ دیتا ہے۔

(۵۱) سلوت، رعب و پ، وائتوں میں تنکا دینا۔ اس سے مراد اپنے آپ کو ایک تنکے کی دست طیر و عاجز قرار کرنا، بھی خد بد نہں گزلفن فارسی میں سکتے ہیں۔ جب، غفلت اور سستی یا ایک جڑ کو گتے ہیں، پیتاں، کے لاجل سے بھی سہی، قائل لار صہو اب بھی میرے ناوں (روئے دھوئے اور شور کرے) کا مانع نہ یعنی میں اس سے رک نہ سکا، بلکہ (اٹا)، اپنے اہلار مجز کے سے جو تنکا قائل

کے سامنے ہیں سے چنے در غوب میں یا۔ وہ ایک پیتاں کی جڑاں یا اس سے صدر سے پیدا ہو کر شور پی سنے گئے، گویا قائل تو مجھ ہی کو خاموش نہ رہا تھا، کہ میرے نام کے طور کے ساتھ ایک پیتاں بھی دوا دینا ہے رگا، (سے کا کام شور کر رہے)۔

(۵۲) سر و چہرہ خاں، یا سہ میں حب جراحاں یا روشنی کرتے ہیں، تو اکثر سہ کے پوسٹ کی شاخوں پر چراغ رکھ دیتے ہیں، یہ موم تیاں رکھ دیتے ہیں، یہ سر و چہرہ خاں ہوتا ہے، جس سے باغ میں دور تک روشنی جاتی ہے، اسی طرح خوار و شادوں کی نسبت جہاں سے کما کرتے ہیں کہ یہ سر و ش کے جتنا اور، روشنی دینا ہوتا ہے، تنگ میرا ہر داغ دس سر و چہرہ خاں کا، یکہ یہ ہے، یہ تماشا کسی وقت دکھا دے گا، (یعنی سید کو جہر یا ب کر دے گا، اگر کچھ رہا سنے کچھ فرصت دی می می بھی قاتل کر دے گا) ہے، تماشاؤں کے لئے فرصت ہی کس مڑاں کی اصل کو بھی گتے ہیں، جیسے غلبہ نفس ایک گم حرم ہے، گویا مڑاں کی ہے اسی طرح یہاں دل کے داغ کو گم سر و چہرہ خاں کیا گیا ہے، گویا وہ گم سر و چہرہ خاں ہے۔

(۵۳) تیسہ خانہ، مکمل میں ایک ایسا گم حیران تھا، وہ تیسہ خانہ دے گئے ہوں، تاکہ سب سے پاؤں تک صورت و گتائی دے لفتہ کیا، یہاں مراد بڑا کرنا کر دیا، جلوہ، نکس، یہاں مرد تیسہ کے سلسلے کمرے ہو کر اپنے چہرہ علیہ یا علی ڈالنا، ہر تو نکس، ہر تو غور شد، سورج کا نکس یا اس کی روشنی، میرے ہوسے (جو کو تیسہ خانے تک پہنچا دیکھنے کا تیسہ خانہ کا ایسا تراخانہ کر دیا جیسے سورج کی روشنی حسنتاں کا ماں خراب) کر رہی ہے، حسنتاں سے مراد، کوئی درخت پر، شاخ و طیرہ جس پر شہنم پڑی ہو، مراد یہ کہ آفتاب کی روشنی سے شہنم پکھلتی ہے، در تیرہ جلوسے سے تیسہ خانہ کی قتلہ ہو جاتا ہے، گویا تیرہ جلوہ خیاں سے عرش سے بھی راہ ہر شے، و گزراہہ حسین ہے۔

(۵۴) تعمیر، بنانا، در اصل تعمیر کے معنی طور و از کر رہے، لیکن عام طور پر کسی عمارت کا بنانا یا کچھ تعمیر کرنا یا کسی سے کچھ بنانا، لہذا میری تعمیر سے مراد جو کچھ

مجھ سے بنتا جاتا ہے ضمیر پوشیدہ یا ضمیر میں ہوتا۔ صورت غزل کی۔ بر باد ہی اور
جانی سامان۔ پس سے

مری تعمیر میں مصرعے اک صورت غزل کی

اس کا مطلب یہ ہے۔ مجھ سے جو کچھ بنتا بنا ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی صورت بھی نہ
ہا سبب میری تباہی کا کچھ پوشیدہ ہوتا ہے ماکثرات میں تعمیر کے انسان کا جہم مراد ہے یعنی
مگر تعمیر کے حقیقی معنی میں نہیں ہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ ہیں جو در درجہ کئے گئے ہیں۔ تاہم یہ بھی
(میری تعمیر، میرا خاک جہم) کہاں سے جاسکتے ہیں۔ یہ مصنف کا یہ دعویٰ کہ میری تعمیر میں
کوئی نہ کوئی سبب میری برادری کا ضرور ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت دوسرے مصرعے میں بطور
استعارہ دیا ہے۔ کہ سے

بیوی برقی خرمن کا ہے خون گرم دھقان کا

یعنی بیوی یعنی وہ عورت جس سے کوئی پیر پیدا ہو۔ برقی خرمن وہ کھجور کہ جو کھپان
(خرمن) پر گیس یعنی جو خرمن ہی سے مخصوص ہے۔ کہ جب خرمن پیدا ہو۔ نو وہ بھی آمو لہو ہو۔
خون گرم سا گرم خونی وغیرہ۔ لہو گرم ہوتا۔ مراد محنت و مشقت، دہقان، دیہاتی، اب
مغلی معنی تو اس مصرعے کے ہیں کہ ہر وہ کھجور (جو خاص کر) خرمن پر گرتی ہے یعنی برقی
خرمن اس کا بیوی (حقیقی) ہو۔ دہقان کا گرم خون یعنی وہ محنت ہے۔ (جو کہ وہ کرتا ہے)
مگر انہی معنی سے شجہ ہوتا ہے کہ پیر وہ خاص معنی اس مصرعے کے (جو اس مصرعے کے ساتھ
معلق ہو سکیں) بول کئے جاسکتے ہیں۔ کہ دہقان کا گرم خون اس کی محنت جو خرمن کو پیدا
کرتی ہے۔ اور خرمن سے برقی خرمن کا وجود ہوتا ہے۔ یعنی خرمن نہ ہو تو پھر برقی خرمن
کہاں، بعد اکنس ہی کا گرم خون برقی خرمن کا سبب ہے۔ اور برقی خرمن سے کھپان لیا
کسان کہ ہونگا، بر باد ہو جاتی ہے۔ گویا خود اسی وجہ سے اکل تباہی میں آئی ہے۔ اب سے
مری تعمیر میں مصنف نے اک صورت غزل کی

(یہاں میری سے مراد انسان ہے۔ کیونکہ جو کہ دہقان پر گندا وہ ہر انسان کے لئے
نظیر بن سکتا ہے۔) غالب نے ایک اور شعر میں بھی خون گرم اور برقی خرمن کا مضمون اس طرح

اندھا ہے جس کے لئے خود ہندی میں دے گئے ہیں یعنی سے

کاراؤ آہتی ہیں لالہ داغ سماں ہے۔ برقی خرمن داغ خون گرم دھقان سے
اس کے متعلق صفحات متعدد ملاحظہ ہوں تو پھر مذکورہ بالا مضمون بھی ذہن نشین
ہو جائیگا۔

(۵۵) فانیہ شعر ایک سے دالہ کے احاطے سے تصنیف ہوا ہے۔ کہ حق میں وہ
ہو کر اپنا شعر چھوڑ کر دارہ سر ہو گیا ہے۔ اور اس کے دربان کی کوئی شخص خبر گیری نہیں کر سکتا
لہذا وہ اب اس شعر کی گھاس گود کے گزراؤ وقت کر رہا ہے۔ محض شعر اپنے محبوب سے
مقابلہ ہو کے کہتا ہے کہ میرے شعر میں رہ سبب میری وارگی اور گھر ترک کر دیتے کے
ہر طرف گھاس ہی گھاس پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ورنہ خاندان تو ہمارا بطور قاشد دیکھ کہ اب
میرا دریاں جو شعر کا رکھو، دھوا، وہ اپنی روزی کے لئے اسی گھاس کو (جو اس کثرت سے
وہاں آئی ہے) اکودا کرتا ہے۔ ہمارے معنی روزی کا وہ روزہ ہر عارضین غالب سے سبزا
سے مراد میرا بھگتا ہے۔

(۵۶) خون نشستہ، قتل کیا ہوا، بار بار خندا، جو مراد ہو بھاجو چراغ نور مرید
ہاں مسافر کی قبر مراد ہے کیونکہ غریب یعنی مہاجر ہے۔ اس عروجی نسبت کہتا ہے۔ کہ میری
فوتی (چپ چاپ بیٹھے رہے) میں اکوٹ قتل شدہ شخص بھی ہوئی ہیں۔ (کہ جس کا میں
اظہار میں کر سکتا گواہی ہے) میں جو بوسے کی حالت میں رہتا (مسافروں کی
قبر کے نیچے ہوسے چراغ کی طرح ہوں۔ کہ جو ہمیشہ کھرا رہتا ہے۔ درغامتو اس سے
کاس قبر کی کوئی خبر گیری نہیں کرتا، لیکن گرم دریا جلا جاتا۔ نو وہ بڑا بول حال تھا ہر
کہتا کہ کس کی قبر ہے، اور یہی چراغ قہر کی تباہ آرزو ہو کر رہا ہے۔

(۵۷) اہلو۔ جس قتل یہاں دس پر نقش یعنی گمراہ مراد ہے۔ خیال بار دوست
لکنا د خصوصاً اس کے حسن و خط و خاں کا نقش دل میں قائم رہا۔ قہر کو شہری
لو سن کا زخماں۔ حضرت یوسف مصر میں جاس لید کر گئے تھے وہ قید خانہ۔ اب میرا
دل (جو پختہ دوست کے حسن و خاں دیکھنے کے سبب ایسا ناخوش نہیں تھا) یہاں سے

قید فاسے لاکھیا جہرہ بن گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت بھی جبکہ دوست لاکھن و جلال اس میں دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ محض اس کے خیال کے اثر کا ایک پرتو اس میں رہ گیا ہے۔ وہ محض دوست کا سا بحر پر موج ہے یعنی میرے دوست کے من کے خیال کی ایک جھلک بھی تو لاکھن یوسف کے برابر ہے۔

(۵۸) تبسم مسکرتہ جس سے آنکھیں کھچک جاتی۔ رخسار قد سے مہرے ورد من ذرا نظر آتے گئے۔ اور کونٹ بھی کھکھوتے ہیں لیکن تبسم نہاں سے مراد وہ ہنسی کہ جس میں سب علامات غم پر نہیں ہوتیں۔ مگر ہونٹوں کے اندر یہ اندھ ہنس تبسم نہاں ہے۔ کہ جس کو چپکے چپکے ہنسا کہتے ہیں۔ اب کوئی شخص چوری کرتا یا لوٹی بچا کام کرتا ہو۔ پکڑا جائے تو وہ بھی اپنی غفلت چھپانے کے لئے وہ بے ہونٹوں مسکرایا کرتا اور تبسم نہاں سے کام لیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے محبوب سے کتنا ہے کہ تم جو دن کو بھی میرے پاس نہیں آتا کرتے۔ یہ میرے سوتے وقت خوب ہیں میرے پاس آنا اور رہے ہو ہونٹوں ہنسا کیا کھکھوتے۔ اس سے اس کا وہ خود ہی جو ب دیتا ہے۔ اس کے کہ تم جہرہ لاکھن کی ہنسی میں سور ہے ہو۔ اور اپنی غفلت چھپانے کو چپکے چپکے تبسم رہتے ہو۔

(۵۹) سو پانی ہو جانا۔ اس جگہ کو سناں گئی۔ اردو محاورے کے طور پر مستعمل ہیں کیا گیا۔ اور نہ خالصتہ کو ذوق یا اور شعرائے عریح اردو محاورے کے نظم کرنے کا سوتی تھا وہ تو یہ دکھاتا چاہتا ہے کہ معشوق اپنے حقائق کو جب نقل کر کے خون دہاتا ہے تو کتنا ہے کہ اس سے کوئی خون نہیں بہا پا۔ فلذہ پانی بہا دیا ہے۔ جو کہ ایک معصوم بات ہے۔ لہذا کتنا ہے۔ نہ معلوم آج اس طرح کس کس کو نقل کر کے م کے عشاق لاکھن پانی کر کے بہا دیا ہے۔ کہ جب اس پانی کی طرف تو نے دیکھا اس سے کبھرت تھرت تیری مڑکاں (چلوں کے پاؤں) ہیں انک کر رہ گئے اور تو سرشک آلود ہو گیا۔ یعنی جس طرح انسان رو دیا کرتا ہے۔ تیری مڑکاں لہذا یہ وہ پانی اٹھتا تھا۔ اور تو سرشک لگے ہوتا تھا۔ یعنی بار بار روتا تھا۔

”قیامت“ ہے یعنی بڑے عظم کا نظریہ ہے کہ عشاق لاکھن اس قدر بہا دیا۔ (۶۰) ہمارے۔ پکڑ نڈی۔ رو رہے۔ ہمارا راہ کسی رسک کی پکڑ نڈی جس پر سب لوگ چلا کہتے ہیں۔ جو سہ پریشاں۔ کتاب کے ورق ورق جز جی کو ایک خیر ازو یعنی بند من کے ساتھ کتاب کی صورت ہمارے ہاں نڈی چلی ہے۔ اسے غالب ہماری نظر سے یعنی ہم کو پیش نظر وہی راہ فنا کی ایک پکڑ نڈی رہتی ہے۔ کہ جو دنیا کے اجر سے پریشاں لاکھن خاص بند من ہے۔ یہی اس دنیا کی تمام کھری چوٹی چیزیں اور کیفیندیکہ ایسی پکڑ نڈی پر چل رہی۔ در بھر فتنہ جاری ہیں۔ مراد یہ کہ ہم کو اپنا عالم حقیقت بھی بھولنا نہیں ہے۔

نہو کا ایک بیاباں ماندگی سے زون کہ میرا ۶۰۔ حجاب موجز رفتا ہے نفس قدم میرا ۶۲۔ محبت نگی جہن سے بیس۔ اب یہ بیابانی پر کہ موج ہستہ گل سے آگ جی تانم میل

(۶۱) ایک بیاباں ماندگی ایک بیابانی مرکب ہوتا ہے۔ جیسے کہ ایک کو عالم یا ایک ایسا برہم و غیرہ۔ چونکہ بیابان ایک چوڑا چلا جنگل ہوتا ہے۔ جو اگر سارا پیدل معمر لگا ہوا ہے تو انسان سمجھتا تھا کہ ہوتا ہے۔ اور ماندگی۔ خشکنا خشکنا۔ لہذا ایک بیابان ماندگی سے مراد بہت خشک۔ جناب۔ ہبلہ۔ موجز۔ پانی کا حرکت کرنا موج کا پیدا ہونا۔ لہذا۔ حجاب موجز رفتا۔ رہ چلنے کی لہر کا ہبلہ۔ نقش قدم چلتے وقت زمین پر پاؤں کا نشان پڑنا مطلب شعر۔ میرا شوق (جنگلوں میں مارے مارے چرے کا۔ ایک بیابان بھر خشکناٹ سے مٹی بھی کم نہ ہو گا۔) یعنی میں اسی طرح دور دورہ سرسبز تار ہونگا۔ کیونکہ میں جب چلتا ہوں تو میرے قدم کا نشان میرے چلے جانے کی لہر کا ہبلہ بن جاتا ہے۔ اور جس طرح ہند ایک لہر کے اوپر خود کتاؤں پر چلے جس اوقات ٹوٹ نہیں ہے۔ نو گویا وہ خشک نہیں ہے اسی طرح میں بھی نہیں خشک۔

ہوں مذہب لفظ ہم کہیں منقطع ہوتا ہے۔ ورنہ اس کی شوق میں گھوڑتا ہوں۔
(۶۶) بچے پہلے بڑے ہیں مگر بچوں کو دیکھتے۔ ورنہ ان کی خوشبو سے کا شوق متا
مذہب پہلے بڑے دماغی رہے (انتہائی ہے) مگر (ان) مروج ہوئے گل یعنی بچوں کی خوشبو کے
پہلے ان کی خوشبو اور شہر سے بیزاگ ہوئی ہے۔ (مگ میں دم ہوتا ہوا ہونا) گویا حالات
رد کی سحر بدل سے گئے ہیں۔

سر پار میں عشق و ناگزیر لفظ ہستی ۶۳ عبادت برقی کی کرتا ہوں ورنہ حاصل کا
۶۴ بقدر ظرفیت ہے ساقی خواہ تیرہ گالی بھی
جو تو دیر سے ہے تو میں فیمازہ ہوں اصل

(۶۳) سراپا۔ سر سے پاؤں تک لقمہ رہن عشق۔ کسی کی محبت میں گرو ہونا۔ اس
میں گرو ہونا ناگزیر جس سے مطر ہو سکے۔ مجبوری کی علامت۔ لفظ ہستی۔ زندگی
کی محبت۔ برقی۔ بجلی جو حاصل یعنی خرم کو جلد دیا کرتی ہے۔ حاصل۔ خرم یا مسرت
کا حاصل مثلاً کدھم جو۔ باجرا وغیرہ۔ نوج میں عشق میں کو لقمہ ہو چکا یا مطر قاب
ہو چکا ہوں۔ (اور چاہئے کہ ایک عاشق صادق کی طرح ہی زندگی کی پروا نہ
کروں۔ مگر زندگی کی محبت میں بھی مجبور ہوں یہی اس سے مفر نہیں ہو سکتا۔ لہذا
یہاں برقی کی ایساں مراد عشق جو زندگی کے خرم پر بھگیں گرا تا رہتا ہے۔ اس کی تھ
عبادت یا پرستش کرتا ہوں۔ اور اپنے حاصل یعنی خرم کا فسوس بھی کرتا ہوں
مطلب یہ کہ اگر عشق کیا جائے تو پھر زندگی کی پروا کرنا محبت ہے۔ مگر کہ میں عاشق
بھی ہوں اور زندگی کا لقمہ شہدا بھی۔

(۶۴) ظرف۔ برتن۔ یہاں مراد حوصلہ۔ خوار۔ اس حالت کو کہتے ہیں مگر انسان کا
نشہ ترک ہو وہ دوبارہ شراب مانگتا ہے۔ مراد مطلب۔ تشنہ لانی۔ صلی کا ترشہ ہو تا
چپاس۔ فیمازہ۔ چمائی۔ جیسے کسی چیز کی طلب ہو۔ تو اس کی یاد میں جا تیاں بھڑکا وہ

حاصل ہو۔ فارسی میں ایک محاورہ ہے فیمازہ برکت برداشت۔ مراد اس کا خواہشمند ہونا
یہاں مراد ان کے حاصل کا فیمازہ سے مراد دریا کے ساحل کا کسی چیز کو طلب کرنا یعنی
ساحل پر ٹھٹھک مٹی ہوتی ہے۔ وہ دریا کے پانی کو طلب کرتی ہے۔ اور قاصر ہے کہ جھنڈ
دریا ساحل کی طرف چڑھا جائے۔ وہاں کہ یہاں مٹی پانی کو لے جاتی ہے۔ اس سے مصر
اول میں تشنہ لانی کیا اور وہاں شرب کا مٹی بھی شرب کے لئے جیتا دیا سا اور ہمسہ
رہتا ہے۔ مطلب شعر اس ساقی پیاس و خواہش کی حالت میں ہر شخص کی طلب اتنی ہو
کرتی ہے۔ جتنا کہ اس کا ظرف یا حوصلہ ہو اگر تو شرب کا دریائے۔ یعنی یا خوار و شرب
پلا سکتا ہے۔ تو یہی مٹی اس دریا کے ساحل رگنا رہے کا فیمازہ یعنی اور پانی طلب کرے
والا شخص ہوں گویا وہ جتنی شرب سے مٹی کی تشنہ خواہشمند رہتا ہوں۔

محرم نہیں ہے لہذا ہائے راز کا ۶۵ میں ورنہ جو عجب ہے پروہ ہے سار کا
رنگ شگفتہ صبح ہمارا نظارہ ہے ۶۶ یہ وقت ہے شگفتہ گلہائے ناز کا
تو دور ہوئے غیر نظر ہائے تیر نیسٹر ۶۷ میں اور وہ کہ تری فزودہ ہائے راز کا
صرف ہے عجب آہیں میرا و گرنہ میں ۶۸ طہر ہوں ایک ہی نفس جا نگہ رکا
بھی بہک جوش باد سے ٹپتے چھل رہے ۶۹ ہر گونہ بساط ہے سرستیشہ باز کا
گوش کا دل کرے ہے تھا صاکہ ہے ہنوز ۷۰ تاخیر چقرض اس گروۃ یتیمب ر کا
۷۱ تاراج کا دسب علم ہجر ال ہوا اشد
سینہ کہ مخا و قبضہ گہرا ہے راز کا

(۶۵) محرم۔ رازدار۔ عہد سے واقف۔ نوا پاسے۔ نوا گیت۔ نغمہ۔ وائے
اس کی صیغہ یعنی نغمے۔ عجب۔ کسی چیز کا پردہ یا اس کے چھپانے کا باعث۔ ساز۔ طبلہ
سازگی۔ یا ستار وغیرہ ہائے۔ ساز کا پردہ واکپڑا۔ جس کو کسی طبلے یا ساز کی پرڈ کر
دے بغا طبع رکھتے ہیں۔ مطلب شعر۔ تو غریب راز کے نغموں کا عہد ہی نہیں ہے

یہ قدرت جو حراز تیرے ساتھ ہوا رہے تیرے ہی ہے۔ مزید بھی کوئی ہندو آواز سے
سننے کا تہمت (تو ان آوازوں کو سن کر حرم نہیں ہوتا۔ یعنی ان کا مطلب نہیں سمجھتا
اور یہاں وہ یہاں کوئی بات مجاہد پر دے رہی ہیں۔ بلکہ جو پردہ ہے وہ بھی کسی
بات کے پردے کی طرح بہت جلد ہی اٹھ جاسکتا ہے۔ اور قدرت کے نکلے پامانی سے
جاسکتے ہیں۔ حاصل شعر یہ کہ قدرت کی کتاب سب کے سامنے کھلی ہے۔ اور کوئی ہمید
اس کا چب چا نہیں ہے۔

(۷۶) رنگ سے یہاں مراد معشوق کا بنڈ سنگار۔ رنگ شکستہ صبح سے مراد وہ
صاف ہے۔ کہ معشوق رات کو سو کر اٹھے۔ تو صبح کو اس کا جو رنگ تڑپا ہوا ہے۔ پہلے کہے
ہوئے منہ اور دانت وغیرہ صحت لاتی اور چہرے پر نازہ نازدہ ہمارے نظر رہ دینے کے
لالی ہمارے یا وطن سے کہتا ہے۔ کہ معشوقوں کا وہ وقت بھی دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ مگر خصوصاً
کوئی بار بار یہی ہوتا ہے تو صبح کے وقت ایک عجیب بے ڈھنگی عورت دکھائی دیتی ہے۔ یا
شاعر کا مدعا یہ ہے۔ کہ ایسے وقت بھی جبکہ معشوق بنڈ سنگار سے غافل ہو۔ وہ عاشق کے
سے بے بہرہ محبت ہمارے بخارہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر صبح کے وقت معشوق پہ بنڈ سنگار میں جب
مصرورت ہو جاتا ہے۔ تو عاشق کے لئے اس کی زلفیں۔ چھاتیوں۔ ناچوں وغیرہ قدر سے
غریب دیکھنا شرف دینا ہے۔ تو تو یاد وہ ہمارے نظر رہ ہوئی ہے۔ شگفتگی شکر سے
پھوٹنا گھٹنے ناز۔ نانکے چول۔ مثلاً معشوق کا چہرے پر سرفی ملنا زلفیں سنوارنا
یا جو بن نکھرنا وغیرہ جو صبح ہی کو کیا جاتا ہے۔ مطلب شعر۔ صبح کے وقت معشوق
کا تڑپ جو بن ایک ہمارے نظارہ ہوتی ہے۔ یعنی عشاق کے لئے بڑا پُر لطف
سامان ہوتا ہے۔ کہ اس وقت معشوق کے گھٹے ناز (یعنی بنڈ سنگار کے سازو
سامان) بطور بھولوں کے شگفتہ ہوساتے گئے ہیں۔ جس کو دیکھ کر ایک عاشق بہت
لطف اٹھاتا ہے۔

دوسرے معنی۔ صبح کے وقت معشوق کا تڑپ جو بن بھی (لہرے کہتا ہے) دیکھو

تو ایک محب ہمارے نظارہ ہوتی ہے۔ نازہ نازدہ۔ ہل بکھرے ہوئے۔ شکل چڑیوں کی
کی۔ تاہم یہی صبح کا وقت اس کے گھٹائے ناز یعنی سازو سامان حسن یا جو بن کے بھولوں
کے شگفتہ ہونے کا ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ ہفتے سنو سے میں بہت خوش نظر آتا ہے۔

(۷۷) خیر۔ رقیب۔ نیز نظر۔ یہاں گھٹو کے یا خوب غور سے دیکھنا مراد ہے۔
کیونکہ دوسرے مصرعے میں مراد ہونے والی ہوتی بلکیں اکھا ہے جو صرف
انہی دو حالتوں میں ہو سکتی ہیں تو اور رقیب کی طرف تیرا (جو محبت کے) خوب
غور سے یا گھور سے دیکھنا۔ دھڑکیں ہوں اور میری ان لمبی اور تخی ہوتی بلکوں کا رنگ
کہ جن سے رقیب کی طرف تو منہ رہے۔ گویا ایک عام رنگ کی تصویر کسی ہے۔

(۷۸) صرف۔ گلا بہت مد نظر ہونا۔ ضبط۔ آواز کا نہ سننے دینا۔ یہی اس کو مد
بی اندر ضبط کر رکھنا۔ نقد کسی چیز کا یکبارگی نکل جانا۔ نفس۔ سانس۔ یہاں مراد
آہ کیونکہ وہ بھی ایک سانس کی صورت میں سینے سے نکلتی ہے۔ ہانگداز۔ جان کو بھگنا
دھنڈلانا یا اس کو جسم کر دینا۔ لا۔ بلکہ کوئی آہ کے ضبط کرنے میں ایک گونہ صرف
مد نظر ہے۔ (تا کہ یہ زیادہ خرچ نہ ہو جائے) اور نہ (میں اگر یہ صرف نہ کروں
اور آہ کو جو ہمیشہ گرم ہوتی ہے۔ بد صرف خارج ہوسا دوں تو) میں اپنی اس
جسم کو دینے والی آہ یا سانس کا ایک ہی قطرہ ہوں۔ (اپنے آہ بھرے کا ایک خاز
دکھایا ہے)

(۷۹) بسکہ۔ چونکہ۔ جوش باور۔ شراب کا جوش۔ چونکہ شراب جب پیایے
میں ڈال جاتی ہے۔ لا بعض۔ وفات جھاگ چھوڑ کر پیالے سے گویا نکلی پڑتی ہے
اسی مناسبت سے جوش باور کہ شیشے۔ یہاں وہ پیالے جن میں ایسی شراب ڈالی
گئی ہے۔ انہیں رس ہے۔ چونکہ شراب شیشے سے نکلی پڑتی ہے۔ گویا شیشے ہی انہیں رس ہے
یہاں (مبغہ کہ ہے) گویا شراب کہ جوش کھانے کی خود شیشے ہی انہیں برسے
برگوشہ۔ کو نہ کو نہ۔ ہر ایک مقام۔ بہ طبعیاں فرش قابض باوری وغیرہ جس کو
بہاؤد شراب کے پیالے رکھتے۔ در شراب فوش کرنے ہیں۔ سر شیشہ باز کا۔

یعنی اس کے پاس جان بچانا نقل کروں، مگر نہ میں غالب سے غلط شہرت ہے نہ یہ سید اگر سید ہے
 کہ وہ مستحق ہو تو شہرت سے ہوسا ہے، کہ اس سے میری ضد کر کے میری دیو کی کا طریق کو
 مگر اس کے ساتھ وہاں سستی میں خبر کی جیسے ہوسا ہے، تو یہ تو افریب ہے، میں کہ وہ ہند
 کسی بہ فریب کیوں کھڑوں، لیکن ہے یہی سہی ہوں، مگر دوست کو کہا طر مشہور ہی تھی کہ
 نشتہ کے اپنے دیو سے عاشق کا طریق کرے، یہاں پر کار کرنا تو حباب کا کام ہو کر رہے
 کہ جن کو اس کی ذکر ہی نہیں ہے، اچھا یہ معلوم ہی درست ہے، اس شہری ہنس کا لفظ
 کھلے ساتھ جلوہ نشانی ہو رہے، جو کہ شہری ایک خوبی ہوئی ہے، مگر اس سے معلوم میں
 یہاں یہ عید کی روح ہو رہے، مزید یہ کہ یہ ہنس کا لفظ غرض بقا صانع اظہار فریب
 دہشہ کے ساتھ لکھتا ہوا۔

(۷۵) گو میں اس کی وہ باتیں (جو اب مجھ سے وہ بے تکلف کر رہے تھے) بھول گئی
 کہ وہ کس نیت سے کر رہا ہے، ہاں وہ اس کے زول کے (بھید کو نہ پہنچ سکے) مگر بات
 یہ کہ ہے (یہی بہت ہی بات ہے) کہ وہ ہری حرد (مشتوق) باب مجھ سے لکھتے ہیں، یعنی
 خاموشی کے ایک اب ہم سے بے تکلف لکھتے ہیں، مگر وہ کہ مشتوق کو مشتوق کی خبر دینا
 مضبوطی ہو بھل معلوم ہو کر گئی ہے۔

(۷۶) جہاں حسن، یہاں حرد مشتاق ہے، کیونکہ مشتاق ہی میں زیادہ تر مشتوق کے
 حسن (مثلاً اس کی زلفیں، رخصت، تار و عمر و غیرہ) کا خیال رہا کرتا ہے، اور یہی مشتوق
 ہے کہ مشتوق دنیوی و عجزی ہے، حسن عمل کی خوبی، یہاں مرد نیک کام کرتا، جیسے
 عبادت یا بندہ، عظام و دین و غیرہ حسن عمل کا سا خیال مراد ہے، اجمال نیک یا اجمال
 صالح کا یہ ہے کہ اوپر لکھے گئے ہیں، اخیال رکھنا یا باندی کرنا، نیت سے کہ مر کر ہشت
 نصیب ہو، غنہ جنت، عہد کا دور کے اندر کھت، اہل مذہب کہا کرتے ہیں، کہ جو شخص
 نیک کام کرے اس کی قبر میں جنت کی طرف سے ایک کھڑکی کھل جائے گی، مطلب یہاں
 مشتوق کے مشتوق میں لکھے ہیں، عبادت و عبادت یا بندہ یا عظام و غیرہ یا عبادت یا
 صلح و امنگیر ہے، یعنی یہ کہ اس کی (بجای مشتوق کی) حاجت کروں، تو مجھے ہشت لیا

جہاں وہ لکھے حاصل ہوا، اور میری قبر میں ہشت کی کھڑکی کا ایک دروازہ کھل گیا ہے،
 (۷۷) منہ نہ کھلتا، یہی محبوب کا برج، اور جسکے ہوسے میں ہو جاتا، اور جسکے
 لانا اٹھاتا، چنانچہ منہ نہ کھلتے دینا، وہ عام، وہ سہل یا غرض حسن و جہل کر دیکھا ہی
 نہیں، کہ ایسا بھی کسی کو نظر ہی نہیں آتا، جیسے وہ بے نظیر نقاب، برقعے میں سر کی طرف
 جو کیزا ہو رہا ہے، وہ نقاب کہتا ہے، اور عام سے برج، کھلا، ہاں ہر رست میں
 مطلب شہر، مشتوق کا منہ تو ابھی کھلا ہی نہیں، وہ رہ رہے میں ہے، تاہم وہ کام یا
 غرض حسن و جہل شکری ہے، کہ جو کسی دیکھی ہی نہیں گئی، (تو یہاں جیسے وہ بے نظیر)
 لہذا زلف (جس سے مشتوق کے چہرے کی طرف ایک نقاب سا پر گراس کا چہرہ بہت
 بھلا معلوم ہو کر رہا ہے، اس سے بھی زیادہ اس شوخ یا دوست کے منہ پر نقاب کھلا
 ہے، یعنی یہاں ہوسے، یہاں مشتوق حقیقی کے مشتوق ہے، کہ وہ جنت پہنچ رہا ہے، اتنا ہی وہ اس
 کے پہنچنے والوں کو زیادہ محبوب ہو رہا ہے، یہاں اس شوخ کا جو ہر مشتوق کواری سے
 خطاب کرتا ہے، لیکن وہاں اصل وہ مشتوق حقیقی ہے، کہ اوپر دھندلے ہوئے کے ۲ شمار
 کر رہا ہے۔

(۷۸) دوست نے لکھے اپنا وہ دھارہ بہہ رہا ہے، تو کہا، یعنی اس کا، قرار کیا،
 مگر وہ مجھ کو دھارہ قرار کر کے لکھے، یہ میری، یعنی حردی پہنچا، کہ مجھے حردی میں سے اس کے
 حرد و ہر بہتر بھگتے کو کھلا، اور وہ بہتر کھلا، ہاں بہتر بھگتے کی قیل و ستی کم لگتی ہے کہ
 حردی میں ہی نہیں آسکتی۔

(۷۹) شب چہل قدمی کی رات، جو عاشق کے بڑی مدھیمی کا وقت ہو کر رہا ہے، ہذا
 زول کہتے ہیں، کہ کسی کا ستارہ قسمت اس کے سر غلاف ہو تو اس پر بلاؤں کا زول ہو
 کہ ہے تو، اور وہی کو یہاں مراد حردی کی طرف ہیں، جہاں آسمان کے اوپر جیسے کہ
 شعور کے سنی ذیل سے و جمع ہو گا، وہ آخر، ستارہ جب کرن جوڑ کر جلدی ہدی
 چکاتا ہے، تو انھوں کے چمکنے سے مت بہ نظر رہتا ہے، عداوت، آخر ستارے کی
 آخر، مطلب شہر، شب فراق، ایسی اندھیری سی تاریکی، ومانہ حیرہ چاہتے ہیں اور

ستم ڈھا بیوی کیوں ہے۔ اس کے گدھاؤں کا رول ہے اور آج اس شبہ فراق میں سنا ہے
کی ہنگامہ کی زندگی کی طرف ہیں۔ بکرا اور سہاگن کی طرف رہیگا (پس جب عاشق
کی طرف اس کا رخ ہو نہ رہا۔ تو اوصلو نہ جبری رت ہو گئی۔ دوسرے دیدار خیر بن کے
مرغ نہ ہوئے سے عاشق کا سنا بھی بدل گیا۔ اور اس پر جاؤں کا نزول ہونے لگا اور شب
فریاد اذ حیر ہو گئی۔

(۸۰) میں طریقت (مسافرت) میں کس طرح خوش رہوں۔ جبکہ حدیث کا یہ عالم
ہو کہ میرا مہر برحق سے میرا خطہ کتر کھادی ہو یا کرت ہے۔ (اور خطہ کھادی کی رسم یوں
ہے کہ جب کسی کے مرنے کی خبر کاغذ میں لکھی جاتی ہے۔ تو اس کو غلاف میں بند نہیں کیا کرتے
تاکہ سب کو کافری ہو کہ وہاں شخص مر گیا ہے۔ اور اس کے جنازہ میں مرنا میں جلدی شریک
ہو گا یا پتا ہے۔)

(۸۱) اے خالہ ہیں اس (پنچیر کی) منت (قوم) ہیں سے ہوں کہ جس کے واسطے
گنبد ہے اور سینا آسمان ہو گئی شکل کا ہے در گنبد ہے۔ (شب معراج کل گیا تھا۔ تو جب
اس کے کام خد کی مہر پاتی سے اس طرح پورے ہوتے تھے۔ تو پھر میرا کوئی کام (اس کی
طیسی) کیوں بند رہیگا۔

غزل

شبکہ برقی سوز دل سے زہر کا یہ آب تھا ۸۲ خطہ جو اکر ہر ایک حلقہ گرد آب تھا
وہ گرم کو خطہ بارش تھا حلقہ غیر غرام ۸۳ گرم سے یاں پیہہ پاشی کفن سیلاب تھا
وہ خود آری کو تھا موتی پر دے کا خیال ۸۴ یوں بجوم اشک میں تار نگہ تا آب تھا
ہوئے گل سے کیا تھا دل چاہاں آب جو ۸۵ یاں رواں طرکان چشم نیت غنایں تھا
یاں سر پر شور تھا ابی سے تھا دل اس جو ۸۶ واں وہ فریاد ناز مگر اشک کو خوب تھا
یوں میں کرتا تھا روشن صبح بریم بخود ہی ۸۷ ہوئے گل واں اب و صحنہ و مہاب تھا
فرش سے ناعز واں طوقن تھا ہی رنگ ۸۸ یاں میں سے آسمان بھی سوختن کا آب تھا

بکس اس رنگ سے غور نہ کیا سے ۸۹ دل گدھوق کاوش باغ سے لذت پاب تھا
نزد دل میں شبہ انداز فر تا آب تھا ۹۰ تھا سہرہ برم وصل میر گوشت آب تھا
مقدم سید اب سے وہ کیا شاہ آہنگ تھا ۹۱ غلہ عاشق مگر سار صدا سے آب تھا
ارشاد یوم خاکستر نشین کیا کہوں ۹۲ ہوئے اندیشہ وقت بستر کج تھا
کچھ نہ کی اپنے جنوں نار سنا ورنہ یاں ۹۳ ورنہ ذرہ رو گشت خورشید عاتاب تھا
آٹا کیوں پروا ہیں ہے اسیر و کی تھے ۹۴ گل تلک تیرا ہی دل مرود و قلاب تھا
یا کردہ دل کے ہر اک صفت تیرے دم کا ۹۵ انتظار صید میں اک سہرہ یہ خواب تھا
۹۶ میں سے یہ و کارت غالب کو دگر دیکھئے

اس کے پہل گریہ میں گرد دل کو سیلاب تھا

(۸۲) سوز دل۔ دل کی سوزش برقی سوز دل۔ دل کی سوزش سے جو کدوں پر
نار پڑا ہے۔ اور شعرا اس کو شعہ کی طرح چمکتے ہو اکر کرتے ہیں۔ اور برقی کی شکل
میں چمکتی ہے۔ اند برقی سوز دل کے بھی سنتے ہوئے۔ زہرہ آب جو ناعز خوب ہو نا۔
خطہ جو کہ کسی پر۔ زکا نگہ کی طرف سے۔ جوش فشان ہے۔ اور اس میں سے
ہر وقت شے اٹھتے رہتے ہیں۔ حلقہ گرد آب۔ گرد آب یعنی بھنور کا حلقہ (چکر) بجا سب
رنگ پانی میں بھنور کے چکر کا بجا دکھائی دیا کرتے ہیں۔ مٹی شعرا۔ رت کو میری سوزش وہ
بھنور کی بجلی سے (۸۳) اس کے شعوں سے۔ بڑی مرغوب ہو گیا تھا۔ اور وہی برقی نور
پانی ایسے جو موداں پر پائی تھا اس کے پانی میں مل گئی تھی پیوہ شدہ حال ہنگام
تھا کہ ہر ایک بھنور کے چکر میں ہی موجود تھی۔

(۸۴) واں، یعنی دوست کے اس گرم کو گرم فرمائی کے سے یا میرے پاس
سنا ہے۔ خطہ بارش جو ہندو بارش ہوئے وی ہے یا ہو گیا ہے اب گرم فرمائی
تھا کہ کچھ۔ حلقہ آہر نظام کو روکے والا۔ منہ کہہ دینے کا سبب۔ غرام ان کا ناز سے
ہو۔ پیہہ پاشی۔ بکس کی روٹی کعب سید اب۔ موداں کی جھانک جو سخت زور کا پانی ہے

تو اس پر نمودار ہوئی ہے۔ مطلب۔ دوست کے دل ارض کا بہانہ کی کرم لڑائی کا ماحق تھا یعنی ان کے حال پر غلام کو روک لیا تھا اور یہاں روکے سے جو طوفان برپا ہوا۔ اس کی جھلک ہم سے نکلنے کی روئی بن گئی تھی۔ گویا ہم طوفان آب میں جھونکے۔

(۸۶) یہاں دوست کو اپنی آرائش کے موتی پر دے کا خیال تھا۔ اور یہاں ہم پر جو جرم آشکارا سوئی کے نیچے کی بدولت اس قدر دور ہے کہ اس آئینوں میں نہیں کہ نظر بھی نہیں آتا تھا یعنی تاریک تالیف تھا۔ جو کہ دیکھنے میں آتھاں ہوتا ہے۔ کہ نظر ایک تاریک طرح۔ نگہوں سے لگتی ہے۔ اسی لئے تاریک کہنا ہے۔

(۸۷) جودہ گی۔ گلاب کے لال لال پہلوں کے جلوے یا پر تو نے وہاں آسمان (خیر کے پانی) کو چرائیاں کر یا تھا۔ یعنی اس قدر پہلوں کی شہرے رنگت ہلکا مٹی تھی۔ بکثرت فرد گی۔ اور یہاں (جہاں سے ہاں) روئی ہوئی آنکھ کی پلکوں سے خون تاب (خاصہ خلق جو بہت شہرے ہوتا ہے) جاری تھا۔

(۸۸) سرخ زور (جنوں سے بھرا ہوا) اس ہاں چرائی کے اعلیٰ ڈھونڈ رہا تھا کہ کوئی مرد (مخل جی) ہاتھ آئے تو اس سے سر پھوڑ کر جان کاٹ گیا ہاے۔ اور وہاں (دوست کے بل) یہ حال تھا کہ وہ فرق تازہ بھی محبوب کا نائین سر (محبوب لڑکی کی ریشمی پیشے کے بائیں دیکھنے) کا محو تھا یعنی اس پر نہ مگر ہاتھ تھا۔

(۸۹) یہاں میو نفس (وجود) پریم بھودی (بھیری کی محفل) کی ضیاع روشن کر رہا تھا۔ یعنی اس قدر بھرا اور بدھوش تھا کہ گویا بزم بھودی کی روشن ضیاع تھا۔ اور وہاں پہلوں کا جلوہ (جو گلاب کے پہلوں کی شہرے کی دھستے بہر گھر ہوتا ہے) کامیاب محبوب کے دوستوں کی صحبت یا محفل کا فرش بنا ہوا تھا۔

(۹۰) اوپر کی تمام تفصیلات تم کرنے کے بعد کہنا ہے۔ فریادیکہ وہاں دوست کے ہاں فرش زمین سے کے کر فرش (آسمان) تک رنگ در رنگ یہاں یا پیش لکھا صبح (شہر) سے ایک پہلو فاق کا نام تھا یعنی وہ فرد سادہ مشرت تھا۔ اور یہاں ہمارے دل زمین سے "سارن تک صرف سوئیں کا آب تھا۔ یعنی جو کہ تھا سب ہمارے دل ہمارے کامنارہ و ساق

تھا یا سوئیں کا آب پیچھے آہ سوئیں قدم سوئیں سوئیں ہو۔ سی سوزم و طیرہ و طیرہ گویا کتاب سوئیں کا ایک دفتر۔

(۹۱) ناگہاں (دھنک) اس رنگ سے (اس موتے پر جیسا کہ اخبار ذیل سے واضح ہو گا) میرا دل غوناہ پیچھے آتا تھا۔ خون کا برق بہا ہے۔ کیونکہ میرا دل (زخم دل پر) داخلی کاوش (بھلا سنے کے شوق کا لذت یاب تھا) میں زخم دل پر جو کھڑک آتا تھا۔ اس کو بھلا اور بکثرت نہیں ہوتے تھے۔ اور اس میں میرا دل گویا خون کا ایک برق میں کے بننے لگا ہے۔

(۹۲) نالہ وں (وں کی آواز) میں رات اشکا (خاند) (ڈھنگ) باطل نہیں پایا جانا تھا۔ کیونکہ گویا ہر میرا دل بے غور سا نظر آتا تھا۔ جس سے میں متاثر ہو کر روتا تھا۔ اور تو نہادی کرتا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ میرا رفیق کی محفل وصل کا پسند (محبوب ہری) ہوتی تھا۔ یعنی وہ رفیق یا دوست کی محفل کی روئی تھا۔ مگر میرا کام کس طرح آسک تھا۔

(۹۳) مقدم (آ) سہد (طوفان) طوفان کے قہر سے میرا دل کس قدر رشادہ ہنگ ہے (خوش ہو رہا ہے) نقد کے صفی خوش آہنگ۔ رنگ ڈھنگ۔ گلہ شایکہ (حاشیہ کا گھر) سہلے آب (طوفان کے شور سے) کامنارہ ہوا تھا۔ گویا جسک ساز مشتاق ساز سارنگی بلند و خیرہ باجوں پر کیونکہ کامنارہ ڈاڑاں رہا تھا۔ تو اس کے اندر ساز کا جو تار اور عاشق کے گھر کے اندر ساری گھر کے طوفان کا تار اور شور۔ ایک ہی قسم کے اسباب ہیں۔

(۹۴) میں اپنی فاکسٹر نشینی یعنی ایک بھوت سارے (یا جوگ کی مشق کرتے) کہدے کے فخر کا مالک کی جان کر رہا اس وقت میرے اندر (خیال یا محسوسات) کا پوچھنا سنا ہوا۔ ایک قسم کی نرم پوستیں کے بہتر میں لپٹا ہوا آرام کر رہا تھا جو کہ طاق چمکی بن گیا کرتے ہیں۔ اس کو ٹکڑا کا مالک بیان کیا ہے۔

(۹۵) مصرعہ اول بھوکہ کی چنے جنوں ندر سے لڑنے والے "مصرعہ اول خط معلوم ہوتا ہے۔ خان کتابت کی غلطی ہے۔ جو سب مصرعہ درج افول میں آئی ہے۔ چنانچہ نوز محمد و دیوان فائز میں بھی اس طرح لکھا ہے۔ مگر یہ مصرعہ پورا ہے۔

کچھ نہ کی بہنے جنوں نے آہ رسائی دریا اس میں کچھ نہ کی کا جملہ واضح کر رہے
کہ رسائی کا لفظ کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا بلکہ مشرقی اصطلاحی مصرعہ ہی معلوم ہوتا ہے ۔
کچھ نہ کی بہنے جنوں نے آہ رسائی دریا میں جی بھانے جنوں نے کہ کسی مقصد کو نہ جنوں
آہ رسائی حاصل نہ کی ۔ حد نہ ہاں ایک ایک ذرہ اس جہاں کو چکھنے یا فیض نہ ملنے
پہنچنے والے آنا پہ کا نہ کش دکن چروہینے والے میں اس کا نہ مقابلہ میں کیا تھا ۔ اپنی
نارسائی شوال کا شکوہ کیا ہے ۔ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ یہ دو مصرعے ہند میں سے

ایک کیوں پرور ہیں اپنے ہیرن کی تھی ۔ کل تک تیرا ہی دل ہر دو کا کا پہ
باد کردہ دن کہ ہر اک علقہ تیرے داکہ ۔ انظار میں ہیں اک دیدہ نیلے ہر تھا
آج کیوں ٹھک رہے ، سیروں (دندلیوں) کی پردہ ہیں ہے ۔ حال کہ کل تک دل میں
چراغیں دل محبت اور وفا شامی کا باب (دین) درہ رہا سر شہ تھا ، تو یاد کردہ دن جبکہ
تیرے دم و مرد زلف کا ہر اک علقہ زنجیر زلف پائیتے ہاں کا کٹنٹا ، اپنے صبر و شکر
یعنی عاشق کے انتظار میں گر ایک بچہ دپ آنکھ رہا علقہ نہ پھر کہ طرح بد اور کھلی ہوئی
ہے ، میں لگی تھی ۔ مطلب یہ کہ پہلے عشاق علقہ تھا ، اب عشاق تیری علقہ کہتے ہیں ۔
۱۰۵۷ میں نے مات علقہ کو روک دیا کہ زیادہ آسودہ ہوا ، در نہ اس کے سبب کہ یہ
آسودہ کے ہاں میں یا آسودہ کی طوفانی رو میں گردوں (آسمان) بھی کہن سہا پہا
ایک طرفان کی جھاگ بن گیا ہوتا ہے

غزل

ایک ایک ظہر کا بچے دینا پڑا حساب ، ۹۹ فون بگر و دیت طرکان یار تھا
اب میں ہوں اور ماتم یک شہر قہر ۹۹ توڑا جو تو نے "نیمت" تھا دار تھا
غلیوں میں میری نش کو کچھ پھر کہ جی ۹۹ جاں دادا ہوا ہے میرے گنڈا تھا
تو بچے صراپ و طہت دغا کا نہ پوچھ مال ۱۰۰ ہر ذرہ بٹل ہو میرا تھا آپ دار تھا
۱۰۱ کم جانتے تھے ہم بھی فلم عشق کو ہے اب

دیکھ لو کم ہوتے چ غنیم روزگار تھا

(۹۸) بچے ایک ایک ظہر (فون) ۹۹ (احساب و شاپر) ، (میری میرے طرکان) دوسرے
کی ایک ایک چاک کے گڑھ سے جب فون کے چر کا نہ قہر کے گڑھ سے ۔ تو یہاں معلوم ہوتا
ہے ۔ کہ میرے بچے کا فون اس دوست کی فون کی وودیت (علی) ماتم (تھا) ۱۰۰ جو کہ
اس کے فون ایک ایک کر کے گنایا اور وہاں پس سے بیا ۔

(۹۹) ایک شہر آرزو پیچھے یک نہر غم یا یک بیا بان ماندگی (دیکھو شعر عشق)
مراد تھا فون کا ایک شہر آجیہ کشاں و زوال کے ساتھ ، یعنی وہ جو کھٹے والا شیشہ کہ جو
تصویر کا لفظ پہنچے نہر رکھتا ہو ۔ اس آجیہ تصویر کو توڑا نہیں کرتے بلکہ بھاتا مکان
میں رکھا کرتے ہیں ۔ آجیہ کے صمد ہاں میں ہیں ۱۰۰ اور ایک میں آجیہ دل بھی ہیں ۔ جو یہاں
مستقل ہیں ۔ مطلب یہ کہ توڑا ہوا ایک آجیہ دل (میری میرے دل کا آجیہ کہ مثال دار تھا
ایسی اس میں تصویر میں رکھی جاتی تھیں ۱۰۰ اور وہ تصویر میں میرے دل کی آرزو میں تھیں)
توڑ دیا اب میں ہوں در یک ماتم شہر آرزو کا یعنی اپنے دل کا کہ جو بہ کثرت
آرزو ایک جہاں خاصہ ظہر تھا ۔

(۱۰۰) میری لاش کو اب غلیوں میں کیپنے ہے پھر ، کیونکہ میں جاندار ہوا
میرے گنڈا تھا (ہوا) ہوس یا عشق و ہستی میرے گنڈا ۔ سرگس کے کسار میں ہر گنڈا جاندار
جسے سر گنڈا تھا ۔ ایسی مستی یا عشق جو سر گنڈا ہو ، اس کا متواظ تھا مطلب یہ کہ میں
جو ایک ایک (دلیل) عشق رکھتا تھا ، کہ جس میں میں سے سر گنڈا ہر کسی پر عاشق ہوئے ہاں
جسے دی تھی اب میرے مردے کو بھی رستوں میں غلیوں میں کیپنے لگے پھر کہ میں
ای کا سر گنڈا رہوں ، جو کہ ایک عاشق صادق پر مستوی رہا سر گنڈا گنڈا ہوا ۔ عاشق
نہیں ہو کرتا ۔ بلکہ ایسا کام کرنا کسی ہو ہوس دی سے ہوتا ہے ۔ کہتا ہے ۔ کہ میں بھی
بالہوس ہوں ، میری لاش کی ہر حریفی کر دو ۔

(۱۰۰) صوبی صراپ ۔ صراپ وہ ہے جو نہاں کر فون میں ریت کے ذائقے شعور کا تھا

مل کر دیتے ہیں۔ نظر آتے ہیں کہ گویا ایک نمریج رہی ہے۔ موج سراب۔ ایسی ساری
ری بہرہ رشتہ والا۔ وفا کیلئے کا فہم۔ موج سراب کے خیال سے کہتا ہے۔ کہو کہ سراب
بہرہ رشتہ ہی ہیں ہوا کرتا ہے۔ ہر قدرہ یعنی اس سراب ہیں جو رچنا کام آئی۔ اس کی ہر قدر
ہر بیخ کو رکے وہ نقش جن سے اس کی عمدگی محسوس ہوتی ہے۔ آذر۔ چمکیلا۔ عطاس۔ شعر
شہد وفا کے سراب کی لہر کا کچھ حال نہ پاؤ چھو۔ وہاں ہر ذرہ ریگ سراب کا توار کے جوہر کی
روح آذر۔ (چمکیلا) تھا۔ قاعدہ ہے کہ وہ فریب سے دور ہے جس قدر زیادہ چمکیلا
ہوئے ہیں۔ اسی قدر سراب زیادہ موثر ہوا کرتا ہے۔ لہذا سراب و قاجو ہر دوزخوار کی صورت
و نہرہ عاشق کے لئے وہاں جہاں تھا۔

(۱۱۱) ہم بھی غم عشق کو کم جانتے تھے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ عوام جو بواہوں
ہو کرتے ہیں۔ اکثر مائل تو ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کو کم جانتے ہیں۔ یعنی اس کی مشکلات کا
شروع ہیں اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور ایسا ہی ہمارے بھی پہلے حال تھا۔ مگر اب وہ یکسا
یعنی عاشق ہوئے اس کا تجربہ کیا۔ تو معلوم ہوا کہ کم ہوئے یعنی عشق میں کلفت خفیف و
زیل ہونے کے بعد عشق تو یک نیم روزگار ہے۔ یعنی نہ ہماری نگہیں ہے۔ بقول حافظ سے
کہ عشق آسان نمودار دل سے۔ فنا و نسیان

عام اشارہ ہیں غالب نے اس شعر کے معنی لئے ہیں کہ غم عشق کو ہم پہلے بہت کم خیال
کرتے تھے۔ مگر جب اس میں حقیقت ہوئی یعنی عشق کا غم کم ہوا تو دیکھا کہ اب ہم روزگار سے اس
کی جگہ ملی۔ جسے عشق میں ہم بھلائے ہوئے تھے۔ مگر اعتراض ہے کہ پہلے مصرعے میں "بھی"
کا لفظ کیوں آیا ہے۔ یہ تو ضرور مصنف کے عشق اور دوسروں کے عشق میں یک جہز کرنے کو رہا۔
کیا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے خوب واضح ہے۔

بیکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا۔ آدمی کو بھی میر نہیں انسان ہونا
مگر پاس ہے خرابی سے لاش کے ۱۰۰ دورہ دیا اسے لگے ہے یہاں ہونا
و اسے روحانی شوق کہ ہر دم مجھ کو ۱۰۰ آپ ہانا اور ہر آپ ہی میرا ہونا

جوہر ادب کے تقاضے نکر کرتا ہے ۱۰۰ جوہر آجندہ کی پاس ہے طراں ہونا
عشرت قتل کو اہل قنات است پوچھ ۱۰۰ چہرہ نظارہ ہے خمیر کا طریں ہونا
سے گئے خاک میں ہم وہاں لاش کا ۱۰۰ تو ہوا اور آپ بعد رنگ گلستاں ہونا
عشرت پارہ دل زخم مشت کھا ۱۰۰ لذت ریش بکر غرق مسکند ہونا
کی مرے قتل کے بعد اس نے بھائے تو ۱۰۰ اسے اس زور ویشیاں کا ہشیماں ہونا
۱۱۰۱ حیف اُس چارہ گرہ کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہوا کشتی کا لہریاں

(۱۰۲) ہیکہ (چمک) ہر کام کا آسان ہونا مشکل امر ہے۔ آدمی کے لئے بھی انسان
بننا میر نہیں ہے۔ یعنی ایسے سارے سامان بہت کم آتے ہیں۔ کہ جن سے وہ انسان
ہوئے۔ میر۔ میرنا ہے۔ یعنی آسان کہا گیا۔ لہذا آدمی کو بھی میر نہیں۔ یعنی یہ بات
ہر آدمی پر کہ آسان نہیں کی گئی۔ کہ وہ آسان ہے۔ کیونکہ آدمی بظاہر ایک وحشی حیوان
ہے۔ جو ساکھ پیدا ہوتا ہے۔ ہر علم و دہ اور فدا کی وجہ سے کڑوا چکے کام کرتے ہیں
انسان بنتا۔ اور گویا اس میں انسانیت آتی ہے۔ لیکن یہ اوصاف عہد ہر شخص کو
نہیں آتے۔ لہذا ہر آدمی انسان نہیں بن سکتا۔ یعنی یہ

آدمی کو بھی میر نہیں انسان ہونا

(۱۰۳) خرابی۔ ہر آدمی۔ ویرانی۔ یہاں ہونا۔ ویران ویرا ہونا۔ میرا کرہ
یا میرا و نامیرے لاش نہ (گھر) کی ویرانی ہاں ہے۔ یعنی اس کے ہر اوڑھنے پر تہ ہو
ہے۔ (لشایہ گھر) سہا ب انک ہمارے میرے گھر کو ویران کر رہا ہے اور میرے
گھر کے در و دیو سے کیا ہاں ہونا۔ یعنی ویرانی ویرانی ٹپک رہی یا ظاہر
ہو رہی ہے۔

(۱۰۴) فوس ۱۰ شوق یا عشق کی دیوانگی کہ (جس کے تقاضے) مجھے ہر دم
آپ ہی اور میری مشغولی کے کہہ کی طرف) ہانا پڑتا ہے اور ہر آپ ہی وہاں جا کے

جہاں رہا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ مشتوق ہو اوقات نہیں کرتا دہرائی یا جنوں میں ایک جنونی آدمی جو کچھ کیا کرتا ہے کسی سے منہ کر کے نہیں کرتا۔ اس لئے وہ آپ ہی کہتا دھڑا اور بہر کو خود ہی پہچان ہوتا ہے۔

(۱۰۵) چونکہ جولوہ دوست کا حسن نکاح لئے لگ کر رہتا ہے۔ کہ بچے ضرور دیکھو کیونکہ حسین آدمی اپنے حسن کے دکھانے کا بہت شائق ہوتا ہے۔ انہی شخص حسن کا فریفتہ ہے۔ گو یا حسن ہی اس دھڑ کی تحریک کرتا ہے۔ لہذا آئینہ۔ یہاں مراد صیقل شدہ آئینہ کا جو ہر بھی (یعنی خط جو میل آئینہ سے نمایاں ہوتا ہے) چاہتا ہے۔ کہ وہ پنگوں کی شکل بن جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ مشتوق کے جلوے کو دیکھ سکے۔ کیونکہ دوست کا جلوہ حسن ہی تقاضا کرتا ہے۔ کہ سب اس کو دیکھیں۔

(۱۰۶) عشرت قتل گاہ۔ مقتل میں جو کچھ ہوا اس سے لطف، نندوز ہونا، اہل قتل عاشق ترزو مند۔ عید نگارہ۔ بہادر نگار کی عید۔ عیدیں کئی الہام کی ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً عید اضحیٰ ۱۰ اور عید انظر و غمرہ۔ یہاں عشاق کی عید نگارہ۔ محل عشاقی آئندہ مند کو مقتل میں جو عیش و عشرت حاصل ہے۔ اس کی کمالیت کچھ نہ پوچھو وہاں تلوار کاران کے قتل کرنے کے لئے نکلا ہونا (یعنی پیام سے نکلنا) گو بان کی عید بہادر نگارہ ہے۔

(۱۰۷) ہم خاک میں اچھا داغ تھائے نت دے گئے۔ یعنی تجھ سے عیش و نشاط کی آرزو میں دل کو جو داغ لگا گیا تھا۔ آخر اسی کو دے کے مر گئے۔ اب تو جو در آپ بصد رنگ (صدا طرح کے عیش مزوں میں) اکھٹا ہوتا۔ یعنی خوشی حاصل کرتا۔

(۱۰۸) پارہ دل۔ دل کے ٹوٹنے کے لئے غم کی پیمائش کی عیش و عشرت۔ نسا کا زخم کھانا ہے۔ یعنی امید وصال کی پوری نہ ہو اور اس کا داغ حاصل ہو۔ اسی طرح جلنے کے زخم کی عیش ہے۔ کہ وہ نیکو اہل میں فرق ہو جائے۔ کیونکہ زخم پر نمک لگے تو وہ سب جگہ جہنم پیدا کرتا ہے۔ اور جب زخم ہی کو نیکو اہل میں رکھ دیا تو اور بھی

زیادہ جہنم میں حاصل ہوگی)

(۱۰۹) اس سلا بکے قتل کر کے اپنے غم سے توجہ کر لی۔ اسے اس زور و شہاوت (جہدی) پہنچانے والے کا پیشان ہونا۔ محض غم سے کہا ہے۔ کہ وہ زور و شہاوت ہے۔ حالانکہ مذکورہ کتبے غم سے عاشق پر اس کی چھ ہو رہی تھی کہ جس سے یہ مرگ (گو یا اس سے) دکنہ پر توجہ نہ کی۔ جیسا کہ کرتی چاہتے تھے۔ تاکہ عاشق کی جاس بچ جائے۔ تو یہ یہ دیکھیاں ہونا ہے۔ ذکر زور و شہاوت ہونا ہے۔

(۱۱۰) کہتے ہیں غائب ایک مرتبہ کو تو اب شہر کی شرارت سے قید کر لیا گیا تھا۔ نو اس سے وقت رانی اپنی کرتے پھاڑ کر یہ شعر کہا تھا۔ کہ غائب اس چار۔ مگر کہنے کی قسمت پر افسوس آتا ہے کہ جس کی قسمت میں کسی عاشق کے کرتے کا گر جان بس ہو یہی عاشق اور دلوں پر برسر ہوئے۔ دو دو عاشق جنوں میں اپنے کرتے پر آفت لایا کرے ہیں کہ اس کا گر جان اپنے ہاتھ سے پکڑ کر ہاک کر ڈالتے ہیں۔ (جیسا کہ مرزا نے اپنے کر جان سے سلوک کیا اور یہ شعر کہ)

غزل

شب فاقہ شوقی ساقی رستخیز نذر زہن تھا ، تا محیل بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا
یک قدم و جشت سے در سرفراز کمال کھن ۱۲ بارہ چرم سے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
ماہ و حست خرمیاسا بلی کون ہے ۱۳ خند بختوں صحر گردے دروازہ تھا
پوچھ مت رسوائی نذر سلفا خوشن ۱۴ دست مرہون خلد شہر مہن قازہ تھا
(۱۱۵) نالہ دل سے دے اور تو محض دل بہاد
ادگار نالہ اک دیوان ہے شیرازہ تھا

(۱۱) فاقہ شوقی ساقی۔ ساقی کے شوق کا غلام۔ اس کی طلب یا اس کے ہونے کے شوق کا نشہ رستخیز نذر زہن۔ قیامت کا نذر بن رہا تھا۔ یعنی بہت زبردست تھا۔ محیل ۱۱

اگر کسی مشہد کے گلاس میں کوئی رنگدار شراب ڈال کر نہیں۔ تو جس حد تک گلاس کے منہ کی لائن
 میں شراب کے گلاس کے اندر ہی اندر گول سا نشان پڑ جائیگا۔ اسے محلوہ یا دھکتے ہیں۔ یعنی ہلوہ
 یا شراب کا گول خطہ صورت خانہ صورت کا گھر جیسے یہ محلوہ یا دھکتے ہیں۔ کہ
 کسی صلیب کی شکل بن گئی ہے۔ فیاضہ۔ انگڑائی میں مراد شراب کی یاد میں چائیاں لیونا۔
 رات ساقی کے (آتے کے یا طلب کے) حقوق کا نشہ گویا قیامت ہو گیا تھا۔ یعنی اس قدر زیادہ
 تھا کہ محلوہ شراب تک (یعنی شراب کے گلاس کے اندر کا گول گول خطہ بھی) اس کی
 یاد میں ہم تیار ہو کر ایک صورت خانہ (یا انصاف والہ کائنات) بن
 گیا تھا۔

(۱۱۶) ایک قدم ایک ہی جست، وحشت جنونیوں کی جولاہی، امکان۔ وہ عالم سچی
 جیسے عام بقا اور جہان کچھ نہیں۔ درس دفتر ممکن کھلا۔ مراد اس دہلے دوسری
 دنیا میں جا کر وہیں کے حالات سے ساجھ بھلا۔ جودہ۔ بڑے رستے میں یکا چھوٹی رہ یا پکڑ پکڑی
 جزائے جرد کی صبح جزیں، دو عالم وحشت۔ یہیں مراد ایک عالم سستی و غمتی یعنی یہ دنیا
 اور آگے دیند شیرازہ بند من۔ چونکہ یہاں اچھی۔ درس اور دفتر کا ذکر کیا ہے۔ اسی مناسبت
 سے شیرازہ بھی نظم ہوا۔ اس نظم میں انسان کے عالم وجود سے عدم میں جان کا ذکر ہے مطلب
 شعر۔ وحشت یا دلوانہ اور جولاہی کی ایک ہی جست کے ساتھ اس عالم فناء سے اس عالم بقا
 کے درس کا دفتر کھلا۔ یعنی یہاں سے وہاں جا کر وہاں کے حالات کا حال کھلا۔ مگر انسان
 جس پکڑ پکڑی پر سے یہاں آتا تھا۔ وہ ان ہر دو عالم وحشت (و وسیع دنیاؤں) کے اجزا کا
 شیرازہ یعنی بند من تھا۔ حاصل شعر یہ کہ انسان ایک قدم وحشت کا بھرے عالم فناء سے عالم بقا
 میں چلا جاتا ہے۔ اور جس پکڑ پکڑی سے وہ گزرتا ہے۔ وہ عام ان دو عالموں کے
 درمیان گویا ایک قسم کا شیرازہ بند من یا دھکتے یا دھکتے یا دھکتے کا ذریعہ
 ہے۔

(۱۱۷) وحشت خدایا ہے۔ گھر اگر عقل کی طرف بصر منمنائی بار بار نکلا۔ (غریبی یک
 دہر کھلا اور خدایا ہے۔ کئی بار کھلا) عقل کے گھر اگر عقل کی طرف بصر منمنائی بار بار نکلتے کا

کوئی منمنے ہے۔ صحرانورد جنگل میں پھرتا دے، انہوں کا گھر تو بغیر دروازہ کے تھا۔ یعنی جنگل
 انہوں کا گھر سی۔ گھر اس کا دروازہ کھلا۔ وہ تو صفا چٹ میدان ہے۔ مطلب یہ کہ گھر کا
 دروازہ اس کے بنا یا ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت ہو اس کو کسی اندر آتے واسطے پر بند کر دیا
 جائے۔ مگر انہوں کے صحرانوردانہ گھر کوئی دروازہ ہی نہیں تھا۔ تو پہرلی ہر روز وہ اس
 آسکتی تھی۔ مگر وہ نہیں آتی تھی۔

(۱۱۸) حسن سے مراد معشوقی ہے، استغناء، گھر والی۔ لہذا استغناء سے حسن
 معشوق کی لاپرواہی، انصاف، مراد۔ ڈھنگ معشوق کی لاپرواہی کے ڈھنگ کا حال نہ ہو چھو
 یعنی وہ کس حد تک لاپرواہی کرتا ہے۔ کہ وہ باوجودیکہ اس قدر حسین ہے کہ اس کو بناؤ سنگار
 کی حاجت نہیں ہے۔ مگر میری اس کا اتنا مستی گھر میں (اگر کیا جاتا ہے) اور جیسا خارو
 (مشرقی) کے ہاتھ رہن دگر ہے۔ مگر وہ محض لاپرواہی سے ایسا کرتا ہے۔ ورنہ اس کو مستی
 یا مشرقی کی ضرورت ہی کیا۔

(۱۱۹) میر سے اس کے روستے سے میر سے دل کے ٹکڑوں کے ورق تک پر یاد کر لیج۔
 اب گویا میرا دل نہیں رہا۔ کہ کچھ خوش ہو اور فکر شہر ہو۔ لہذا میری یاد کا زمانہ (میر سے)
 غم حلق کی یادگار، ایک دیوان ہے۔ کہ میں لا کوئی ورق مرتب نہیں۔ اور شیرازہ
 تک نہیں بند ہوا۔

غزل

دوست غزالی ہیں میری سی فریادیں کیا ۱۱۴ زخم کے بڑے سنگناخن نہ جڑ آئیں گے کیا
 بے نیازی سے گزری ہند پر کہبت تک ۱۱۵ ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرما دیں گے کیا
 حضرت ناصح تر تیں وہ دہر دل فرشتہ را ۱۱۶ کوئی لمحہ کہ تو مجھ کو کہہ جائیں گے کیا
 تیغ و تلخ و کلن دانے جوئے جانا ہوں میں ۱۱۷ ہر میرے گل کوستان میں آجائیں گے کیا
 گر کینا ناصح ہے ہم کو پیدا ہوا ہوں کسی ۱۱۸ یہ جون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
 خانہ زار زعفران زعفران ہیں زعفران ہیں گے کیوں ۱۱۹ ہیں گزشتہ وقار خاں سے گھر نہیں گے کیا

۱۲۶ سچا اب اس معورہ میں خود غم انگشت ہو
ہم سچے ماننا کہ وہی میں رہی کھینچے گی

۴۵۔ سہمی۔ تکلیف کرنا۔ زخم کا بھرتا۔ جب مریم نکلتے سے زخم کا گھاؤ بھرا ہوا ہے اور اس پر گھرنڈ مرہم ہوتی ہے۔ پختہ موصع میں "کیا" حقیر کے لئے ہے۔ کہنا ہے کہ میرے دوست میرے ساتھ ہمدردی کرنے کے تقاضے کے سبب کیا تکلیف اٹھائیں گے؟ (یعنی) کہ یہ تکلیف عبث ہے (کیونکہ جب تک میرے زخم کی مرہم پٹی کرتے اس کا گھاؤ بھرا ہوا تھا جیسا میرے وقت کا تھوڑا سا وقت بیکار بنا دیا ہو جائے گا کہ میں بھرتے ہوئے زخم کی تکمیل نہ کر سکیں، لوگوں، حاصل شرعہ کہ میں خود ہی چھاپا ہوا نہیں ہوتا، تو پھر کوئی میرا علاج کرے گا۔

۴۔ نیازی۔ لاہور اہی۔ جعفر پور و تپ کی لاہور، ہی صحت گزرتی کہہ تک
 ہم، چن دل کا حال کہیں گے۔ اور تپ فرمایا کرکس گئے "کیا" "کیا" "ہیسی کیا کہا پھر کو"

۸۔ اگر حضرت صالح میٹ پاس آئیں تو میرا دیدہ (آنکھ) در دل نہ کھڑی رہے (یعنی ان کے سر پر جس چاندل اور آنکھیں چھ دوں گا، مگر کوئی مجھ کو یہ تو یاد نہ کر حضرت صالح) مجھ کو کہا بھانئیں گے، یعنی میں کسی کی سنتا ہی دانا نہیں تو ہر کوئی بگے نصیحت کیا کرے گا۔

(۱۹) جب آج وہاں (دوست کے ہاں) سکھ اور گھن (سرسرے بانڈھ کر) جانا پڑا
 ہوا وہ میرے قتل کرنے کو کونسا عذر پیش کریں گے۔ (یعنی تلوار سے وہ مجھے قتل
 کر سکتے ہیں اور میرے سر سے میرا گھن اُترے گا اس لیے مجھے فوراً دفن کر سکتے ہیں)
 (۲۰) اگر تامل سے ہم کو (جنون اور دیوانہ سمجھا کر) قید کر دیتے۔ تو اچھا
 رہا ہی سہی (میں قید میں پڑے۔ ہیں گے) کیا پھر سے جنون عشق کے یہ نذر نہ رہ سکتا
 تھا۔ اس قید سے اچھٹ جاتیں گے۔ (جرم گزریں قید کر کے عقل کا جنون دور
 نہیں ہو سکتا)۔

(۱۶۱) غلام زوں گھر میں پیدا ہوا، اور غلام ہم تو زلف کے خانہ زاد غلام ہیں کیونکہ زلف زیا وہ بھی ہوا کرتی ہے۔ اور جب کنڈلی مانے ایک خادمہ بنتی ہے۔ لہذا اس کو خانہ زلف کہا کرتے ہیں۔ تو خانہ زاد زلف ایسا حلقہ کہ گویا زلف کے گھر میں پیدا ہوا تھا اور ان کا ابتدائی سے غلام بنا یعنی جو اس پر والا یا فریفتہ ہے۔ زلف کے لیے کنڈلی دے ہاؤں کو زنجیر زلف بھی کہا کرتے ہیں۔ حسی۔ ہم زلف کے خانہ زاد غلام ہیں۔ زنجیر سے کیوں بھاگے گئے۔ یعنی ہم زنجیر زلف کے تو پیسے ہی سے شیعائی ہیں۔ ایک زنجیر کو جس سے کوئی قید کیا جاتا ہے۔ دیکھو کہ بھاگ جائیں گے۔ اسی طرح ہم وڈ کے گرفتار (قیدی) ہیں تو اب زندہ ان رقبہ خانہ سے کہا گھبراہٹیں گے۔ مطلب یہ کہ ایک راجہ اسے قاضی کو قید کیا ڈار۔

(۶۶) اب اس مہمورہ یعنی بستی (مراد دلی) میں غمِ محنت کا قحط ہے۔ ہم سبے ماناگہ دلی میں رہیں تو کم کھائیں گے کیا۔ یعنی دنیا میں ہر کوئی یکم دو سر کا کام کھایا کر رہتا ہے۔ لیکن جب ایسی الفت کا قحط ہے جو تو کوئی کھائے کیا۔ لکن اس شہر میں جب کہ جب قحط ہوتا ہے۔ تو سب کچھ کھائے کو نہیں ملتا۔ تو گو یا خود مصنف ہی کسی کام نہیں کھا سکتا۔ اور کوئی اس کا بھی غم نہیں کھاتا۔ تو ایسے شہر میں کون رہے۔

۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲

۱۳۲۔ کون کس سے ہیں کہ کہتے شہنہری ہیں۔ ۱۳۱۔ مجھے کیا بڑا خفا ہوا اگر ایک بار ہوتا ہو کہ مجھے ہم جو رسوا ہو گئیں شوقیہ ماہ ۱۳۰۔ نہ کسی جن زدہ شخص نہ کہیں مزار ہوتا اسے کون دیکھ سکتا کہ یہاں ہے وہ دیکھتا ۱۳۲۔ جو روئی کی ٹوکی ہوئی تو کہیں دوچار ہوتا ۱۳۳۔ ہمسائی قصوف یہ تیرا بیان غالب ہے ہم وہی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۱۳۳)۔ ہمارے یہ قسمت ہی نہیں تھی کہ دوست کا وصال حاصل ہوتا۔ اگر اور زندہ بدلتے جیتے نہ ہوتے تو کبھی ہاتھ بڑھتا کہ اب وصال ہوتا ہے۔ (۱۳۴)۔ اگر وہاں سے نصیبوں کا نہیں لکھا ہے۔

(۱۳۴)۔ اگر تیرے وعدے پر ہم جیتے رہتے تو، سے ہاناں (معتوق) ۱۳۵۔ بھوت جان (بھو) کیونکہ اگر تیرے وعدے کا نہیں اختیار ہوتا تو پھر (شادی مرگ ہو کر) خوشی سے مری۔ جاتے۔ قاعدہ ہے کہ معتوق اکثر جھوٹے وعدے کیا کرتا ہے۔ تو عاشق ایل کا کہیں اختیار نہیں کیا کرتا۔ اسی بنا پر یہ شعر کہا ہے۔

(۱۳۵)۔ تیری نزاکت ظنی یا نزاکت انا کی سے میں سے ہاناں کہ تو نے بولا اقرار کیا تھا۔ کیونکہ تو کہیں اس کو توڑ نہ سکتا۔ اگر یہ اسستوار (مضبوط اقرار) ہوتا۔ بیٹھے کے طور پر کہتا ہے چونکہ تو نازک تھا۔ اس سے نازک یعنی بولا اقرار کیا تھا۔

(۱۳۶)۔ کوئی میر سے دل سے پوچھے کہ تیرا نیکمیں (بہت زور سے کچکا ہوا) تیر کیا ہے۔ یہ غش یا کاوش جو بگے ہو رہی ہے۔ کب ہوئی۔ اگر تیر (نیکمیں نہ ہوتا تو) ہلکے بار ہو جاتا۔ تیر نیکمیں۔ جب زور سے تیر نہ ہلا دیا جاسے تو جس کو لگے اس کے اندر ہی اٹک کر فریاد نصرت اندر راہ نصرت باہر ہوتا ہے۔ مگر ہری طقت سے تیر ہلا دیا جاسے تو وہ جس کو لگے۔ اس کے صدمے پار ہو جاتا ہے۔ لیکن آدھا تیر جب جسم میں ٹکرا ہے تو سخت غش میں دروہا ہے۔ اور عشاق مدد پہنچانے لگتا ہے کہ اس حالت کا نصرت

کما جان کر دیں۔

۱۳۰۔ یہ کہاں کی دوستی ہے۔ کہ میر دوست ناصح جاسے عادی کوئی پارسا زین میر سے درو عشق کا علاج کہنے والا ۱۳۱۔ میرا وہ رفیق کہ میر سے ساتھ پھر روی کر سکا میر دوست ہوتا۔

(۱۳۱)۔ شررہ چنگاری چھاتی پھر کو کسی اور پتھر سے مارو۔ تو اس سے چنگاریاں نکلتی ہیں و درہار ہیں اگر پتھر میں شرر کی بجائے وہ چیز ہوتی ہے۔ کہ جیسے ہم نہ تم سمجھتے ہیں تو رگ سنگ، پھر کے رگ و ریشہ، سے وہ ہو جی اس کثرت سے ہونچک کہ جو پھر تھم ہی نہ سکتا۔ جس سے مطلب یہ کہ تم پھر شک لا جی بوجہ مرگ اس کے خون بہا سکتے ہے۔

(۱۳۲)۔ جان کس۔ یہاں توڑ دینے والا ظم اگر یہ جان کو تیرا کر دے والا ہے۔ اگر ہم کس طرح اس سے نہیں، اگر عشق کا ظم نہ ہوتا تو نہ درو (اپنے پیٹ) نہ ہوتا۔ جو کہ ظم عشق کے سبب ہم صلا بکے تھے۔

(۱۳۳)۔ میں کسی سے کیا کہوں کہ شبیہ ظم (فراق کی رات) کیسی، ہر فی ہفتہ چند یہ کہ بہت بڑی جاسے (کہ جس میں ہر وقت لہری مدد سے رہتا ہے کہ ہاتھ، چہ عین کس۔ اب میں حوالہ دے لگے کہ صرف ایک بار ہی مر جاتا ہوتا (جیسے کہ سب وقت مر کر رہتے ہیں) تو وہ مرنا میر کے لئے بڑا نہ تھا۔

(۱۳۴)۔ ہم جو مرے رسو ہوئے (بے حرمت ہوئے کہ ہر شخص سے کہے کہ وہ بھول گئے) پر عاشق ظم کے عشق میں مرا (کیوں نہ دیر ہی میں غل و ملے دو) مرے کہ ہماری رات ہی نہ ملتی اور نہ کہیں جنازہ آگشتا۔ اور نہ ہمارا مزہ رختا۔ (یعنی ایسی رسوائی میں ہماری قبر بھی جی تو لوگ ہی کسا کرتے کہ یہ سب بڑا شخص کی قبر ہے۔

(۱۳۵)۔ ہستہ مراد زندہ کو کون دیکھ سکتا تھا۔ جبکہ وہ دیکھتا ہے (قتل) کا زندہ۔ آہستہ یہی اگر اس میں روئی (دو ہونے کی) بونگ بھی ہوتی تو وہ کہیں دم نہ ہوتا۔

میں کسی سے اس کو نہ کاڑھ دے نہ ہونے کا اتفاق ہونا (عذائے وحدانیت پر مصنف سے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔ اسی پر تحریر کرتے ہوئے مصلح میں جو درج ذیل ہے لکھا ہے۔)

(۱۳۳) اسے غالب یہ تصوف کے مسئلے (ایسے دقیق و اعلیٰ) دور پر نظر رکھیں (جہاں ہم خود کو (ان کی وہ کیفیت کے لحاظ سے) وہی مانتے) اگر تو بادہ خوار (دشمنی) نہ ہوتا

- | | | | |
|-----|-------------------------------|-----|--------------------------------|
| ۱۳۴ | ہوس کو بے نسبت کار کیا | ۱۳۵ | نہ ہو مرنا تو پہنچے کا مزا کیا |
| ۱۳۶ | تجربہ کی پیشگی سے دعا کیا | ۱۳۷ | اگر نہ کیا ہے سر ہاں کیا کیا |
| ۱۳۸ | نور شہ سے بجا دیکھتا ہوں | ۱۳۹ | شکایت ہے رئیس کا لگا کیا |
| ۱۴۰ | نقاد بے محابا چاہتا ہوں | ۱۴۱ | تغافل ہائے تمکین آرزو کیا |
| ۱۴۲ | فروع شعلہ فتنہ کی نفس ہے | ۱۴۳ | ہوس کو پاس نہ دوس و غما کیا |
| ۱۴۴ | نفس موعظہ حیل ہے خودی ہے | ۱۴۵ | تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا |
| ۱۴۶ | دوبارہ ہیرا ہنر نہیں ہے | ۱۴۷ | فلم آوارگی ہائے صبا کیا |
| ۱۴۸ | دب مراد ہے سائیا نا ابر | ۱۴۹ | ہم اس کے ہیں ہمارے چھٹا کیا |
| ۱۵۰ | نہ دیکھا ہے یہ خامی و مردکی | ۱۵۱ | شبیدان نکلا کا حوں ہا کیا |
| ۱۵۲ | سہی سے قدرت کر چسب و فاسق | ۱۵۳ | فکرت و فتنہ دہ کی حد کیا |
| ۱۵۴ | ایک کس سے تجھ کو آری کا دعویٰ | ۱۵۵ | شک و شبہ فخر عاشق ہوا کیا |
| ۱۵۶ | یہ قاتل و مدد صبر آرمائیوں | ۱۵۷ | یہ لاف زنی کا لہر کیا |

۱۳۹ ہائے جاں ہے قاصد کی ہر بات
جہالت کیا اشارت کیا دہا کیا

(۱۳۴) ہوس کو حرص کے تقاضے سے شاد فوٹی نظر کار کام کیونگی خوشی

اس کے کام کر کے روپیہ سپہ سنا ہے کیا کیا کہ قدر مرنا کسی ہوس یا غم میں کھینچیں اٹھانا۔ جیسے کہ کیا کرتے ہیں۔ وہ شخص دولت پر کسی قدر مرنا ہے۔ یعنی کسی ہوس ہے۔ مطلب شعر۔ حرص کے تقاضے سے کیا کیا نہ کار ہے۔ یعنی کام کاج اور ان کے کر کے کی کس قدر خوشی ہے۔ اگر مرنا (یہی خواہش یا رنج) نہ ہو۔ تو پھر جیت میں کسی کو لطف کیا آئے یہاں "مرنا" یا مطلب جینا موت کے معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ کالج میں مرنا مراد ہے۔ کہ جس سے زندگی باوجود اس قدر محنتوں کے منکسر ہو جاتی ہے۔

(۱۳۵) تجاہل پیشگی۔ گویا ناں کیفیت کو اچھا پیسہ نہایتا یہاں "عذا" تجربہ پر مراد ہے۔ سر انا انا۔ سر سے پاؤں تک ناز و انداز سے بھرا ہوا۔ بہت مغرور ہے۔ سراپا ناز۔ خیر سے اس قصداً تجاہل برے یا اچھاں ہی ہائے کا مقصد کیا ہے۔ ہر گاہ۔ درویش سنا بگڑے ہوئے۔ اور تو کس قدر بگڑا کہ ہاں کیا ہر گاہ سنا ہی نہیں۔ (۱۳۶) مشوق سے خطاب کرتے لکھا ہے کہ تپ کی جی تو از غیل (عمرانیں) اوتار۔ ارجب کیساتھ کہتے ہیں میں دیکھ رہا ہوں ہاں سے متعلق اگر شکایت ہائے رئیس بھی استعارہ و کنایہ ہیں۔ بھی کہیں تو اس کا گد کیا۔ مطلب یہ کہ بات محض کی ہوئی ہے۔ لہذا وہ اکثر بڑھت ہو کر رہی ہے۔ مگر آپ تو وہ بھی سننا نہیں چاہتے۔ اور میری شلایت کرتے ہیں۔

(۱۳۷) محابائے عام معنی بد پس و پیش گو۔ مگر یہ معنی محابا مروت بھی ہے (وہ محابا حشاشات) تغافل۔ غفلت نکلیں۔ موردوری۔ صبر سے ٹھنڈا۔ جیسے صبر و کین۔ نکلیں۔ از خود و داری۔ صبر کا امتحان کرتے دانا کھن۔ عقل۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر ظہور فرمایا گیا ہیں۔ یا ہے لکھا ہے لہاں وہ پیش میری طرف دیکھا کریں۔ مگر یہ کہ نہ۔ جسے غفلتیں برتنے ہیں۔ اور وہ بھی صبر آزمائے غفلتیں۔

(۱۳۸) ہوس۔ یہاں مراد کسی ہوس آدمی کی ہوس۔ جو صرف اپنی غرض تک ہو کر رہتی ہے۔ غرض کی تو ہر کسی سے مطلب کیا۔ ایسا شخص بھی وفا نہیں کر سکتا۔

کہ ایک ہوس آدمی کی ہوس کو دفا کرنے کے ناموس (عزت) کے پھینک دینا تو ایسی چیز ہے کہ جیسے جس (شے) کو آگ لگا دے۔ تو اس ایک شعلہ ہرگز کہ (فردیغ شعلہ یعنی شعلہ کی روشنی جو کہ) غائب ہو جائیگا۔

(۱۴۹) غلبہ۔ میراج و رموج عجیب و غریب ہے یعنی جزدی کے حیلہ (مصلحت) کی ایک ہرے۔ لگے ساتی کی مصلحتوں سے شکایت کیا۔ یعنی گرد و شراب نہ دے تو میں خودی بیوقوف ہوں اس کی ضرورت کیا۔

(۱۵۰) عجز چرمین خوشیوں کو نیک نہ ہے۔ ہوا میں مرد و خویہو ہونگے وہاں میراج و رموج و نیو نیال سوئے نہادی نہیں۔ ہذا چھو بد۔ شہر کی (جو ہر گز کی خوشیوں میں مت جت ہو کر رہے) کہ گیسو ہر گز نہیں ہے۔ (میری بلا سے وہاں سے ہر گز نہیں ہے)۔

(۱۵۱) سناں انا نہ نہیں۔ انا بھریں کند۔ ہوں۔ ہر ایک لغت کا۔ اگر ایک ہمارے جس سے نا ابرو ہیں کند۔ ہوں کی صداقتی ہے (جیسے منسوئے کھاتہ نا ابرو ہیں خدا ہوں) اس سے ہم اس کے ہیں (یعنی حد سے) ہونا چاہتے ہیں کہ یہ شرفوں میں ہے جہاں ہر کوئی شرف کا شریک کہتے ہیں اور کہتے ہیں۔ (ہر دوست)

(۱۵۲) انا ہی خوش کرنا۔ تم کس وجہ سے پس پھیل کر رہے ہو۔ انا کے قتل کر سکتے ہیں (جنگتے ہو)۔ دہر دیکھو میں اس انا کا سامن ہوں کہ تم سے بہر نفیس اگر اس شہید ہو گیا تو پھر تم سے موت بہتر ہے۔ نہیں یہاں چاہیگا۔ (کیونکہ میں تمہارا عاشق ہوں) اور جو ہے عاشق مشوق کی جگہ کے شہید (قتل گئے ہوئے) ہوں۔ ان کا خون بہا کیا یعنی وہ بہا ہی نہیں جاتا۔

(۱۵۳) شہن اشعوب۔ و فلکی جنس (چیز) کو فارت کر کے واسے سن۔ دل کی قیمت ڈال دے۔ (یہی) لکھ سکتے ہیں تو اس کی صدا کہ یعنی اس کی آواز نہیں آ کر تھی۔ مطلب یہ کہ ہر جس بہر وقت کہ صدا دیتا ہے۔ تو اس کا انوس ہوا کرتا ہے۔ لیکن تو ہم وہ نہ کہ کہ فاکل جنس کی قیمت ڈال کر یعنی یہ کشت کر کوئی صدا نہیں کہتی کہ نسوس ہوا اس کے بخوشی ستائوں اور بہ دغائی کیا کرے۔

(۱۵۴) بکزداری۔ مضبوط و قفل۔ جس رعاشق کے اپنے مضبوط قفل کا دعویٰ کیا بعد عاشق کے دل کا شکوب (صبر و تحمل) کیا یعنی یہ نہیں ہو کرتا۔

۱۵۵) وعدہ صبر کرنا۔ یعنی ایسا وعدہ جس کے وفا کے لئے عاشق نے صبر کرنا یا یعنی تو جسے شعر شری میں پس لکھا ہوا تھا۔ سے ظاہر (نہی) یہ وعدہ صبر کرنا نہیں رہی تو کیوں ایسا کیا کرتا ہے) (وہ) کافر تیرا۔ یہ قسم عاشق پر کیا یعنی یہ قسم (فقد عشق) کس قدر ہماری طاقت کو کمپنچہ دے۔ یعنی زائل کر دے۔ اسے کہ جس سے ہم سخت مژور ہوئے ہیں۔

(۱۵۶) خاصا۔ اس کی ہر بات ہماری ہون پر یکہ وقت ہے یہی عبارت کیا (اس کی باتیں کرتا) اشارت کیا (اشارہ و کنایہ استعمال کرنا) اور ادا کیا یہ سب برابر تھے۔ وہ وقت اہل لکھ سے مراد ہے پانچ یا دس (۱۵۷)

غزل

دور و قریب و غلبہ جب کوئی ہم سا نہ ہو ۱۵۷
جنگی میں گی وہ آواز وہ و غور میں کہم ۱۵۸
سب کو تنہا ہے دھوی تری بیکانی ۱۵۹
کم نہیں تازہ شہنشاہی چشم خواب ۱۶۰
سینہ کا داغ ہے وہ تالہ کہ لہجہ کیا ۱۶۱
نام کا میرے ہے جو کہ کسی کو نہ ملے ۱۶۲
ہر شے شوق سے دم ذکر نہ پھولوں ۱۶۳
قلوہ میں وہ لکھائی لکھائی اور جڑیں گل ۱۶۴
۱۵۵
دیکھتے ہم بھی گئے تھے یہ منشا نہ ہوا

آندام وہ جنوں جہاں گدے کے سزا ہیں ۱۶۵ کہ بہ سرو خیز شکار لہو پھولت غار پنا

(۱۴۱) دروغ قتل جب کوئی اور شخص ہمارے جیسا آپ کے قتل و غضب (برداشت کوئی کے) قتل نہ ہو اور پھر کہا بات غلط ہے کہ ہم حبیب (ہمارے) کوئی چہا ہی نہیں ہو یعنی خصلت پر وقت کریتے ہیں ہم خود ہیں۔

(۱۴۲) بددی جملات خود ہیں مغرور چٹا گوشا سمجھنے والا ہم بندگی میں کہ بددی چٹا گوشا کہتے ہیں یہی جملات اس میں ہیں یہ خود ہیں مغرور یا خود را ہیں کہ اگر کسی کا دروازہ (جہاں سے) پائنتروں کے کہ ہم آئیں (کھانا نہ ہو تو کھانا پھرتیں) (کو کلبہ) ہم کی بھی پر نہ کریں +

(۱۴۳) تیری کیتا کی پیش ہوئے کا دعویٰ سب کو نہ طور ہے اس سے کوئی بت نہیں بہا یعنی محبوب تیرے کار ہمارے والا بتوں سے نہ ہو یعنی تیرے مقابل بنے کو نہیں نہ تیرے لافا نہ ہے کہ نہایت نہیں تو کھس لگا رہا ہے جو نہ مقابل ہوتا ہے مگر یہاں وہ محبوب تیرے سے ہے اور اس کے مقابل ہوئے کوئی نہیں آتا مراد یہ کہ وہ محبوب خدا ہے جو بہتوں کے مقابلے میں ہے۔

(۱۴۴) تیرا دشمن عزیم نامی ایک ہی نام ہوا چشم خواں معشوقوں کی آنکھ سے شرمیم ہمارے کما کرتے ہیں کیونکہ معشوق بڑی دہرو ہی سے اپنے عاشق کو دیکھ کر لڑا کر رہے ہیں دلت ایر مصوب ہو گئے کہ گوا جس طرح "بہار" عاشق نزع میں باطل ہے ہر وہی سے کسی کو دیکھا کرتا ہے ایسا ہی وہ بھی اپنے عاشق پر نظر ڈال رہا ہے یعنی چہا کی آنکھ کی طرف اور وہ "چشم" بہار" کہتا ہے اگر تیرا بہار (عاشق) چھا ہوا تو یہ فریاد کہتا ہے کہ وہ معشوقوں کی (چشم) دہار کی ہمتا کی رکھتا ہے۔ ان کا ہم نام ہے اور عاشق "بہار" کہتا ہے۔

(۱۴۵) وہ نام (آہ و فغاں) جو سب تک نہ پہنچے (اور وہی دل میں ہے) وہ ایک دہان ہے یعنی دل پر جو داغ ہو اگر تمہارے وہ اسی طرح بننا ہے اب اس نام نارسا کی طرح وہ قندہ "بہار" کہ جو خاک کار زنی ہو گیا (یعنی مٹی کے منہ میں آ گیا) اور دریا تک پہنچ کر دیر نہ بن گیا مراد یہ کہ "نارسا" میں زندگی تک بھی

فارت ہو جاتی ہے۔

(۱۴۶) یہ نام اور کام کی نقلی من مہنت کے سبب بنتا ہے کہ وہ دیکھ کر نام کہے (یعنی میرے ہی سے مخصوص کیا گیا ہے) جو کہ کسی کو نہ ملتا ہو اور وہ فتنہ (یعنی مصیبت) شادیاں کہ جس سے کام میں جیت آئے میرے ہی نام میں برپا ہو نہ کہ دیکھ کر بھی برپا ہی نہیں ہوتا +

(۱۴۷) ایک دوکانہ پر اپنے کمان کی تحریف کہتے تیرے کرنا ہے "ای" مراد لاکھیل جو کوئی دوکانہ رہی نہ ہوئی "اس طرح غائب کرتا ہے اگر عشق کا زور نہ رہے نہ ہر مال کی جڑ سے خاص خون نہ نکال دے تو وہ عشق نہ ہوا۔ کوئی امیر مراد کیو، سلطان ہوئی (جو کہ بہت طول طویل ہے مگر تیرے فارغ)۔

(۱۴۸) شعر کی سی طرح کا ہے مراد یہ کہ اگر ایک قطرہ میں دیکھ جیسا ہر دہرا دکھائی نہ دے۔ اور جزو میں نہیں کہ یہی آنکھ محض رنگوں کا کھیل ہے (باللہ بے طاقت) مگر وہ دنیا یعنی اصلیت کو پہنچنے والی آنکھ +

(۱۴۹) دوسرا معرکہ صبح طور پر ہوا ہے۔ دیکھتے ہم بھی گئے تھے یہ تماشہ ہوا۔

اکثر سنوں میں "پ" چھپ گیا ہے جو غیر فصیح ہے یہ خبر گزشتہ یعنی بخور و ہر نہ سنا گیا تھا کہ غائب کے تاج پر نہ لڑا دے جائیں گے (تو با اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جائیں گے ہم بھی یہ ثابت دیکھنے گئے لیکن یہ تماشہ واضح نہ ہوا۔ حاصل شعر یہ کہ خود اکثر دست نہیں ہوا کرتی چنانچہ وہ جتنی زبردست ہو یہی کہ یہاں زبان ہوئی اور بھی زیادہ غلط ثابت ہوئی ہے۔ شاعرین نے اس شعر کے حوالے طویل مثنیٰ کے لئے ممکن ہے کہ غائب ایسے سنسنی خیز مضمون سے صرف اتنا ہی کرنا چاہتا ہو کہ عشاق کے ٹکڑے بھی (رسانا کی کبھی صدا میں ہوا کرتی ہیں جو معشوق کے شہرہ پیدا کر نہیں ہے +

(۱۵۰) جنوں جولان + سبب جنوں جولانیاں کرنا والا۔ یعنی دیوانگی میں بگڑ کر کافیاں

کود سے بے سرو پا۔ ایسا فقیر جس کے سر پر چڑھیں کہ وہ ہو۔ یہی اصل بہت۔ سر پر
 منہ۔ جس میں کوئی چیز بندھی ہو۔ مڑا گنا ہو۔ ہر ن کی بکریچ خوب واضح ہوتی ہیں۔
 پشت خاں۔ ایک لکڑی جو کہ غیر اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اس سے پٹی پشت کو
 رومہ میں مٹی میں رہنے کے، جب اس پر گرو جس ہو تو نوکر نادر با کرتے ہیں اسے
 اسد ہم جنوں کے باغے آوارہ پھرتے دے وہ تھیدست فقیر ہیں۔ کہ ہا سے یا س
 پشت خاں تک بھی نہیں ہے۔ اور ہر ن کی ہلوں کا منہ بھی چنا پشت خاں سے مطلب
 سحر۔ یہی ہم اس قدر بے سرو پا ہیں کہ پشت خاں جو ہر فقیر یا س رکھتا ہے۔ وہ
 تک بھی نہیں۔ اور جنگل میں پھرتے پھرتے ہر ن کی مڑا گنا سے پشت خاں کا کام لیتے
 ہیں۔ عام ہے کہ ہر ن بھلا اس طرح کب کسی کے کام آ یا کرتا ہے۔ گویا اسر سلطان
 کی طرف سے ہر طرح جواب ہے۔ بلو سے مثل سے
 براستہ عاشقان ہر شاہ آ ہو

غزل

پتہ ندر کریم تھو ہے مشعر نارسائی کا ۱۵۷۱ بوں غلبہ و صمد تک دھوی پارسائی کا
 نہ ہو جس ناخود مست و صواب وفا کا ۱۵۷۲ ہر صمد نظر زبانت ہے دھوی پارسائی کا
 زکوۃ حسن کے اسے چوہہ پیش کہ ہر آسا ۱۵۷۳ چرہ ہا حادہ درویش ہو کا سہ گزائی کا
 ہمارا جان کرے جرم فانی تیری گھٹا ہے ۱۵۷۴ رہا مانتہ خون ہے گنہ غنی آشتائی کا
 منت سارین محو سہا سہ ہے زبانی ہے ۱۵۷۵ مناجس سے نکلا شا شکوہ ہیر سے پائی کا
 وہی آگ بات ہے جواں نفس میں نکست گل ہے ۱۵۷۶ چین کا جہوہ ۶ غصہ ہے مری نہیں توانی کا
 دہانہ ہر بہت ہا خارہ جو زنجیر رسوائی ۱۵۷۷ عدم تک ہو قارہا ہے تیری یوفانی کا
 ۱۵۷۸ نہ دے نامے کو اتنا ہوں غائب تھو کہ گھٹا
 کہ حسرت بچ ہوں عرض ستم سے ہڈی کا

(۱۵۷۹) چہ و سے۔ ندر کریم۔ تیرے کریم یا بخشش کے عوض نذر کر کے یا اس پر نذر
 کر کے کے سلا نارسائی۔ شہنشاہ سکنا۔ مراد ہر دت کی کہ تجھ تک رسائی میں صحت شرم نارسائی
 پہنچ نہ سکے کی شرمندگی۔ خون غلبہ۔ خون میں لٹکا ہوا۔ یعنی بہت بڑی طرح پامان
 کیا ہوا۔ صمد تک دھوی پارسائی۔ سو سو طرح سے زہد بہتے کا دھوی۔ مثلاً غائب نہیں
 اور دل میں خد کا حیاں نہیں۔ کسی غریب سے کوئی مفقود نکل گیا۔ اور اس کی مزدور
 سے دی اور بظاہر اسے زکات ظاہر کیا۔ گویا یہ سو سو طرح پارسائی کے کہتے ہیں
 عین در حقیقت غریب ہیں۔ ورنہ نہ خدا تک۔ نہیں پہنچا جا سکتا۔ گویا یہ
 مذہب ایسی جہاد توں ہی کی بنا پر دعوائے پارسائی کیا کرتے ہیں۔ اور بہت کے
 دعوہ اربنتے ہیں۔ خدا سے خطاب کر کے کہتا ہے۔ میں تیرے کریم (بخشش) پر قرا
 کر کے سے پتی نارسائی کی شرمندگی کا قطعہ ناپا ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو گنہ گار ہی کی
 شرم گنہ کے تیرے پیش کرتا ہوں۔ کہ تو بخشدے (میرا جو سو سو طرح کا۔ دھوی پارسائی تھا
 کہ جس کی بنا پر کوئی تجھ سے امید بخشش رکھ سکتا ہے۔ وہ توں میں لٹکا ہوا ہے۔ یعنی
 اس کو میں پامان کر چکا ہوں۔ وہ یہی چیز نہیں ہے کہ جس کی بنا پر میں تجھ سے بخشش کی
 امید کروں۔ بلکہ وہ تو میری رنجہ تک نارسائی کا ایک ٹھوسہ (تھو اس سے کہا کہ
 شرمساری نہ کو خدا کے سامنے پیش کیا ہے۔ گویا اسے ایک ٹھوسہ ہی کہا جا سکتا ہے کہنا ہے
 چو کہ تیری بخشش کے عوض میرے ہاں یہی ایک صہ ہے اچھی چیز نھی یعنی دھوی پارسائی
 کی پامانی اسے تیرے نذر کر دیا ہے +

(۱۵۸۰) حسن مرد خوب صورتی یا سہ سو حسن مثلاً آنکھوں کا دیکھنا۔ ورنہ
 موتوں کی طرح۔ ناک موزوں۔ دینہ و خیرہ۔ ایسی چیزیں ہیں کہ ان پر ہر شخص
 کی نظر خورہ کھراہ پڑتی ہے۔ اس سے کہا حسن ناشاد و ست۔ وہ حسن جو کہ پہنچا
 دکھائے ہمارے کو دوست رکھتا یعنی پاتا ہے۔ کہ اس کی طرف سب کی نظروں ہٹیں
 ادھر ایک قدرتی مرے کہ ہر شخص پاتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کی نظروں میں پھر
 آئے۔ چن چہ بس پتا اب تو خوب صورت شکل و صورت بنائے ہیں تو پسندیدہ۔ اب

جو شخص قدرتِ عظیم ہو تو گویا صد ہجری زیادہ اس حسنِ ثمال کا طواں ہو کر رہا ہے تو یہ ایک قدرتی بات ہے۔ یہی بنا پر کہتا ہے جو کہ ظن جو حدِ ثانی غافل کو غریب رکھتا ہے۔ اسے یونانی یعنی کسی شخص سے تعلق رکھتا ہے اور اس سے انصاف نہ کوئے اس کے لئے رسوا نہیں ہوا چاہئے۔ یعنی اس کا تصور کیا ہے تو ایک قدرتی مرے۔ کہ سب کی نظر میں اس پر پڑے۔ ہذا یہ (سب کی نظر میں اس پر) مشتاقا صد ہجری میں اس کو جن کی بنیاد پر جس (اپنی پارسی) (مراد خصوصیت دورِ گناہی کا بدعویٰ کر سکتا ہے۔ یہ اصل معرکہ جس کو خدا ہی سے تو پیدا کیا۔ اگر میں پر نظر تا سب کی نظر میں پڑتی ہیں۔ تو گویا وہ سب کے لئے ہے۔ ہر اس پر کسی خاص شخص کے سب سے متعلق رہنے کے لئے یونانی کا نرم کیوں لگایا جائے۔ وہ خود ہوا یہاں نہیں بن گیا۔ صد ہجری میں۔ (دوسرے کی مہارت سے کہتا ہے۔ کہ جس دعویٰ کے ثبوت میں صد ہجری میں تبت ہوں وہ قابلِ تہنیتی ہوتا ہے +

(۱۵۱) زکات و حسنِ دنیا۔ اس سے مراد ہے کہ معشوق سے کہتا ہے۔ تو میرے گھر میں اگر اپنے حسن کا بیوہ دے تو گویا یہ تیری دوستی حسن کی زکات و بھگت۔ جہاں پیش۔ دیکھنے کا جلوہ یا نور۔ مراد آنکھوں کا نور۔ ہر آسا۔ سوخت کی طرح چراغِ نذر۔ ویش ہو۔ یعنی فقیر کے گھر میں ایسا نظر آئے۔ جیسے چراغ کہ اگر نہ ہو۔ تو غارت و بیل۔ یعنی تاریک و دورِ ان و کھائی دے۔ کاسہ نہ لے۔ یہاں مراد قرصِ آفتاب جو کول کول فقیر کے کاسہ کی طرح ہوتا ہے۔ اسے میری آنکھوں کے نور تو میرے گھر میں آ کہ گویا اپنی دوستی حسن کی زکوٰۃ دے۔ جس طرح قرصِ آفتاب جو نانیہ کاسہ لگتی ہے کسی فقیر کے گھر میں اگر یعنی اس میں چمک کر اس کو منور کر دیتا ہے۔ تو وہ فقیر کے گھر کا چراغ بن جاتا ہے۔ (دوسرے اس کے اس ویرانی و تاریکی ہی چھاتی رہتی ہے) چونکہ مال زکات فقیر کے کاسے (لکڑی کے پیالے) میں لی لایا جاتا ہے۔ تو گویا یہ آفتاب جس سے یہاں مراد حسنِ دوست ہے۔ اور وہ شکل کا ہے۔ (خود مال زکوٰۃ کے فقیر کے چھوٹے ہیں آفتاب +

(۱۶۰) عشاقی اپنے قتل کے جانتے کو بہت محبوب رکھتے ہیں۔ گویا سہ
عشاقی قتل کے ہی قناعت پر چم

لہذا گران کو معشوقی قتل نہ کرے وہ یہ سب کی قناعت ہے۔ یعنی ہر رمی میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ زہر و کر عشق کی سمیت سمیتیں جیسے ہیں کہ جس سے مرعانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کہتا ہے سہ قتل (یا محبوبی قتل) تو ہے لکھو۔ بڑے بھگتوں شکیلا یا ماریں ہے (وہ) ہری قناعت میں داخل ہے۔ اس لئے میں چل کر باہر کر تو ہے مجھ حق دوستی دانیں کیا وہ اس حرت تیری گردن پر ہا جیسے کسی ہے کہ گویا ر دیا جائے۔ تو اس کا حق یا معاوضہ قاتل کی گردن پر رہا ہے۔ اور کہ معشوق کو غریب دلا ہے کہ اپنے عاشق کو قتل کر کے حق دوستی اور کر

(۱۶۱) قناعت زبان زمان کی آندھ لگی ہو سکتی ہے۔ کہ وہ کسی مراد ہوت
بھرا کر اظہر کرے۔ محو پس۔ شکر یہ کرتے ہیں سزا یا غرق۔ وہ میری زبان کی سند
اپنی کوئی بات کہتا۔ اس سے زبانی یا چپ کے شکر ہے میں محو ہے۔ کہ جس کی بدست
اپنی ہے دست و پا (تبدیل دے کسی) کے لکھ کرے کا قناعت صابی مٹ گیا۔ یہی جب
بھرا چپ چھائی۔ تو کوئی قناعت ہی کس طرح کر سکتا ہوں۔ اپ کو یا ایک صوبہ نامینا
عالم ہو گئی ہے۔ ورنہ زبان شکوہ ہوئی۔ تو تجھے (مراد خدا سے یا اور کسی سے)
اپنی ہے کسی کا عمل بیان کر کے ذہیل ہوتا۔ (وہ چپ جس کا یہاں بیان ہوا ہے۔ اس
لئے لی۔ کہ اتنا سے حریص میں انسان دیو۔ سا جو کے اسس پر چپ ہی
چھا جاتی ہے)

(۱۶۲) نفس۔ سانس یا وہ ہوا کہ جب ہم بولتے ہیں تو ہمارے گلے سے خارج
ہوتی ہے۔ چنانچہ مشیخ سعدی لکھتا ہے کہ شروع میں لکھتا ہے۔ کہ ہر ایک سانس
انفس جو جسم سے باہر آتا ہے۔ یا زہد ہوتا ہے۔ گویا فند کی طرح کھڑا ہے۔ یہاں
قالب لکھتا ہے کہ میں جو زمین توانی (دعایا طرح کے لئے) گاہوں یا سوتا ہوں
تو میرے نفس کا نظام ہے۔ وہی کائنات ہے۔ یعنی اس طرح کی ہے لکھتا ہے

مہیوں کی خوشبو چمن کا جلوہ بارش کی جھلک یا نوہ مراد س کی سار انسان چمن کی ہمدرد
درجہ حرارت طبع کے نکلے لگتا ہے اسی طرح س کا نفس (سائنس کا ۲۰۰ جانا یا عصف
کوئی ہے تو یہاں میرا نفس مستحاضی ہو گا ہے کہ میں رنگین نوازی کروں ورواں
یعنی چمن میں مہیوں کی خوشبو جو کہ چمن سے میرے دماغ میں آتی ہے اور حیلہ
چمن یعنی ہمدردی جاتی ہے اس کی وجہ سے میں رنگین وئی کرنے لگتا ہوں تو یہ دونو
تجزیہ کیستہی طرح کی ہیں۔

(۱۶۳) پیشاب جو شکر و شکریت کرتا کوڑھوڑے لے رہی تھا کسی کا ٹوک کرے
وہ رطوبہ کوئی سبب ہو یا نہ ہو از بخیر رسوائی۔ ایسی رسوائی میں جگڑ ہونا کہ کسی طرح
مغرب ہو۔ صدم تک۔ جب تک کہ وہ دنیا میں کے عام صدم نہ آوے۔ گویا جہشہ کے لئے
اسے ہو فادہ صدم تک (یعنی جہشہ تک اس دنیا کا فادہ ہو کر دوسری دنیا آئے۔ یعنی
ہمیشہ کے لئے تیری بے وفائی کا چرچا رہے گا۔ کیونکہ ہر معشوق جو چیں رہو جو ہے۔ یعنی
اپنے حلق کے برخلاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر شکایتیں کرتا رہتا ہے۔) اس کا منہ اس
کے لئے رہنما رسوائی ہے۔ کیونکہ وہ جب عشاق کی شکایت کرتا ہے (مثلاً کہ عشاق
میرے مستحق نہیں ہیں یا تو گویا ایک اسامہ صدم کا کرتار ہوتا ہے۔ بلکہ یہی بوفانی کا ظہار
کرتا ہے کہ اس کا دل اس کے لئے ضرور جہشہ نہ رہے رسوائی ہے۔ کیونکہ یہ منہ کو بھی مرتے
دم تک کسی سے ہمدرد نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۴) اسے غالب تو اپنے خط کو اتنا حول حول نہ لکھ (کیونکہ بہت لمب چوڑا
خط نارک معشوق کے لئے بے فائدہ ہو گا۔ اور وہ مطلقاً توجہ نہیں کرے گا)
صرف اتنا لکھو کہ کہ جدائی کے سسٹموں کو تیرے سامنے عرض
(مبشس) کر کے گئے جسے حسرت سسج ہوں۔ یعنی اس خط میں صرف
اسی حسرت کا یا ارمان دل کا بیان کرتا ہوں۔ (کہ تو میرے سامنے ہو اور
میں ہٹا دل کا ذکر کر رہا ہوں)

گردہ نہ وہ شب فرقت یہاں ہو جائیگا ۱۶۵ بے تکلف داغ نہ میراں ہوا بے تک
زہرہ گویا سہمی شام بکر تیرے ناخواب ۱۶۶ ہر تو کتاب میں غامض ہو جائیگا
سے تو لوں سوئے میں تنکے پاؤں کا بوسہ ۱۶۷ ایسی باتوں سے وہ کفر چلے ہو جائیگا
دل کو ہم صرف و قلب تکھے کیا معلوم تھا ۱۶۸ ایسی یہ پچھلی نذر متھیں ہو جائیگا
سبک دلی میں ہے جگہ تیری جو کورا صحن ۱۶۹ مجھ پہ گویا ایک زمانہ مہرباں ہو جائیگا
گرتا و گرم مرانی رہی تعلیم صدم ۱۷۰ حصد خسرو جیسے خون ٹپک رہا ہو جائیگا
باغ میں مجھ کو غصے ہاوردہ جگر مال پہ ۱۷۱ ہر گز تو ایک چشم حوں فتن ہو جائیگا
وہ گز میرا انصاف محشر میں نہ ہو ۱۷۲ اب تک وہ تو یہ نہ کہ اس ہو جائیگا
۱۷۳ فائدہ ایک سو فی قتل و کرب و غم
دوسری نذر ان کی سبکی کا زباں ہو جائیگا

(۱۶۵) گرجے سے شب فرقت کا نذرہ (غم) یہاں نہیں گیا جانتا یہی ہے
یوہ غم ایسی چپ گئی کہ کچھ منہ سے یوں ہی نہیں سکوں گا۔ تو اس ٹپ کا
یہ سبب ہو گا کہ گویا شب فرقت میں جو ہمدردی کا داغ (بے تکلف) اس
کے لئے تھا (میرے منہ کی مہربانی کیا ہو گا۔ منہ پر مہربان سے کے معنی چپ
رہنا ہے۔

(۱۶۶) زہرہ آب ہونا۔ طالع جاتی رہنا۔ پتہ پانی ہونا۔ میل بہل۔ ۱۷۰
آکر بکر میں شام ہی کو میر پتہ یہ پانی ہوئے تھا۔ (تو ساری رات میں) تو پھر دیکھو
(کس مراد پہ نذرانی) میرے سامان (کرو و غیرہ) کے لئے ایک حوقان بنی جائیگا۔ کسی
دست میر میں اس کا معایا کر دیا۔

(۱۶۷) جو کچھ وہ دہا گئے وقت کو اپنے پاؤں کا پوسہ پہنے گی (جہازت
نہیں دینا۔ حالانکہ قدم بوس کی ہر شخص ہارت دینا ہے۔ مہذا میں اس کے
سوئے ہوئے اس کے پاؤں کا پوسہ ہوں تو سہی (گو) ایک معمولی بات ہے
لڑائی باتوں سے اس کا لڑکھائی جہاز ہوگی۔ (وہ یہ کہ وہ بکے گا۔ کہ میں

کسی بڑی نیت سے اس کے احسانے بدن کو چھوٹا لگا تھا)

(۱۶۸) صرف دنیا و فنا - مراد دوست سے وفائیں کر کر کے جس کے لئے کہ مدت
زیر کار ہوئی ہے۔ نذر امتحان - یہاں مراد مشق اپنے عاشق کو دیکھے۔ تو وہ اس
کے دیکھنے ہی (یعنی اس کا "امتحان" ہونے ہی) اپنا دل کو بیٹھے۔ عمل ہم سمجھتے تھے
کہ وفائیں کر کر کے ایک مدت میں اپنا رادل صرف ہو گا۔ یعنی ان وفاؤں کے
بعد وہ ہمارا دل سے بیگا۔ مگر بگے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ اس سے بہت ہیشتر
ہی اس کے نذر امتحان ہو جائے گا۔ یعنی آغا ز وفا ہی کے وقت ہم اس کو
کو بیٹھیں گے +

(۱۶۹) سب کے دل میں جگہ ہوتی۔ مقبول عام ہوتا۔ سب کو جھانکنا۔ عام طور
پر کہہ سکتے ہیں کہ دوست ہر جان توکل ہر جان۔ اس شعر کا بھی یہی مفہوم ہے۔ چونکہ
سب کے دل میں تیری جگہ ہے۔ یعنی تو مقبول عام ہے۔ مگر تو ماضی اور۔ تو مجھ پہنچا یا
سارا جہان ہر جان ہو جائیگا۔

(۱۷۰) تعلیم فرمائی رہی یعنی مجھ کو سکھاتی رہی۔ شعلہ فحش میں نہاں ہونے میں بھی نہ
پھولش کو تک لگا رہی۔ تو اس سے شعلہ بڑک اٹھتا ہے۔ لیکن اگر اس سے۔ بھڑکے
تو گویا اس میں چھپ کر رہ گیا۔ مگر تیری نکتہ و کرم (قدر کی نظر) مجھے سطر کی حلیہ
ورقی رہی۔ یعنی میں اس سے مرعوب ہو کر ضبط کرنا نہ سکتا رہا۔ تو جس طرح میری
رگوں میں خون چھپا ہوتا ہے۔ (یعنی میرے رعب کے بارے میں اسی طرح) گھٹائیں پھولیں
میں بھی شعلہ نہاں ہو جائیگا یعنی یہ غیر ممکن ہے۔ مگر تیرے فکر کی گرم لگاوت سے
یہ بھی ممکن ہو جائیگا۔

(۱۷۱) مجھ کو بلغ میں تیرے جاور نہ ہر گل تر گلاب لالہ بال تازہ پھول، میرا حال
دیکھ کر چشم خوں نشاں ہو جائیگا۔ یعنی اس کی آنکھوں سے بھی لہو بہنے لگیگا۔ مراد یہ کہ بہت
عسروہ فطرتوں۔ بگے ہاں میں کیوں سمجھتے ہو۔ میر درد کا ایک شعر ہے۔ سے
میں کہیں پیش تھا راہی شخص ہوتا ہے۔ دو سورتوں کو مفضل میں نہ تم یاد کرو

(۱۷۲) مشہور ہے کہ جس شخص کے ساتھ یہاں ہے غنائی ہو۔ درد و نصاف
اس کو بندے تو قیامت کے روز اس کو وہ انصاف دیا جائیگا۔ کیونکہ وہ روز انصاف ہے آج
تک یہی امید سب لوگ کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ وہاں (یہاں) مرنے کا مشربا قیامت میں
ہر شخص کا انصاف ہو جائیگا۔ لیکن وہ بڑے انصاف کا حق ہو گا۔ اگر وہاں بھی تو نہ تو ظلم
بہرے گئے ہیں ان کا انصاف نہ ہو گا +

(۱۷۳) ایک محل ہے نادان کی دوستی جی کا زبان۔ کہتے ہیں۔ اسے اسد آخر تو بھی راز
آوی ہے۔ (یعنی عشق کے علاوہ بہت ہانتا ہے) اس کو کہ یہی دوستی (جو کسی کس
یا مرہ معشوق سے ہو اس) میں کیا فائدہ ہے یہ نادان کی محنت و تخریر ہی ہاں
لا نقصان کر کے رہے گی۔ ایک ورہات بھی مشہور ہے کہ مارت و دست سے
دنا دشمن بہتر +

درد منسوب کشد و داغ ہوا	میں داغ ہوا ہر نہ ہوا
جمع کیستہ ہو کیوں رقیوں کو	اک تماشا ہوا گل نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمائے جانیں	تو ہی جب خبر نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں ترسنا کہ قریب	گالیاں گن کے بے نہ ہوا
بے خبر کرم میں کے آسنے کی	آج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا
کیا وہ غرور کی فدا کی تھی	بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی وی ہوئی اُسی کی تھی	حق تو یہ ہے کہ حق، داغ نہ ہوا
زخم گردب کیا سو نہ سمجھا	لام کر رک گیا روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے	سے کے دلی دلستاں نہ ہوا

مجھ تو پڑے کہ لوگ سمجھتے ہیں
آج قاتل غزل سرا نہ ہوا

کسی بڑی بیعت سے اس کے احسانے دل کو چھوٹا لگا تھا۔

(۱۷۸) صرف وفا۔ مراد دوست سے وفائیں کر کے کہ جس کے لئے کچھ مدت درکار ہوئی ہے۔ نذر امتحان۔ یہاں مرد معشوق اپنے عاشق کو دیکھے۔ تو وہ اس کے دیکھتے ہی (یعنی اس کا "امتحان" ہوتے ہی) پناہ کو بیٹھے۔ علم سمجھتے تھے کہ وفائیں کر کے (ایک مدت میں) ہمارا دل صرف ہو گا۔ یعنی ان وفاء کے بعد وہ ہمارا دل لے لیگا۔ مگر بگے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ سب سے بہت چشتہ ہی اس کے نذر امتحان ہو جائے گا۔ یعنی آغاز وفا ہی کے وقت ہم اس کو کھو بیٹھیں گے +

(۱۷۹) سب کے دل میں جگہ ہونا مقبول عام ہونا۔ سب کو اچھا لگنا۔ عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ دوست مرہان توکل مرہان، اس شعر کا بھی یہی معنی ہے۔ چونکہ سب کے دل میں تیری جگہ ہے۔ یعنی تو مقبول عام ہے۔ اگر تو راضی ہو۔ تو مجھ پر گویا سارا جہن مرہاں ہو جائیگا۔

(۱۸۰) تعظیم فرمائی رہی یعنی مجھ کو سکتی رہی۔ شعلہ شمس میں نہاں ہونا۔ یعنی شمس چھوٹ کر کوئلہ بن گیا۔ تو اس سے شعلہ بڑک اٹھتا ہے۔ لیکن اگر اس سے نہ بڑکے تو کوئلہ اس میں چھپ کر رہ گیا۔ اگر تیری نکاح و کرم (قدر کی نظر) مجھے صاف کی حیرت دیتی رہی۔ یعنی میں اس سے مرعوب ہو کر ضبط کرنا نہ سیکھتا۔ ہا۔ تو جس طرح میری رنگوں میں حونا چھپا رہتا ہے۔ (یعنی میرے رعب کے مارے کی طرح) گھاس چھوٹ میں بھی شعلہ نہاں ہو جائیگا۔ یعنی یہ غیر ممکن بات ہے۔ مگر تیرے قدر کی گرم نگاہ سے اب بھی ممکن ہو جائیگا۔

(۱۸۱) مجھ کو باغ میں نہ ملے جاوے ہر گز تر (الاب الاب لاں تازہ پہول) میرا حال دیکھ کر چشم غول نہاں ہو جائیگا۔ یعنی اس کی آنکھوں سے بھی سو بیٹھ لگیگا۔ مراد یہ کہ بہت مسرور خاطر ہوں۔ بگے باغ میں کیوں بیٹھتے ہو۔ میرا درد کا ایک شجر ہے۔ سے نہ کیوں میں تنہا بھی منحصر ہووے۔ دوستو درد کو محض میں نہ نیم یاد کرو

(۱۸۲) مشہور ہے کہ جس شخص کے ساتھ یہاں ہے، انسانی ہو۔ ورنہ انصاف اس کو نہ ملے تو اپنی موت کے روز اس کو وہ انصاف دیا جائیگا۔ کیونکہ وہ روز انصاف ہے۔ آج تک یہی امید سب لوگ کرتے چلے آئے ہیں کہ وہاں (یہاں مرد معشوق اپنی موت میں ہر شخص کا انصاف ہو جائیگا۔ لیکن وہ بڑے غموس کا مقام ہوگا۔ اگر وہاں بھی روزے کا علم بگہر سکے ہیں ان کا انصاف نہ ہوگا +

(۱۸۳) ایک مثل ہے نادان کی دوستی ہی کا زوال۔ گناہ ہے۔ اسدا آخر تو بھی در آدمی ہے۔ (یعنی عشق کے عداوت بہت ہا ساتھ) سوچ کہ ایسی دوستی جو کسی کسین یا اللہ معشوق سے ہو (میں) کیا فائدہ ہے۔ یہ نادان کی محبت، آخر تیری ہر لافضاعت کر کے رہے گی۔ ایک ورہات بھی مشہور ہے کہ نادان دوست سے رانا دھن بہتر +

درد منقول کس درد دا نہ ہوا
میں نہ دھما ہوا برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تاشا ہوا۔ کلا نہ ہوا
ہم کہاں قسما۔ آزمائے جائیں
تو ہی جب خیر آ رہا نہ ہو
کتنے شیریں ہیں مرے لب کہ قرب
گاہیں کہا کے بے ہوا نہ ہو
بے خبر کرم ان کے آسنے کی
آج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا
کہ وہ نرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی کسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گردب گیا ہو نہ کتب
کام کر رک گیا روانہ ہو
رہزنی ہے کہ دستاں ہے
سے کے دل دستاں رہا نہ ہو
کچھ تو پڑے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غائب غزل سرا نہ ہوا

مناسب اور روا ہوتا ہے اور پہلا مسرے میں کر یعنی اگر کم ہے۔
 (۸۷) چہ چیز ہے (دعا کہ) یا کہ دستی (شان مستوفیت) ہے کہ ہمارا دل وہ
 دستاں (مستوفی) جیسے کے ساتھ ہی روانہ ہو گیا یعنی ڈاکو کا کام ہے۔ اسے تو ہمارا دل
 سے کہتی ہے اور محبوبوں کے بارے میں کہ رفاقت کرنی چاہئے تھی۔
 (۸۸) ایک تو پڑھے یعنی کوئی شعر سنائیے۔ کہ کوئی کہتے ہیں۔ آج عاتبہ کوئی
 غزل نہیں سنائی۔

غزل

گہرے تونی کو دل میں بھی تنگی جا کا ہے۔ گہر میں غور نہ افسر بھیا کا
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور یا سچ مکتوب ہے۔ مگر مٹم نہ ہوں ذوق خامہ فرس کا
 دوست ہے خزاں ہے ہمارا گہر یہی ۸۷ دوام گفت خاطر ہے عشق دیا کا
 ہم فرق میں تکلیف تو سیر بار سودا ہے۔ مجھے دماغ نہیں خود ہستہ ہی کا
 ہنوز محرومی حسن کو ترستا ہوں ۸۸ کہ ہے ہر نئی موکاں چشم دینا کا
 دل اس کو پہلی ناز داد ہے شہ ۱۸۹ میں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
 تاکہ کہ گریہ بھندار حسرت دل ہے ۹۰ مری نگاہ میں ہے صبح خیز دریا کا
 ۱۹۱ فک کو دیکھ کے کرتا ہوں سکودا اسد
 جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

(۸۸) میرے شوق یعنی عشق کو دل میں بھی تنگی کی تنگی کی شکایت ہے۔ درود و ذکر دل میں
 نہ نہ بھر کی کیفیتیں سما سکتی ہیں۔ اور ایک موتی جو چھوٹی سی چیز ہے اس کے لیے پورے دریا کا
 افسر بھیا محو ہے یعنی سوا ہوا ہے۔ مردیکہ گوہر کی چمک دیکھ ایسی ہوتی ہے۔ کہ جیسے دریا میں
 مازنا ہوا اور دریا کی لہریں ایک نئے لہر کے ساتھ چمک رہی ہیں۔ ہندوستانی
 ہر میں گویا بھارتی کے سبب یہ موتی میں سمائی ہیں۔ مگر میرا عشق اتنا ناز و دلچسپ ہے کہ

دل میں جیسے وسیع جگہ میں بھی نہیں سما سکتا اور اس کو تنگی جا کا ہوتا ہے۔
 (۸۹) میں جانتا ہوں کہ تو در میرے مکتوب (خط) کا جواب دے۔ میرا دل
 ہے۔ لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ اپنے خاص سفر سادوق کا بھی خط لکھے دے شوق کا رو کی بجائے
 بار بار تجھے خط لکھو دیتا ہے)

(۹۰) اگر دنیا میں ہمارا موسم کوئی ہے بھی تو وہ حنا سے پائے فرال ہے۔ جس بہ
 خزاں ختم ہوتی ہے۔ تو بہار کا آغاز ہوتا ہے۔ مگر وہ تھوڑے سے دنوں میں فوج ہو جاتا
 ہے۔ تو گویا خزاں ہی کے پاؤں کی دھاتی کہ اس کے بعد وہ ہر عشق ہوتی تھی۔ اس واقعہ سے
 ظاہر ہوا کہ دنیا کا پیش ہمیشہ کے لئے اس کی گفت و بات کی تکلیف کا باعث ہے۔ جناب
 مسدود صرف چند یوم ہی رہتی ہے۔ اس طرح ہمارے چند روزہ ہے۔ تو گویا یہ مٹی
 چیر رہی ہیں۔ اور ہمارے کو پائے خزاں اس لئے کہ اگر ہمارے خزاں کے بعد بھی آتی ہے
 اور پہلے کی مگر یہاں آخر ذکر مثال سے شعر میں کام لیا گیا ہے۔

(۹۱) مجھے فراق کی غم میں سیر دماغ کی تکلیف نہ دو یعنی ایسے میں مجبور نہ کرو
 کہ میں دماغ جاؤں۔ کیونکہ گہر بھوؤں کی ایسے موقع نہیں کا دماغ نہیں ہے
 یعنی میں بہرہ شست نہیں کر سکتا۔ یا ایسی باتوں سے انتقام نہیں رکھتا اور بھوؤں کا
 ہے موقع نہیں اس لئے کہ وہ میرے دماغ فرق میں ہو کر بخندہ یعنی ہلکتے ہوئے دکھائی
 دے گئے۔ یعنی کہے ہوئے اور اس کا منت رعب ہوں گا تو اس کا ہنسنا میرے
 لئے گویا بے موقع یا بے جا ہو گا۔

(۹۲) چشم دینا۔ خوب پرکھنے والی آنکھ میرے جسم کے ہر ایک پار کی جڑ
 ایک پرکھنے والی آنکھ کا کام دیتی ہے۔ پھر بھی محرومی حسن کو تاہم ترستا ہوں۔ یعنی بھی
 حسن کا محروم رہنا یا وہ تھا میں ہو سکا کہ حسن کی چیز ہے۔ مراد یہ کہ حسن کو پرکھنے
 والا کوئی ہی ہو کر نہ ہے۔

(۹۳) اچھے مسرے کی شروعات۔ دل: ناز و دانت پہلے ہی سکودے جیسے۔ مطلب شہ
 جو کہ ہم اپنا دل اس کے ناز و دانت پہلے ہی اس کو دے چکا یعنی صرف اس کی

فلک کی دیکھ کر دل پختہ ہو گئے تھے۔ اب اس کے حسن۔ زلفیں اور لب کے تقاضے کا دل مانگ نہیں رہا۔ یعنی دل تو ناز و اداس پہلے رہے رہا گیا تھا۔ اب وہ ناز و اداس کر کے لگا۔ تو تو کوئی بات نہ تھی۔ حسن نے دیکھ کر تقاضا وہ فعل جو تپا ہے۔ کہ بار بار ہو۔ اور یہاں معشوق پہلے اپنی شکل بھلا کے ہمارے چمکا اور اب ناز و اداس کے یہی پس چاہتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کا رواج نہیں ہے۔ یہی ہم سے یہ عروہ خست نہیں ہوتا کہ بار بار دل دیا جائے۔ حاصل شعر یہ کہ عاشق صرف ایک ہی مرتبہ دل دیتا ہے۔ اور پھر وہ ایک بولوس آدمی کی طرح کئی کئی بار عاشقی نہیں ہوا کرتا۔ دوسرے معنی یہ کہ ہم تو اس کو بنادیں اس کے ناز و اداس بھی پہلے سے کہیں اس میں صرف اس کی صورت ہی دیکھ کر اب وہ ناز و اداس کر لگا۔ جو تقاضا حسن ہے۔ یعنی حسن منظمی تھا کہ وہ ناز و اداس کرے تو اس کے لئے ہمیں دماغ لگنا۔ یعنی جب دل ہی پہنچتا ہے۔ تو اس کے ناز و اداس کو کون تمسک جو۔

(۱۰) نگاہ میں ہوتا۔ نہ نظر ہوتا۔ نہ کہو کہ میرا رونا میری حسرت دل کے اندازے کے موافق ہے (یعنی جتنی حسرت دل مجھ کو زلزل ہے۔ ایسی جتنی مجھ کو تو درجی کا صبح و شام نہ نظر ہے۔ یعنی جس طرح دریا میں ہے۔ انداز پانی آتا۔ اور پھر اس سے بھلا نکل جاتا ہے۔ اسی طرح میں اپنے استغوث کو ہانا پاتا ہوں۔

(۱۱) آسمان کو دیکھ کر اسے استہج میں اس (محبوب) کو دیکھتا ہوں۔ یا مجھے وہ بدست ہے۔ دیکھ کر کلام کرے آسمان کا کام ہے۔ اور وہ اس کام میں کارفرما ہے یعنی سب کو سرزد ہے۔ چوگر یہاں دوست کی جہاں آسمان سے ملتی جلتی ہے۔ ہندو کی اس محبوب کے چور و دست کا یہی سربراہ ہے۔

۱۲ آفرین ہے اسکو حیرت سے نفس پرورد ہوا
۱۳ غیب کی غلط فہمی دیکھنا
خدا جام سے سر اسراشتہ گو ہر ہوا
غیر سکا آہ بیگن وہ تھا مجھ پر

(۱۲) ایک شہنشاہ کے محل میں بار بار کوئی یہاں پر توڑا ہوا ہے۔ تو یکسور اس کے منہ سے گھر گئے ایک گوں سا خط پڑھا ہے۔ یہ خط جام کہلاتا ہے۔ دوسرے اس شیشے میں کبھی کبھی ایک ہودہ میں یہاں پیز کی تنی تمنا جی رہے ہوتی ہے۔ نفس پرورد ہوا۔ مونا ہوا۔ اس کے وجود سے پرورش پائی۔ مطلب شعر۔ جام سے کا خط بالکل مونا پرورد ہوا۔ دھانگے کا نمونہ بن گیا۔ اور اس میں دو مشرب کا قطرہ ہوا جو حیرت مندی تک پہنچا کے (مونا) دشر بہتے عہدہ ہو گیا تھا۔ وہاں (خط جام) کے دھانگے میں اس سے چپے ہو کر وہ دشر دل لاتی۔ اور اسی دھانگے سے گویا اس کو پرو کر کے دس خیر ہو کر پھنچنے شاعرانہ خیال کرتی ہے۔ حاصل شعر کوئی اعلیٰ نکتہ نہیں ہے۔ صرف یہ کہت ہوا ہے کہ شراب سے قطرہ جب جھڑ ہو گیا۔ تو اپنی علیحدگی کے سبب پریشان ہوا۔ اور وہیں خط جام پر پرورش پائے رہ گیا۔

(۱۳) عشق کے غلبہ میں اس کو یہ نہیں کہیں ہی اس کا عاشق ہوں اور میں میرزا ہوں اس کی شہزادی دیکھتے۔ کہ جب میرے آؤں تو اس کو میری کچھ کورہ لکھ کر دے گا۔

غزل

جب پتھر بہ سحر جگمگائے جس اندھا بہ
ایں پیش سے بہ حیرت کو شوقی ناز ۱۵
یاس و میدنا یک طرفہ میداں ناگاہ ۱۶
۱۷ بہت تشنگی زوں کے معنی کا آئینہ
گرچہ دل کھوں کے دریا کو بھی ساحل دیا

(۱۵) آفرین ہے اسکو حیرت سے نفس پرورد ہوا
(۱۶) غیب کی غلط فہمی دیکھنا
(۱۷) خدا جام سے سر اسراشتہ گو ہر ہوا
غیر سکا آہ بیگن وہ تھا مجھ پر

دست ہر گھل اندھا تو مجھوں کے دل کے شوق کی بیانی ہے جو کہ پہلے گتے سنگ کی خاطر تھی
ہر ذرہ چمکھرا ہر ایک دل بانہ و دیوہ و جزر وادوں کے شوق کی گتے گراس سے
سنگ کو تیار ہو گیا ہے اسے دل کہ ایک ایک ذرہ ایک صحر بر ہمدرد ہوئے۔ مراد یہی
کے شوق بہ عشق کا ظہر کیا ہے۔

(۱۰۰) اہل بیت۔ وہ علقہ آوری جو مصیبت کو پا سکیں یا جو خوب پرکھنے والے ہوں
مطلب شعر جیت کہہ اس سے یہاں مراد آئی ہے کیونکہ آئینہ کو حیرت کی سے سمت دی
جاتی ہے۔ شوقی نام معشوق کی وہ مشوقی کہ ناز و نہر کے تعانے سے کی جیسے مثلاً کسی
عاشق کو اپنے ناز و انداز سے قس سرد بنا دے۔ جب آئینہ کو متاثر کیا جائے تو اس
پس ایک سبب قسط سا جبک مارتا ہے۔ وہ جو آئینہ ہوتا ہے۔ جو عشق پس رحمتی طور
روست کے آئینہ میں جو خط جو ہر نظر آ رہا ہے وہ خط جو اس نے لکھ س سے مارہ اندنگ
موفی کے ساتھ جب اپنے اس حیرت انگیز شوقی ناراضی آئینہ کو متاثر کرتا ہے۔ آئینہ کو
اس کا جو ہر کہ فطرت کی طرح اس کی شوقی ناراضی اور خط جو ہر اس طرح جھلکے۔ گریہ پاتا
ہوئی سس بن گیا۔ اور پر گھنے والوں نے یہی شرا ہے اس کو فطرتی سس ہی اندھا
نظم جو ہر پس نکلا۔ مراد یہ کہ محبوب دلوں کی ناز و انداز کی نظر سقدر موثر ہو کر گئی ہے
کہ آئینہ پر بھی اثر کرتی ہے۔

۱۹۶۰ء۔ روائی عروج میدان۔ روائی لکھا کامیڈن۔ میری پاس اور
میرے پاس۔ وہیم سے لڑائی کامیڈن طلب کر گھات۔ کیونکہ میرے دل میں میری
صوت زیادہ ہے۔ اور فوایدی کی۔ تو ان کے باہم لڑائی کر کے گئے گویا وسیع
میدان ہونا چاہیے۔ اور میرے دل کی وسعت اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ ہمدردی جتنی
ہی اس قدر توفیق نہیں ہے کہ دل غیر محدود و وسیع ہو تاکہ اس میں میدان دل
مکوں کے شریکے اس سال کے دل دینی میرے دل کا قسم اندھا ہے۔ مراد میری ہمت
کہ توفیق نہیں اس قدر کامیڈن۔ میں نے غرہ معقول پیش کر۔ حاصل شوق کہ دل کو شری
وسعت چاہئے۔ کہ اس میں پاس و امید جقدر کہ ایک عاشق رکھا کر لپٹا کا صلیق ہند اے

کہ کہ خدائے ہمد دل ہی نہیں رہا۔ وہ چپ ہو جائے۔ یہاں ہمت کے مسمیٰ نہیں۔ ہمد
توفیق ہوئے۔

(۱۰۱) کشمکش زوق۔ شوق کا تشنہ رہا۔ یہاں مراد شوقی شعر کوئی کا چر رہا ہوگا۔ غالب
مجھے آپے دل شوقی شعر کوئی کے پور نہ ہوتا ہے اسے متعلق مضمون (حسب حنا)۔ ہمدرد کے
علاقہ نگار کے اس کوں کہ کشمکش زوق کے اندر محبت اور بالو کی مائل باہر دیا یعنی
اس زوقی کشمکش کے سبب اور بالو کی مائل نہیں۔ بلکہ کشمکش مائل قوام سے پیدا
مقدور ہند کیا۔ پھر بھی میری تسکین شعر کوئی نہ ہوئی۔

غزل

میں ہر چہ سے یوں شش کام آؤں کہ۔ گریں سنگی قہر سے قہر کو کر داتا
ہے ایک ہر جس دلوں چہرے ہیں ۱۹۵۔ وہ دن گئے کہ ہند دل سے جگر ہند
۱۰۰۔ درہنگی میں غالب کو کہیں پریش تو جانوں
جب رختہ بے گھر تھا ناں گھر کا شاست

(۱۰۲) ۱۹۵۰ء۔ راجہ اشرف شرب خوار ہوں کہ ذرا شرب سے تھوے کبھی چوڑی ہیں
سکتا تشنہ کام عشق کا تشنہ رہا۔ نرہ ہوا ناہیں اور محض شرب خواری سے پیاسا آؤں۔
(۱۰۳) ہراس کا سبب میری جھولی توہ فنی۔ ہند اگر کش سے اور دل کے دکھانے کو توہ کرلی
فنی تو سالی کو کیا ہوا تھا۔ اس سے تو کوئی شربت پائے تو نہیں پائے تھا۔ وہی ذرا تھکا کر کے
بکے شرب پلا رہا تھا۔ تاکہ میری پیاس تر جاتی۔ اور میں شش کام ہند تھا۔ اور میری جھولی توہ
کے ٹوٹے کاغذ کی قابل پذیرائی ہوتا تھا۔

(۱۰۴) ۱۹۵۰ء۔ دوست سے ایک ایسا چٹا لہر تیرا ہوا۔ کہ دل اور جگر میں سے پھوٹ
چھوٹے۔ اب اس ایک تیرا دلوں چہرے سے پھوٹے۔ اور وہ دن چلے گئے کہ دل و جگر
تک الگ ہو گئے تھے۔

(۶۰۰) نہانگی کا بڑی دوراندہی بھی ناکارہ ہونے کی علامت، جب نہان ناکارہ ہو تو اسے غالب پسے میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی، اس سے ہی پرے تو ہیں جانوں (یعنی ایسا کم ہوش ہے) تو یہ جب دستہ بے گنہ تھا، یہی میری شکل پر کوئی گروہ یعنی کوئی لجن (یعنی مٹی) تو اس وقت میرا ناخن بھی اس گروہ کے کھونٹے کے قابل تھا (اب مشکل پر غور کرے) بڑی تواناں بھی ایسے وقت جیکار ہو گیا، مراد یہ کہ مشکلات کے وقت انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

گھر جانچ رہے روئے بھی دور پر ہوتا ۲۰۲ بھر گھر نہ جانا تو یہاں ہوتا
تنگی دل کا لڑکھا، وہ کافر دست ۲۰۳ کہ گھر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا
۲۰۴ بعد ایک گھر دروغ بار تو دینا، ریسے
کاش روضہ ہی دیر کا رہا ہوتا

(۶۰۱) ہمارے گھر رہ کر رہا، جس کے دور پر نہ نہیں ہوا، بلکہ پیسے ہی ایسا تھا جیسے یہاں اسنی ایک دستہ گزرا، غنیمت کا ہے آپ جو۔ تو یہاں سے ہانی سے بھر جائے
۲۰۵ بھر ہو گیا، لہذا اگرچہ اس جگہ نہ رہے، تو پھر یہاں سے ضرور ہی جائیگا اسی طرح
ہمارا گھر بھی دروغ اصل چاہا ہی ہے۔

(۶۰۲) دل کی تنگی (مناک حالت) کا ایک شکوہ کریں یہ وہ کافر (موزی) دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا، یعنی مناک نہ ہوتا، تو پریشان ہوتا۔ (کسی طرح ہمیں سستا ضرور ہوتا، قاعدہ ہے کہ کوئی چیز (میں دل کے) جو تنگ بھی ہو سکتی ہے، اور وسیع بھی تو، وہ ہوتا نہیں ہے ایک منہ فقیر کرے گی اسی منہ کا کہ دل اگر تنگ نہ ہو تو پریشان یا منتشر ہو جائیگا۔

(۶۰۳) دروغ، جہاد، دروغوں، دروغہ جنت، کاش روضہ ہی دار کے گھر کے دروغہ کا دربان ہوتا کہ طلبتہ نہیں دہشتہ یعنی دوست کے گھر میں داخل

ہونے کی اجازت دینا اور غرہ ہر کہ جہاد کے بعد ہم وہاں داخل ہونے کی اجازت مناسطے (۶۰۴) کہ دوست کی غرہ ہر خدمت کی، اور وہ ہمیں اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینا، یا دوست کا گھر جنت ہے تو وہاں ہی روضہ ہونا چاہئے

۲۰۶ خدا کو تو خدا تھا کہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۲۰۷ تو یہاں گھر کو ہونے سے نہ پڑا تھا کہ نہ ہوتا
ہو جب طہم ہونے کی تم کیا کر کے کا ۲۰۸ نہ ہونا اگرچہ جنت سے تو زانو پر ہوتا
۲۰۹ ہوتی جنت کہ غالب نہ گیا ہوتا ۲۱۰ وہ ہر اک ہوتا کہ نہ گیا ہوتا

(۶۰۴) قاعدہ ہے کہ، نہان جب ایک نہان ہے، جب تکلیفیں اس کو ہوتی ہیں اور اس سے ہونے کا کام بھی بعض اوقات ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ پیدا نہ ہوتا یا ہونے کے گھر فنا ہو جاتا ہے، تو اسے کیا تکلیف نہ گناہی سرزد ہوتی ہے۔ نہ تو اب اس کی مصروفیت کو یہاں جہاں کیا گیا ہے، کچھ نہ تھا، یہی وہاں موجود نہیں تھا، تو فنا کی حالت میں فنا کی حالت تھا، اور گویا عوام ہم ہیں جس خدا ہی خدا کہ دونوں یکساں ہوتے، اور اگر اب کچھ نہ ہوتا یعنی مگر فنا ہو جاتا، تو پھر بھی وہی صورت ہے کہ فنا کی حالت ہو جائے گا اور خدا اسے چھوڑت ہو جائے گا، منہ میرا فنا ہونا ہی مستحب ہے، خدا کہ اب ہست ہو کے گناہوں، اور نہ، غور، ہست ہوں تو اس سے میرا نہ ہونا ہی بہتر ہے، ورنہ اسے مجھ کو چھوڑے ہوئے گویا زکوٰۃ یا عارت کر دیا ہے۔ لہذا اگرچہ نہ ہونا کچھ نہ ہوتی یعنی ایسی تکلیف بگنے نہیں دے تیں۔

خدا میں غالب سے اس شعروں میں کیا ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا، اور اگر کچھ ہوتا، تو بھی خدا ضرور ہوتا، گویا ہر دو صورت میں خدا موجود رہتا، گویا کچھ کو مبرا ہونے لگا ہوتا، اگرچہ ہونا تو کیا ہوتا، یعنی اس سے کسی کا کیا کچھ ہوتا، یہ منہ خدا ہے، کیونکہ مصنف کے یہاں انسان اور خدا کا مقابلہ نہیں کیا ہے، بلکہ صرف یہ

دکھایا کہ میری ہستی موجب سلام و منیات ہے۔ اگر نہ ہوں تو اس سے میں دور جا
بہتر رہتا ہوں

(۲۰۵) میں جب غمت استقدر نہیں (اپنے آپ سے بھرا ہوں) تو سوئے یا نہ سوئے
مجھ سے کیا تکلیف نہ کم کروں اس لئے کہ اگر میرا سر نہ نہ جدا ہوتا۔ (یہی گاتا
"ہاتھ تو خرد ہے کہ زانو پر دھر ہوتا" ایک مہوش آدمی سر پر زوی رہا کرتی
ورزاؤ پر سر جو نام کر کے کی علامت ہے تو اس صورت میں بھی گویا غم بگے
لائی ہوتا۔

(۲۰۶) مدت ہوئی غائب فنا فی اللہ ہو گیا۔ مگر اب بھی اس کی وہ بات یاد آتی ہے
جو وہ کثرت کرتا تھا کہ "یوں ہوتا تو کیا ہوتا" یعنی یہ بات اگر اس طبع
(ہمارے حق میں) ہوتی تو کیا کسی کا کچھ بگڑ جاتا۔ مراد یہ کہ وہ اپنے دل کی
حسرتوں میں مر گیا۔

غزل

ایک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۲۰۷ باغ ۴۰۰ کی فہم ہے لالہ کے دماغ کا
چے سے ہے حقیقت شوب آگئی ۲۰۸ کینہا ہے مجھ کو صلیب باغ کا
بہن کے کارہ ہر پہلے نہ ہے گل ۲۰۹ کتے ہیں جس کو عشق لعل چرخ کا
میز نہیں ہے نشہ فکر سخن بگے ۲۱۰ تر باکو قدیم ہوں و دور چراغ کا
سو باغ عشق سے آزاد ہم ہوئے ۲۱۱ پرکیزوں گردن کی صدا طبع کا
بے خون دل ہے چشم میں صبح نگہ ۲۱۲ یہ میکہ خراب ہے کے سراغ کا
۲۱۳ باغ شگفتہ تیرا ہر دشت و در
ابہ ہمارے شکد کس کے دماغ کا

(۲۰۷) باغ کی ایک ذرہ ہر زمین بھی بیکار نہیں ہے لالہ جو ہے صوف نہیں بکڑ اس
میں ایک جلوہ (پکڑ لڑی) بھی ایسی مفید ہے۔ جیسے کہ لالہ کے چہرہ میں کا وہ فیکہ (جی) کا

دو لالہ کے پھول ہیں بیکار کی طرح گل ہوئی ہے۔ اس کا چہ خاندہ ہوا کرتا ہے کہ وہ
لور کی خوبصورتی کو بڑھاتی ہے۔ اگر یہ قطع کی جائے تو فی لالہ باطل اسٹریٹس دکھائی
دے اسی طرح باغ میں عام روشوں کے علاوہ جو باغ کے تختوں میں لوگوں کے لئے
جائے سے پکڑ لڑی بن جاتی ہیں۔ وہ بھی اس فائنس سے عمل نہیں ہوتیں مگر اس کے
ذریعہ باغ کے کسی قطع کو بہت جلد عور کر سکتے ہیں۔ حالانکہ روشوں سے اگر باغ
کے تختوں کو عور کر دیں۔ تو بڑی دھند ہو جاتی ہے۔ (یہاں بیجا ہے مرد و عورت کی طرح کا
کوئی خاندہ ہے۔ جیسے کہ پکڑ لڑی کا ماس فائدہ اور لکھا گیا ہے) دوسرے مسمی جو
شار میں سے لگے ہیں۔ یہ کہ وہ سے مرد و عورت کے لئے ہے (حالانکہ عورہ اور اس
میں جو کہ کھلا رہتا ہو تاہم بہت فرق پایا جاتا ہے) وہ اسٹریٹس کے پھولوں
سے لڑی ہوئی ہے کہ گویا وہ بھی گل لالہ کا قطعہ سمجھتی ہے مسمی ہے۔ جو بانی مہوڑی
فعل کے نزدیک مرد و عورت کے عطف سے باغ کی کسی پیداوار کا تعلق ہو۔ اس کے
عام مسمی کسی طرح کا کوئی فائدہ دینے سے رہ رہتا ہے۔

(۲۰۸) بیل کے کار و بار (یہی پھول کے لئے بیقرار ہوتا اس پر خراب ہونا وغیرہ
دفعہ پر پھول کا ہنسنا ہے۔ یعنی وہ اس کی ہنسی ازار ہے) دیکھو وہ اسٹریٹس
گل کے کو بائیں رہا ہے) ہنسی بیل کی تحقیر کہیں اس لئے کہ جس کو عشق کتے
لے وہ دماغ کا فعل بنا رہا ہے۔ ہنسی بیل کو بھی عمل دماغ ہو گیا ہے۔ اور
بیل میں پر ہنس رہا ہے۔ دیکھو کہ بیل ہوا پھول ایک ہنسنے آدمی کے لئے ہوئے
منہ کے منہ پر ہوتا ہے۔)

(۲۰۹) بیکار کی۔ فہمی۔ نشہ طر میریہ فکر سخن (خوشگونی) کا نشہ کوئی بیانیہ نہیں ہے یعنی
میں بہت پرنا شاعر ہوں یا نہیں اور شعرا کثرات کے وقت بیل کے ساتھ خوش رہتا
ہوں۔ اور چراغ کا دھواں ان کے منہ تک پہنچا کرتا ہے۔ (اگلے زمانہ میں مٹی کے دے
ایک ہی ہوا کرتے تھے) ہنسی بیل چراغ کے دھوئیں کا قدری سیاہی کا نشہ عور ہوں
پس کاربہا ہوں۔ اور بگے بہر ہوں کہ سنا کی گویا عادت ہے۔

(۲۱۰) ہم عشق کی لہر سے صدمہ اترتے آ رہے ہیں۔ لیکن یہ کہیں جہاد میں
فرہشت کا دشمن ہے۔ یعنی بار بار کسی ہر عاشق کو اس کے ہنسنا سے عجب حسیں کا ہاتھ آتا ہے
کیونکہ بات ہماری غفلت ہی میں داخل ہے کہ کسی نہ کسی چیز کی محبت میں ہم غفلت
مصرف کرتے ہیں۔

(۲۱۱) آشوب، مصیبت، آفتی و کینہ یا ہوشیار می ہر جو صدمہ
ماجر ہو یا بھل مر و مصیبت کے برداشت کیلئے کی جنت۔ پڑنا اور پلٹنے شراب کا
لاکھ کھینچا یعنی تہ میں شراب ڈال ڈال کر پی کرے تو اس سے مذکورہ بالا چیز کے اندر
شراب کے نشانی پڑ گئے ہر دس ہر چھوٹے شراب نوش کرتے رہے کیونکہ کتنی ہی
دوبہ میں ہوشیار بنے اور تھیں یا مسیحات سے ہر دھوکے زد کی سر کرنے میں کانت تھیں
وفاق بھلائی۔ اور وہ وہ نہیں جڑیں ہر شے میں کرسات کر کے اصل نیک پاک اور
باجر کو کے رہے بالذات اس ہوتا۔ یہی کی مصیبت پر ہر شے کرتی یا صدمہ ہوتا
کے (یعنی شراب ہے بغیر) کسی کو قاتل ہے۔ (گونا گئے دم اور چمٹے علم) اسی سے اس
مصیبت کے ہمارے جو صدمہ یا جنت سے عاجز ہو کر ہیالہ شراب رہا یا یا کا خلع
کھینچا ہے۔ یعنی سافر میں شراب ڈال ڈال کے پینا شروع کیا ہے۔ حاصل شر
یکہ شراب خود ہی سے ہر ایک رنج بھوں یا تپا ہے۔

(۲۱۲) جوان دل سے اگر مر د شراب سے جائے کیونکہ وہ دل داخل یا اس کی طاقت
کو بڑھاتی ہے۔ تو کتنا ہے کہ بغیر شراب کے آنکھوں میں جہاد چھ جائے یعنی بلی قتی
کی دہر سے آنکھوں سے ادھیرا ہوا ہے۔ ہر شخص شراب کی جتنی ہی پیا۔ اور
ہر ایک (ساری دنیا) شراب ہی کی تلاش میں خواب غفلت ہے۔ گو باہر شخص عیش میں
(۲۱۳) باغ شگفتہ تیرا محبوب سے کتنا ہے (پھر سے جس کا پہلا ہونا یاغ سے
دل کے عیش و عشرت کی سدا فرقت ہے۔ ہر بہر جس سے سبب بخیر خوش
ہوا کر تپا ہے۔ اور کس کے وہ یاغ کا ٹکڑا (یعنی باعث مسرت) ہے مطلب یہ کہ بگے
تو تیرا جس ہی دہر مسرت ہے۔ بگے یاغ ہیں ہر دہر میں ہے۔ کہ اب یہ سدا ہے

قبایا شگفتہ ہو اور وہ میری (مسرت کا ٹکڑا) یا سبب مسرت ہو۔

وہی وہیں جہیں سے تم یہاں بھی ۲۱۴ اور یہ محبوب سے بلی عواں بھی
یک حد پیش نہیں مصلحت آئینہ سور ۲۱۵ ہلکے ترانہ جس سے کہ نہیں کہ
خشب بہا ہو گرفتار و غلام مستمور ۲۱۶ مقدسہ ایک ہر دل کہ نہیں کہ
دنگانی سے نہا ۲۱۷ سرگرم طرام ۲۱۸ رش چہ قطرہ طوق دیوہ میراں بھی
خبر سے ہے یہ ہمارا کہ وہ ۲۱۹ بغیر خوش سے شش سدا کوزیں بھی
سفر عشق میں کی صنعت کے راہ طلبی ۲۲۰ ہر قدم سایہ کوئی اپنے بشتیں بھی
تھاگر زلال عزا یا ہے دل ہمہ مرگ ۲۲۱ دفع پر ہلکے تھا اسقدر آمل بھی
۲۲۱ دل دیہات کے کھول اسکو و قلاوار سے
ظلم کی کہ جو کافر کلساں بھی

(۲۱۴) میرا دل جہیں (دلیانی کی ٹنگن سے بگڑ گیا کہ کوئی تم سے ملے ہے
یہی میرے دل میں کوئی تم چھپا ہوا ہے (گوا) وہ ایک حد کے عواں کی ہے بلی وہ بھی
یہی باعث تازگی کہ اس خط کار (دلی) کوڑوں جو نکلا ہے (وہ کیا ہے یہی کہ گئے
وہ سدا بھلا ہر پیش ہی ہر خط لکھا ہے تو غروب کہ اس کے اندر اس سے اپنے غم
ہر شے کی گئے حالات قلب نہ کہے ہوں گے۔

(۲۱۵) ایک اعلیٰ پیش نہیں یعنی ایک صفت سے زیادہ نہیں۔ مردہ کہ جس طرح
خوشی جندی ہو۔ تو کتنے ہیں کہ وہ صفت سے زیادہ نہیں جانتا ایسا ہی
یہی (ہنوز) ابتدائی حالت ہے۔ مگر اس جگہ میں ایک عیش یہ پائی جاتی
انقدر لوگ کہڑے پر رکے پنے سچے ہر ایک نسل ۱- لاجا یا کرتے ہیں
یہ ان کا مطلب گوا سے لا عشق ہوتا ہے۔ صیقل آئینہ۔ ہنر آئینہ سے
جہر دل مراد ہے اور صیقل آئینہ صفا سے وہ ہے گریباں بھنا۔ یعنی آئینہ

اس کو کڑی بات سمجھ لیا ہے۔ اور عشاقی ہیبت روٹ گئی اپنے کمرہ بیان کو پہاڑوں کا
 کرتے ہیں۔ کمرہاں غائب کب سے کہ میں بجائے کپڑوں کے پہنے دوں ہی کو کرین
 زبردستی کے تار تار کر رہا ہوں غصہ رو کی حالت اپنے کپڑے نہیں پہنا تا
 جگہ پہ دل کی صفائی کر رہا ہوں۔ کمرہاں ایک ایک پیش میں۔ محض ابتدائی
 حالت میں ہوں (غصہ رو) تار تار ہوگ تو صفائی قلب کے لئے پہنے کڑی ہوں کو
 پہنا کر کہتے ہیں اور میں اپنے دل کو کڑی ہوں سمجھ کے چاک چاک کرتا رہتا
 ہوں۔ حقیقتاً آئینہ کے مستعار ہیں ایک بے غوی کی ہے کہ جس تیر کو صیقل
 کیا کرتے ہیں۔ وہ فولادی ہو کر نہ ہے۔ اور میں سے ایک بے غوی کی جو
 "اے خاتمہ ہو جھلک پاتی ہوئی ہے۔" شعر ستارہ اور ستارہ کو گفت وفاق
 جگہ پہ لیکن مصحف سے ایک جگہ کی معنی اس کے قرار دے ہیں اس شعر
 کی خبروں ہے۔ صیقل آئینہ جب سے کہ کڑی ہوں بھی میں چاک کرتا ہوں۔ ہونہ
 ایک ایک پیش نہیں لیکن غلبہ ہے کہ یہ شعر اس طرح اوسے
 ایک ایک پیش نہیں صیقل آئینہ ہونہ
 چاک کرتا ہوں میں جیسے کہ کڑی ہوں بھی

آپ کا توسل بھی کہہ چکی تھی۔ اس کے بعد پڑھتی تھی۔

(۱۸) میں اپنے غمزدانوں کی وضعی حالت کے سبب کہ میں غم کے لئے یہ فرمایا کہ وہ بدخو ہو گا۔ گو کہ بعض غم کی قسم کے غم میں مسموم کر کے جو کچھ کہیں کے تپش شدہ کا حال میں یہ حال نہ کہ یہ غم ہے۔ غم جو ہمیشہ غم کو خلق میں کیا۔ مراد یہ کہ میری کمزوری اور دوسروں کی بہ عزائی کو یکدم سب سے کہہ دیا نہیں ہے۔ پھر اپنے آپ کہ غم کی قسم کہ اس کے مزاج کو تپش شدہ کی حالت میں خیال کرنا بعض حالت ہے۔ ماحول شعر ہے کہ میں غم طبیعت ہوں۔ بدست خود (۱۹) مسموم خلق کا خلق کے عام میں جسے وصف و خلق ہو۔ جو کچھ آدم کی حالت میں ہوئی۔ وہ جو کہ ہر قدم میں کہ صنعت سے گزرتا تھا۔ میں اپنے سامنے گواہ ہو جسے سادہ سی سادہ چلتا تھا۔ پناہستان بگھے گا یعنی رات کو شعر کے لئے بگھے تصور کر کے وہی پڑ رہے گا۔ مطلب یہ کہ ضعف سے ایک قدم پہنچا تو گھر پڑا اور ہر دوں پڑا رہا تھا۔

(۲۲۰) میرزا دل و دست کی ہانکوں کے ہاتھ سے جو تیر کی مانند ہو کر گئے ہیں
موتے دم تک بھاگتا رہا میں جس کی رو سے پہچے کی کوستش کرتا رہا گو این موت
تیر کی خاک یہ بیکار قصہ کا دلچ کرنا اس قدر سال سمجھا چیلان برحق یا تیر کی
دک و قصہ موت۔ پیلان تھا۔ موت کے تیر کی خاک۔ مراد تیر نظر سے غائب
(۲۲۱) اسے آنداس (کافر مشوق) کو یہ سمجھو کہ وہ دو خداوارتی کے چادر کی
ساتھ۔ تو نے غیبی کی جو یک کافر شخص کو رہنے دو خداوارتی کا پاس میں یہ نام اس
کے چادر کی دے دیا۔

میراجے وچ آ کر دیا ۲۲۲ دل بکرتشہ فریاد آ
د میں قیامت سے ہزار ۲۲۳ پھر تراویق سراپا آ

سادگی ہائے قنصل یعنی ۷۷۷ ہر وہ نیرنگی نظر یا د آ یا
 خذردا مانگی نے حسرتوں ۷۷۵ نام کرتا تھا جگر کا د آ یا
 زندگی بول بکلا گدہ ہی جاتی ۷۷۶ کیوں تو را گذر یا د آ یا
 کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی ۷۷۷ گھر سے غلہ میں گر یا د آ یا
 آہ وہ چراغ فریاد کہاں ۷۷۸ دل سے تنگ آ کے جگر کا د آ یا
 بہر تہ کو چہ کو ہا تہ خیال ۷۷۹ دل تم گشتہ گر یا د آ یا
 کوئی دینا ہی سے دینا ہے ۷۸۰ دشت کو دیکھ کے گدہ را د آ یا
 ۷۸۱ میں سے بھنوں چ لڑکین ہیں اسد
 سنگ اشیا کا تھا کہ سرا د آ یا

(۷۷۷) میرا دل دور بکرتا ہے فریاد ہوا درد سے فریاد آ یا فارسی میں کہتے ہیں
 رو میں نہ فریاد ہوا ہی کہیں گے نا یعنی فریاد کرنے کا تو اس ہوا۔ پھر لے لینی
 روئے دلی آئے یا د آ گئی کہ اس سے روکیں۔
 (۷۷۸) ہوا نا مال سے اس شعر کے یہ معنی لکھے ہیں کہ دوست کو نصرت کرتے
 وقت جو دردناک کیفیت گذری تھی اور جو اس کے پہلے جانتا۔ ہر وہ کہ
 یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی وقفہ ہو جاتا ہے اس کو تین منٹ کے دم بچنے سے
 تعبیر کیلئے دیا دیا کار خالصہ دم نہ دیا تھا ابھی کچھ وقفہ نہ گذر تھا۔ قیامت کیساں
 مراد دوست کے سفر پر جانے کے سے جدا ہونا۔ اور اس سے عاشق کے دل پر صدمہ پڑنا
 مطلب شعر۔ ابھی تیرے وقت سفر بہت ہے۔ ہوسے گی بد پر جو تیرا منہ کاغذ نہ تھی
 کچھ وقفہ نہیں گذرا تھا کہ چھوٹی تیرا دل تپ سفر یاد آ یا مراد یہ کہ ہم بہت
 ہر جگہ تیری بھائی کا وقت دیکھتے ہیں۔ تو اس سے کوئی نیا منہ ہا ہا ہا
 ہم پر پیدا ہوئی ہے۔
 (۷۷۹) نیرنگا دیا طلسم نیرنگی نظر۔ انھوں کا ہا د۔ یعنی آنکھوں کو

فریب دینا والا۔ بلکہ وہ میری آنکھوں کو فریب دینے والا (یعنی جس سے کہ پہلے ہی میں
 تنگ تھا اب میں) پھر د آ یا۔ یہ میری آرزو کی ساریاں ہیں۔ گرد و غبار آ یا۔
 بچے یا د آ ہے۔

(۷۷۵) خذردا مانگی۔ میری گزری و ناتواںی کا خذردا قول ہو۔ یہاں قبول
 خذرت ہے۔ حسرتوں میں۔ دوس کی حسرت یا رنج نالہ کرتا تھا یعنی زور سے آواز کی
 لیے لگتا تھا۔ جگر کا د آ یا۔ اپنے جگر کی حالت آہ و زاری جو کچھ ہے یاد آتی۔ جگر کے
 معنی حالت بھی ہے۔ اسے حسرتوں میں۔ میری ناتواںی کا خذردا قول ہو۔ میں زور سے
 آواز دہرائی کرتے لگتا تھا کہ جگر کی گزری یا اس کی حالت پر آہ و زاری
 لگتا تھا میں گزروں سے۔ یاد آ گئی۔

(۷۷۶) ایک عام مشہور ہے کہ عاشق اپنے معشوق کو جب کسی جگہ لگتے
 ہوتے ہیں یا کسی جگہ آتے یا باہر آتے پر ہا تہ۔ اور اکثر وہاں بڑی دیر تک بیٹھ
 ہوا ہوتا ہے کہ شاید دوست دوست پر گزرتے۔ اور اس سے کہ
 نکلی ہو۔ خضر سے اس معشوق کو جو تا نظم کیا ہے۔ کہتا ہے۔ پھر تیرا دیکھنے سے
 یاد آتا۔ اب میں وہاں رو رہا ہوں گا۔ اور تیرے انتظار کی مصیبت آتی یا گری
 ہر تھا کہ یہاں ہوتا۔ کیونکہ زندگی بول بکلا یعنی بغیر اس کے کسی کو گدہ رہا تھی۔ گدہ کہ یہ
 امید پیدا ہو گئی ہے کہ تو اس منٹ سے گدہ اگر تہ۔ تو وہاں جا جا کر بیٹھا اور
 اپنے دل کا شاکو یا ایک مصیبت کی زندگی ہو گئی۔ جو نہ ہو تو بہتر تھا۔ یہی تیرا گدہ
 کہی یاد آ کرتا۔ تو اچھا ہوتا۔

(۷۷۷) اگر تیرا مکان بہشت ہیں یا د آ گئی تو میں اس کی اپنی تعریف کر دوں۔
 کہ اس کے سامنے بہشت بھی کچھ چیز معلوم نہ ہوگی۔ تو یہ بات رضوان کو جو بہشت کا
 ہر وہ ہے گوار گذریں اور اس کی دستاویز وہاں لڑائی ہو جائیگی۔
 وہ حسرت معنی۔ ہم بہشت کو تیرے ہی گھر عیسوی بلکہ وہاں کا ہا تہ سے دور
 اس کو تیرا مکان خیال کیے اس میں داخل ہونا چاہیں گے۔ تو رضوان جو بہشت کا

(۲۳۷) ایک کلاسیکی میری آنکھوں کے سامنے گزرتی تھی۔ تو کیا میں تم کو
 طرح مشورہ دوں کہ میرے سامنے آئے اور پھر فون چلے گئے۔ تو اس سے میرے
 کی تسکین کیا تاکہ ہوئی۔ کوئی اتالیقی تو میرے ساتھ کہتا کہ میرے سب نشیمن تقریباً
 یعنی آپ سے باہر کرنا چاہتے تھے۔

(۲۳۸) چونکہ دوست صاحب یوسف کے حسن سے بے نیاز رہے۔ میں اس
 یوسف کو اس کی شہرت کی بنا پر (پس یہ سب گزرا کہ وہ غیب سے تو
 غیرت سہی ورنہ اس کی اس شہرت کے باعث) وہ مجھے بڑا بیگناہ قرار دیتا تھا
 میں میں لائق تھیں کہ اس کے قابل سزا کی تھی۔

(۲۳۹) میری کو اس حالت میں ہوا کہ میری کیوں نہ تھی؟ اور میری
 وزیری کرتا تھا۔ اور میرے لئے ذلیل ہوتا تھا۔ اور میری صاحب تاثیر
 یعنی پاجامہ کلاس کا رونا جیسا کہ ذکر ہے، رگوار قیہ کی سی خوار ہو کر
 نہ تھی (جو)۔

(۲۴۰) بول بول میرا وہ جو جوان مر رہا ہے۔ فراز کی نسبت مشہور ہے کہ
 پہلا کورنار جتنا تھا۔ مجھ سے اس کے دودھ کی نرسا لائے تو خیر میں دوا حاصل
 عرض اسی باعث فراز کو جن کی کہنے میں وہ مطلب شعر کو آتی جو فراز کا پیش
 اس سے اس کو بدنام دیکھتے۔ کیونکہ پیش میں کوئی صیغہ نہیں۔ بلکہ میں
 سرور (دو) فون میں وہ ایک جوں میری تھا۔ یہی تھا تو میں جیسے
 مرگ ہو گئے مر گیا۔ تو عشق کے نزدیک اور زیادہ وہ صاحب احکام تھا۔

(۲۴۱) ہم تو مرنے کو کھڑے تھے۔ (یعنی اپنی موت کا نشانہ بننے کے) پھر
 پاس میں قتل کیے گئے تو میری۔ آخر اس شخص کے زکشی میں کوئی تاریکی
 وہی کے ساتھ دور سے ہم پر تیرا کے کس مار دے سکتا تھا۔
 (۲۴۲) کھن ستر کے طور پر کہتا ہے کہ ہم جو فرشتوں کے گئے ہر حال
 جاتے ہیں (یعنی فرشتے ہمارا امانتہ لے کر) میں مت میں پیل کر رہے ہیں

میں اس کے گزرتا رہا۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔

ساتھ ہی جس آواز کرے گا۔

۲۳۵۔ تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا۔ دروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پہ نہ ہوا تھا
 ۲۳۶۔ چھوٹا موٹو غشبی کی طرح سو تھا تھا۔ غور شدہ ہنوز لنگے پر ابر نہ ہوا تھا
 ۲۳۷۔ توفیق باخراہ ہوتا ہے۔ ریل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوشہ ہوا تھا
 ۲۳۸۔ جب تک کہ نہ دیکھا تھا کہ کیا کام میں مصروف تھے۔ غشربہ ہوا تھا
 ۲۳۹۔ میں سادہ دلی زردی کی بات تو نہیں تھا۔ یعنی سب تو فانی مگر رہا ہوا تھا
 ۲۴۰۔ دریا سے معاشی تھکتی ہے ہوا تھا۔ میر سوں میں بھی ایسی ترنہ ہوا تھا
 ۲۴۱۔ چاری تھی۔ سدا باج بکیت کر تھیں
 آتشکدہ جاگیر صندرنہ ہوا تھا

(۲۴۵)۔ نہ تک کو کسی کا بھی دوست نہیں بنا تھا۔ چنانچہ امید تھی کہ وہ بھی
 میری رقیبوں کا دوست تو ہو گا۔ مگر ان فیروں پر بھی تو ہے اب تک وہ ظلم یعنی
 ایسا ظلم کیا کہ (تیرے ہاتھ سے) مجھ پر نہیں ہوا تھا۔ مراد یہ کہ تو ہر شخص کے ساتھ سخت ظلم
 کرتا ہے۔ بلکہ وہ ستوں پر تو کچھ اور بھی بھاگتا ہے۔
 (۲۴۶)۔ وہ غشبی۔ ایک مصنوعی چاند تھا جو حکیم اپنا جنت سے ہارنے سے مر کب
 کر کے بنایا تھا۔ یہ ایک گونیس سے نکلا کرتا تھا۔ دریا پر فرسنگ تک روشنی دیا کرتا تھا
 دست قضا۔ قدرت کا ہاتھ۔ قدرت کے ہاتھ یعنی خود قدرت سے سورج کو بند تہا تے
 وہ غشبی کی طرح (جو ایک خیر گھل پاتا تھا) اور ساری چوڑی تھا۔ اور وہ
 یعنی سورج ایسی میرے دوست (محبوب خوش جمال) کے برابر (حسین)
 نہیں ہوا تھا۔

(۲۴۷)۔ اس شعر کے دو معنی ہیں۔ ۱۔ ایک تو یہ کہ قطرہ آب جو آنکھوں میں
 رانگا ہوا تھا اور ایسی ہمت کہ آٹھوں سے (آنسو کی طرح) زمین پر نہیں

گرا تھا۔ وہ موتی نہیں بنا تھا۔ زمین موتی بننے کے لئے پختہ ہے تو کسے چٹیل؟ سو کے
 زمین پر بہت کچھ لگتا تھا۔ کھرٹی میں رہا تھا۔ اور وہاں سے صندرنہ ہا کے
 تو ہر فن تھا۔ لکھو ایسا نہیں کر سکا۔ تو لکھا وہ کہ ہمت تھا۔ اور توفیق یا ظلم ہر قسم
 باخراہ ہمت یعنی جس قدر کوئی گنت کرے یا مصیبت اٹھائے۔ رو بہ زل سے
 حاصل ہو کر رہی ہے۔

دوست یعنی جو قطرہ آنسو کا میری آنکھوں میں تھا۔ اور آنکھوں میں ہونا
 غم و غلو کے میں معزز و مقتدر ہونے سے مراد ہے۔ تو وہ اس لئے مقتدر تھا
 کہ وہ زمین پر گر کے صندرنہ ہا میں جا نہیں سکا۔ اور اپنا گوشہ فنا اس سے پسند نہیں
 کیا۔ اور وہ شکل۔ سوئی تھکیے سے سادہ و فا کر رہا۔ تو میں نے اس کو اپنی آنکھوں
 میں بکھری۔ توفیق (عزت و قدر) اپنی اپنی ہمت ہی کے اندازے کے
 موافق روز و زل سے ہر شخص کو ہوا کرتی ہے۔ شاعر میں غالب نے موتی میں
 معنی بیان کئے ہیں۔ مگر اس معلوم میں پھر بہت کا مطلب کیا۔ صبر و قناعت ہوا
 وہ کچھ معصوم نہیں ہوتا۔ غالب وہ پہلے معنی ہی درجت ہیں۔ کیونکہ ایک دور
 مقام پر بھی غالب نے اسی طرح کا ایک خیال ہی ہر کیا ہے۔

دام ہر صفا میں ہے مقتدر صفا
 دیکھیں کیا آگے سے ہے قطرہ چہ گھر تھک

اس شعر کے معنی آئندہ کسی صف میں دیکھ کر یا طرح یا اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف
 کا اصلی مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ دیگر غالب کو اندرون ہاں کے محاذ سے ظلم کرنے
 سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ آنکھوں میں ہونا سے مقتدر ہونا سمجھا جا سکتا تھا
 لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ قطرہ آب میں آنسو کا آنکھوں میں چھپا ہوا رہنا مقصود
 رکھا ہوتا ہے۔ اور اس کے ہمت کر کے اہرہ آئے ہیں آخوین کہ ہر فن کو ہر ہمت
 کے نہ نکلنے کے سبب اس کی توفیق یا اور ہر کو گھٹنا ہوا قرار دیا جائے تو بہتر ہے۔
 (۲۴۸)۔ تو زیادہ دوست کے سروکہ کھڑے ہونے کا اندازہ جو ایک حسین آدمی

ہوئے کی وجہ سے عورت بہت شرمگاہ والا ہوتا ہے۔ اور عشاق کے لئے تو گویا ایک
قند یا چٹا ہے کہ جب تک میں سے قند یا رے (دوست) میں کو اپنی
آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا (اور اس سے میرے دل پر ایک قیامت سی نہیں
گزر گئی تھی) میں قند قیامت کا مستند نہیں ہو گیا۔ یعنی وہ جانتا ہی نہیں تھا
کہ قیامت کیسی آفت خیز ہوتی ہے۔ سو وہ ۱۵۱ مشرودہ دست کو سر دھندلنے سے
بچ کر گزر گیا۔

(۲۴۵) جن کھوں گدڑا۔ یہ وہابی کی قلت کے سر سر خشک ہوتے۔ عورت گدڑی
اس گدڑیوں کے دریا سے گزرتی (میرے دامن کا ایک سرگی) بھی تر۔ یہاں تک
شعر گدڑیوں کو ایک دریا سے متاثر کیا کہ وہ ۱۰۱ اور جو شخص گدڑی کر رہا ہے۔
گودہ اس دریا سے گزر رہا ہے۔ جو گدڑی کوئی دریا نہ تھا۔ گدڑی ۲۷۲ ہے۔
اُتنا ہی اس کا دامن زیادہ بھگتا ہے۔ اس شعر میں اسکی خیالی پر مصنف نے
معنی شعر کی بنیاد رکھی ہے۔

(۲۵۰) دستور ہے کہ دور دوستوں میں پہلے کچھ بخش ہوتی ہے۔ اور ان کو
اپنے اپنے شوق یعنی آپس کی محبت کا کچھ ٹھونڈ سا سبق (تقریر) حاصل ہوتا ہے
پھر رنجش مبتلا ہوا ہوت ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سبق مکر ہوتا ہے۔ مصنف کہتا
ہے کہ دوست سے کچھ عقلی کا اٹھ رکھ لیا۔ یا کچھ پر ظلم ہو گیا تھا۔ (یہاں
آزادی معنی حق تعالیٰ اور میں سادہ دل دوست کی اس عقلی کو معمولی بات سمجھ
کے) اب تک اس سے خوش رہتا ہوں۔ لیکن میری یہ خوشی یا عاقبت غمینان
اس لئے ہے کہ مجھے اپنے شوق (عشق) کا ۲۲۲ ہنوز کتر سبق یاد ہے۔ قرعہ حاصل
نہیں ہوا تھا۔ یعنی دوست کا دل عرقہ تو معمولی طور پر مجھ سے تارل ہوا۔ میرے
اس کے بعد وہ اپنا دل لہلہ کو مجھ کو مجھ سے کرنا چاہتا ہے۔ یعنی مجھے سبق شوق
کرو دینا چاہتا ہے۔ (یہی کہ مجھے کتنی کر دے گا) اس سے ابھی واسطہ نہیں چڑھا
اور وہ بہت میرے خیال ہی میں آتی ہے۔ اس لئے میں احمق ہوں تو مصنف

پہر ۲۵۰

(۲۵۱) شعر داغ دل کو آگ کی طرح جلتا ہے۔ تصور کیا کرتے ہیں۔ کہتا ہے
کہ سمند (جو پہلے آگ میں رہا کرتا ہے) اس سے آتش کہہ کر ابھی رہی ہا گھر
(یہاں مراد اپنے شمع کی جلتا نشست گا یا نہیں بنایا تھا۔ یا اس کو اپنا گھر بند کے
داس نہیں رہا کرتا تھا۔ تو اس سے قبل اس کا تحصیل ذاتی تھا۔ یعنی اس کا
آگ لینا میرے دماغ پر جگہ پر رہی تھی۔ حاصل شعر ہے کہ سمند پہلے مجھ سے آگ
آگ رہی اب اس کا تھا پھر وہ آتشک سے میں اپنی ہا گھر سے بچ گیا۔

۲۵۲ شب کہ وہ مجلس اور خلوت ناموس تھا۔ رشتہ ہر طرح غلو سوت کاغذ تھا
۲۵۳ مشہدہ خلق سے کوئی بھی نہیں تھا۔ کس قدر بار بار کوسرت ہاؤس تھا
۲۵۴ حاصل غفلت نہ دیکھا جز شکستہ آرد۔ دل بدل کر سنگ کی سی ہو گیا تھا
۲۵۵ کیا کون چارنی ہم کی فراغت کھوئی
جو کہ کیا خون دل بہ مشیت کیس تھا

(۲۵۶) ناموس۔ جھمک۔ حرمت۔ رات کو وہ (محبوب) اپنے عاشق کے ساتھ
مجلس فرد فرخوت ناموس تھا۔ یعنی معروف خلوت وصال تھا۔ اور وہ بزم
خلوت اس قدر فروزاں تھی۔ یعنی دوست کے جلوہ سے اس قدر منور ہو رہی تھی۔
کہ وہ سبب رشک کا ہر طرح کا رشتہ یا رقی (اس کے خالق کے کوسرت) اس
میں لائے کی طرح جھمک رہی تھی۔ یعنی دوست کے جلوہ سے اس قدر منور ہو رہی تھی۔
عقابہ اور راقی۔ خالق اس وہ شے کا خوب دیکھو اور خیرہ جو شمع کے گرد لگا ہوا
ہوتا ہے۔

(۲۵۷) مشہدہ خلق۔ وہ جگہ جہاں خلق شہید ہوا۔ مشہدہ خلق ہے جو کوسر
دور تک مندی آتی ہے۔ بار بار (دو عاشق) ہاؤس کی حسرت میں کس قدر ہلک ہوا تھا

مرکے (زندگی کی حسرت) یعنی کسی بات کا حاصل نہ ہونا اس کا سبب (اپنے ساتھ ملے ہونا) ہوں۔ میں ایک بکھا ہوا چھاغ ہوں جو مفضل سے یہاں مزدور کیا کرتا ہے۔ کہ میں اس اثر نیکے قابل نہیں رہا۔ کیونکہ حسرت سے مرچکا ہوں۔

(۲۶۰) مثلاً ان۔ قابل۔ اسے دل اب میں رفتاری کے نزدیک اس کے دوست و بازو کے زریعہ قتل کئے جانے کے قابل ہی نہیں رہا۔ (یعنی وہ قاتل مجھ کو قتل کرنے کے باقی ہی تصور نہیں کرتا) لہذا میرے مرگ کی کچھ دیر ہی تدبیر کرتے ہیں پہلے تو تو چل کر تاراج کر دیں قاتل کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اس زندگی سے چھوٹ جاؤں گا۔ مگر وہ اب نہ قتل کا بھی سزاوار نہیں سمجھتا۔ یعنی سلسلہ مجھے نفرت ہے۔

تو اب کسی اور ڈھب سے مرنا چاہئے۔ دوسرے سنی کہ میں مکتوب ہوں کہ قابل رحم ہوں نہ قابل قتل۔ اور دوست کی ایسے فیض کا ادا ناشایاں نہیں

(۲۶۱) بربروے۔ مقابل۔ بیشتر صحت۔ چھ طرف میں ہے۔ اوپر۔ تھیں جنوب مشرقی مغرب۔ میں سے مراد نیا ہے۔

مصنف کی۔ دل کا آئینہ میں دل ہے (کیونکہ آئینہ کے اصطلاحی معنی دل ہی ہیں) گناہے مصنف نے قلب کے متعلق کہتا ہے۔ کہ آئینہ یعنی میرے دل کا آواز ساری دنیا پر نکلا ہوا ہے۔ اس کی مرضی چاہے یہاں آئے سب کے سے میرے دل میں جگہ ہے) یہاں ناقص اور کامل کا ہرگز کچھ فرق نہیں رہا۔

دوسرے سنی۔ یہ کہ آئینے کے صاف قلب کے متعلق کہتا ہے۔ کہ اس کا آواز ساری دنیا کے لئے نکلا ہوئے۔ اس میں بوجہ اس کی صفائے قلب کے ناقص کامل کا کچھ امتیاز نہیں ملے۔

(۲۶۲) شوقِ دشمنی دھارے نے نقاب من کے بند کو داکر دیا ہے۔ یعنی شوقِ اہل بدعت اپنا اسٹیلہ فانی اور اہل کامیاب بنا ہے۔ کہ اس نے من کو بے پردہ کر دیا ہے۔ اہ۔ اس کے اہل میرے درمیان اور کوئی چیز بجز میری نگاہ کے (جو اس کے رخ

پر پھلتا ہے، فانی نہیں رہی ہے۔ مزید یہ کہ شوق کا سیاح ہوا۔ اور درست کی مصروفیت حاصل ہو گئی۔

(۲۶۳) حاصل۔ کسی محبت کی پیداوار اہل حاصل کے معنی انجام کے بھی ہیں۔ میرے دل سے وفا کی محبت کا شوق مٹ گیا۔ یعنی اب نہ کرتا میں نے ترک کر دیا کیونکہ اسی وفا کی محبت کی پیداوار اب انجام حسرت اٹھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے حاصل دل سے عشقِ حسرت یا دل کے بر ملاں کا دل ہی دل میں رہتا ہے۔

(۲۶۴) میں عشق کی بھید اور ظہر سے نہیں ڈرتا۔ گناہے استاد مجھ میں دس چھوٹا تھا۔ یعنی جس کی بدولت میں عشق کی محبتیں حاصل مکتا تھا۔ اور اسی لئے مجھے اس پر غریب دیکھ رہا۔ اب دل نہیں رہا۔ (یعنی وہ حوصلہ ہمارا)

رنگ کش ہے کہ اس کا غیر سے حاصل ۲۶۵ عقل کہتی ہے کہ وہ ہے مہر کس کا آتش ذہ ذہ ساجز بخاند نیرنگ ہے ۲۶۶ گردش مجنوں پختہ کسے میں آتش شوق ہے سامان طرہ نواز شرباب جز ۲۶۷ ذہ عموماً دستگاہ و قعرہ دریا آتشا شکوہ سنج رنگ ہمدگیر نہ رہتا پہلے ۲۶۸ میرزا انوشیروانی اور "نہ تیرا شکوہ میں ادراک آفت کا گڑا وہ دس دہائی کے ۲۶۹ عاقبت کا دشمن اور آدھائی کا آشنا کو کھن لگا لٹی یک مثالیں شریں تھا اتہ

سنگ سے سمر مار کر ہوئے پیدائشا ۱۷۷۵۱ رنگ بے کہتا ہے کہ اسے وہ غیر پار قیبت سے اعلیٰ دہی محبت برتا ہے۔ عقل کہتی ہے کہ وہ ہے ہر کسی سے محبت نہ رکھنے والا (بھلا کسی کا دفاع نہ قیبت ہی کیوں نہ ہو۔ کب دوسری بننے والا ہے۔

۲۶۵ ذہ ذہ قیامت۔ میاں نیرنگ۔ جلسات کا شراب خانہ مزدوروں پر گویا ہمارے کسے انہیں بھیدت بنا دینے والا ہو۔ گردش مجنوں مجنوں کا مہر میں پھرنا۔ ساغر شراب کا پیالہ۔ جو کہ مفضل میں سب کو شراب پلانے کے لئے

ہوا جاتا ہے۔ پس ایک حرکت مقرر ہو ہے۔ انہی کا ذرہ ذرہ یعنی دنیا پر
ایک نیا بنی جسم کہ وہ وقت کسی سرک سا فری حرکت کے باعث وہ جسمانی بننا
ہے اور قانون قدرت اس میں ہے جس کی گواہی لکھی کہ جسکے انکسور کے
اشعاروں سے آواز ہے۔ یعنی اس کے مشق ہے کہ سبیل حد مرآت تک پھیر دے
جسوں میں اور کوئل دیتا ہے۔ گویا قانون قدرت میں ہے اور نہ کہ سب کے
اس کے بیان میں ہے۔ قہر سب کے گویا انکسور ہے کہ اس میں سے آواز
پر پڑتا ہے۔

۲۰۰۔ ماہی ہرگز نہ مان کی قدرت پیدا کر دیتا ہے۔ یہی رطوبت ہی کہ جس کی
موسم میں وہ نہ نازش غرض ہاں ہرگز۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
ناجیوں کے لئے سازد سالان کی کوئل صورت پیدا کرنے والا۔ جس میں کہ خوش
احسن ہے کہ جس پر وہ نہ نازش غرض ہاں ہرگز۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
اور قدرتوں سے مگر ہرگز نہ نازش غرض ہاں ہرگز۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
یعنی ہرگز نہ مان کی پشت نہ مان ہے۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
جانتے ہیں کہ وہ ہرگز نہ مان ہے۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
خلق ہے۔ میں کی ہرگز نہ مان ہے۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
ہیں نہ مان رکھتے ہیں۔

۲۰۱۔ شکوہ سچ۔ شکوہ کرنے والا۔ اپنے محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے۔
میں ایک مہر ہے کہ شکوہ کرنے والا نہیں ہوتا ہے کہ شکوہ
میں وہ ایک خاص قسم کا مشق رکھتے ہیں۔ وہیں کی وجہ سے ہم ایک خاص
کا شکوہ کر سکتے ہیں۔ یعنی وہیں کے مشق کیا ہے کہ میں نہ مان
ہے۔ اور وہ علم و فکر کی وجہ سے ہرگز نہ مان ہے۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
دوست ہے۔ کہ ہرگز نہ مان ہے۔ گویا کوئل۔ گویا ہرگز نہ مان
دیکھتا رہتا ہے۔

۱۰۱۔ اپنی ہاں اور وہ آفت کا بھی دینی پیر سے ملے آفتیں اور عیش
پیدا کرنے والا۔ میرا (دعویٰ یا) ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان

۱۰۲۔ فاضل کے لئے نقش کشینے والا۔ ہاں مراد پھر پر نقش بنانے والا
یعنی کامل فن شکر اشیا جیسے کہ پھر کی ایک سہرہ سور تیاں بنائی جاتی ہیں
نقل تصویر میں کوئی جہت کہ وہ بھی ایک تصویر ہی ہوا کرتی ہے۔ گویا نہ
فراموش میں کی نسبت شہر ہے کہ ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
کے ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان

گویا نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
طیر میں حاصل ہوا ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہے جس کوئی دوست پیدا ہوا ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
اپنے فرائض ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
اس کی محنت کا کچھ حاصل نہ ہوا ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
تصویر ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
کا پتہ دیتا ہے ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان

۱۰۳۔ گویا نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہے وہ کہیں بہت سے ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ظفرک بلند کی ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان
ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان ہرگز نہ مان

تاکہ نہ نفی نہ ہی کر لیا ہے دشمن کو یہ دوست کی شکایت میں کہنے بخیر اپنا
ہم کہاں کے دو تھے کس ہنرمیں کینتھے
۲۵۹ ہے سبب مجھ خالہ دشمن آسمان بنا

۲۵۸ - اس پر ہی چہرہ مشتوق کا ذکر اور پھر اس کا اس کے حلق کی تعریف
بیان کرتا یہاں شوکت کہ آخر وہ شخص جو اس کے عشق میں ہمارا
راز وہی تھا اور جس کی مدد سے ہم اپنے مشتوق سے ملے ہو گئے
تھے، وہی اس پر عاشق ہو کر ہمارا رقیب بن گیا۔ مراد یہ کہ ہم نے
مشتوق کا ذکر ایسے پر تاثیر طریقے سے کئے تھے کہ جو مشتاق اس کا عاشق
ہو جاتا تھا وہ

(۲۵۹) وہ بھی دوست تھا ہم رقیب میں ہے اور عاشق ہی اس کو اپنا استحقاق منقذ
ہے۔ کہ دیکھو وہ کس قدر شراب پی سکتا ہے۔ حالہ دیکھو کہ عاشق
فریاد کہہ کے کہتا ہے کہ پار کیا آئی ہے جبکہ وہ دوست ہم رقیب میں ہے
اس کو بہت شراب پینے کا، متحان منظور ہونا تھا کہ وہ اس سے خوب
پرست ہو جائے گا۔ تو رقیب کو پہنے دل کے ارمان نگاہنے کا پر راہ ہوا
موقع اچھے آئے گا۔

(۲۶۰) عرض۔ کہنے ہی ساتویں سمن کے اوپر ایک تمام ہے۔ جو بہت بڑا
ہے۔ اس سے آگے جانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی شری خیال کے
بر خلاف کہتا ہے کہ بے کاش، عرض سے ہی آخر میں اس کے ذرا
پر ہے اس کی دوسری طرف ہمارا مکان ہوتا ہے۔ تو ایک ایسی جگہ
پر ہم ایک اور منظر دہائے نظارہ بنا سکتے، تاکہ وہاں سے ہم عرض
کی آندی کا مقابلہ کر سکیں۔ اور ثابت کر دیتے کہ انسان بکتابہ عرض سے
بھی زیادہ اعلیٰ اور درجہ ہے۔ یا عرض سے اصرار ہوتا تھا مطلب ہوا

مکان عرض کے نیچے میں آسمان کے نیچے نہ ہوتا تو اس جگہ سے ہم عرض سے ہی
زیادہ جگہ پر جا پتے۔

(۲۶۱) ان کا سپاہیانہ ہمارا آستانہ نکلا وہاں تکلفی کے سبب اور جسد میں
اپنے حسن و تفتیح سے ذلیل کر دیا۔ یا دوست کے مکان کے اندر جاسے روکے گا اور
جس پر ذکر ذلیل کر دیا۔ ہم اس سے ہنس ہنس کر باتیں کریں گے۔ تاکہ وہ نہ ہنسے
اور ہمیں دوست کے مکان میں داخل ہو جائے ایک موقع اچھا آئے۔

(۲۶۲) دوست کو اچھا حال غم خط میں لکھتے تھے میری نظریں زخمی ہو گئیں ہیں
اس قدر حضور طویل عرصہ درنگ ٹھہرا رہا۔ کہ انھیں چھوٹ گئیں اور غامض
(غم) سے کوئی طویل ہی بنے رہا۔ یعنی وہ بھی عاجز ہو گیا ہے۔ وہ دل کھنگ کھنگ کر گئی
بستر پر گئی۔ ان کو خط بھیجے گی جیسا کہ اس کا اس خودی چلا جاؤں اور اپنی
انگلیاں دکھا دوں۔ تاکہ وہ میرا درد دل (دردم کھاکر) مجھ سے سن لیں۔

(۲۶۳) دوست سے بطور شکایت کہتا ہے کہ میں کچھ سبکدوشی میں ہوں کہ میری کمر کمر
دیکھتا ہے ایک جگہ (شرم) تصور کیا کہ اس پر کوئی ہاں سے بیٹھا رہے ہو تو وہ سب سے
ایسا گھبرا گیا۔ حالانکہ وہ چہرہ میرا سجدوں سے خود بخود ہی گھس کے گھٹ جاتا۔

(۲۶۴) ہر زبان ہوتا ایک ایسی باتیں کرتا تھا کہ ایک ہی مضمون پر کھارے بات
کرنا ہم سنا پڑے دشمن بھی رقیب کو بھی دوست کی شکایت میں اپنا ہم زبان بنالیا
ہے۔ تاکہ وہ ہمارے سامنے شک و شبہ نہ ہو دوست میں ہمارا شریک ہو جائے تاکہ کوئی
اس سے ہمارے عمل کھانگہم اسے سبب دیا کہتے تھے تو وہ دوست اس کو نہ کہہ کر
تو کی تو ہماری شکایتیں کرتا تھا ہرگز اس سے منتفعت نہ ہو۔

(۲۶۵) جو کہ جملہ اکثر مک و فریب سے دنیا میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شعرا
کا فعل ہے کہ ہاں رہا اور کوئی ہنرمند سیکھتا ہی بہتر ہے حالانکہ وہ خط مقید ہے
ہم صحت گفتا ہے۔ اسے خالہ ہم کہاں کے دانتے۔ کسی ہنرمند یا ملکی تھے
کہ ایسا کوئی سبب نہ ہوئے ہر کسی آسمان ہمارا دشمن ہو گیا۔ یہی ہم جتنی

نہت رہا کرتے ہیں۔ اہل کماں وہ صد عوام کو روکتا ہے جس سے نلکے شکوہ کا ہے

غزل

۲۸۰ سرمہ مفت نظر میں میری قیمت پتا کہ ہے چشم خرید رہا، حسن میرا
۲۸۱ رخصت نالہ ہے دے کہ مہار کا نام
تیرے چہرے سے ہوئی ہر غم نہاں میرا

(۲۸۰) سرمہ مفت نظر، سرمہ بچنے والے اپنے سرمہ کی، ایک سلاخی خرید کر
کو مفت دے دیا کرتے ہیں، تاکہ وہ بڑی "ٹنگوں میں سے ڈال کر سرمے کا امتحان
کرے اور اسے سرمہ، سرمہ مفت نظر کہلاتا ہے، "ہیں، ایک سرمہ مفت نظر بھلا
(میری سرمہ کی خوبی کا امتحان کرنا کہ جو، س سے ایک سلاخی بھر کے خرید کر دیکھائی
پتا، میری ہی قیمت ہے،) (گو، ایک طعیر کی چیز ہوں مگر اچھیدا خاص دھام) تاکہ
میرے خریدار (یعنی میرے دوستوں) درجہ سے تعلق رکھنے والوں کو فائدہ
پہنچے، اور میرا حسان ان پر ہے۔

(۲۸۱) ایک اور وہ مثل ہے "ماہی اسے اور روئے نہ دے" مصنف کہتا ہے کہ
اسے غلام بگے، ہیٹ بھر کر روئے نہ دے، تاکہ میرے دل کی بھڑاس مل جائے، اور پھر
میں چپ ہو کے رہ جاؤں، اور اس سورت میں تو یہی کہے دیکھ کر ہرگز متاثر نہ ہو
وہ اب تو میں روئے لگتا ہوں، تو تو نہیں بھیجیں ہوتا ہے، اور تیرے چہرے سے
نیاں ہوتا ہے، یعنی یہ ثبوت یہم پہنچاتا ہے کہ میرے دل میں غم عشق نہاں ہے اور
میں سے میں روئے لگتا ہوں تو تاکہ کو حقل ہی پیدا ہوئی ہے، لہذا اس کے دور کرنے کو
کہ یہ کسی طرح تیرے چہرے سے ہی ہر نہ لے، لہذا کو بھی طرح روئے نہ لے، اور دل کی
بھڑاس نکل جائے دے۔

غزل

۲۸۲ غافل ہوں نام نہاد اور ناہن سب شانہ صبا نہیں طرہ ایک د کا
۲۸۳ بزم قہقار سے عیش قہقار کہہ کہ رنگ صید زدام جیت جیت اسے دے گا
۲۸۴ رخصت کر دیوں کہے یک بید ہے سر منگ سے عہدہ بگڑا گناہ کا
۲۸۵ مقتل میں کس نشا سے جاتا ہو بیکہ ہے بیکر خیال زخم سے دامن نکالے گا
۲۸۶ ہاں، ہوں شے ایک نگہ گرم ہے اسد
پروا نہ دے دیکھ لے دو خود کا

(۲۸۲) غشاقی اپنے معشوق کی سادہ و صنیع ہی کو جو قدرتی ہوا کرتی ہے بہت پسند
کرتے ہیں اور یہ خیال کہتے ہیں کہ ایک حسین شخص کو سادہ سنگاری کیسا حاجت سے
تو قدرت ہی سے بنا د سنگار کر کے یہاں بھیجا ہے۔ اس شعر میں بھی خصوصیت یہاں
کیا گیا ہے۔ وہ غافل (محبوب) اپنی خود آرائی کے نام (یعنی مستوقانہ تشفی) کے
دھم میں لگتا ہے، یعنی یہ شخص اس کا یکساں ہے۔ کہ وہ اپنا بنا د سنگار ہی کے
اپنے ناز و انداز کا اثر کو اپنے کا۔ یہاں محاسن کا ایک فرق کو خیال بھی اس
نہیں ہے کہ جس پر ہمارے کشمکش کی ہو، یعنی قدرت خود ہی ایک محاسن کے شے
کے لئے کر انسان تک ہر ایک چیز کو، مستند و بصورت پیدا کرتی ہے کہ اس کو مزہ
سنگار کی کہ ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

(۲۸۳) قہقار شرب پیتے کا پیر۔ رنگ۔ رنگ۔ بیان، لطف میں صید
ذوہا جیت۔ وہ شکار جس کو پکڑنا چاہا ہے تو یہاں میں پھنس کر نہیں جاتے ہیں، ایک
حضرت خیز شکار، اس دامگاہ، دامگاہ سے مراد وہ جگہ جہاں شکار کے پکڑنے کو
ہال بھال کیا ہو، اور اس دامگاہ کے یہاں مراد و نیاس ہے جس پر بھی کو گویا
اپنے ہاں میں پھنسا لیا جاتا ہے اس، مراد دنیائے عیش و عشرت کی کہ امید نہ رکھ

کیونکہ یہ ملک فرار شدہ ستارہ ہے کہ ہر خانہ نہیں ہر سکا۔

(۷۸۴) رحمت الہی اس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ گنہگاروں کو بھی بخشا دیتی ہے اس عقیدے کی بنا پر کہتا ہے کہ یہاں سے کہہ سکتا ہے کہ ہر مسلمان کی ہماری شرمندگی کے باعث ہمارے عزیز گناہ نہ بخش کرے کہ قبول کرے اور اسی بنا پر میں خدا سے بخشش کے بہشت و لوا سے جو نیکو اہل شریعت کا قول ہے کہ ہر شخص جب تک اپنے گناہوں کا قافلہ نہیں کرے گا وہ بخشا نہیں جائیگا غائب اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ ہم ہر مسلمان کو اس کے گناہوں سے کہ کھلی شرمندگی گناہ ایسا نہیں کرے دیتی تھی تو کیا ہیبت ہے کہ وہ ہماری پست ہی پر دیاں ہمارے گناہ بخشو اسے کا باعث ہو جائے۔ بعض فنون میں اس شرمندہ و سراحدہ صریحوں لکھا ہے۔

شرمندگی ہے عذر نہ کرنا گناہ کا

(۷۸۵) بڑی بھولوں سے بھرپور ہم کس قدر خوشی سے قتل گاہ کی طرف جلتے ہیں۔ گویا ہم سمجھتے ہیں کہ دوست سے ہم کو اپنے ہاتھ سے زخمی کر دیا ہے۔ اور وہ زخم گویا بھولوں کی جن کی طرف ہماری نگاہیں پڑتی ہیں۔ اور ہماری اس نگاہ کے واسطے کیا وہ زخموں کے بھولے بھولے ہوتے ہیں اور ان بھولوں کو دیکھ دیکھ کر ہم خوش ہو رہے ہیں۔

(۷۸۶) مشوق سے کہتا ہے کہ تو ایک ناک و گرم (ہمارے جوتے کو بھی) ہماری طرف نہیں کرتا۔ (اس قدر ہی لم شخص ہے) حالانکہ اس قدر کی جان اس نیک گرم کی مشیت ہے بے گرم کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ صفات طلب کا وکیل پروردگار ہے۔ جو کہ خود شمع کے جلنے کا مشتاق رہتا ہے۔ اور اس کی حالت پر شمع گرم کیا کرتی۔ یعنی اس کو اپنی نگاہ گرم سے جلاتی رہتی ہے۔ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

غزل

۷۸۷ جوتے باز آئیں کیسے کہے ہیں ہم تو کوئی نہ دیکھو نہیں کیسا
۷۸۸ دیکھ کر دل گردش میں ہیں ستاروں جو یہ گاہ کچھ گھر نہیں کیسا
۷۸۹ لاگ ہو تو اس کو ہم بھیجیں لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دیکھو کا نہیں کیسا
۷۹۰ جوتے کیوں نامہ دیکھ کے ساتھ ساتھ رہا رہا اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیسا
۷۹۱ موج غول سے گزری کیوں نہ کا آستان یار سے آٹھ بائیں کیسا
۷۹۲ غریب دیکھائے مرے کی ر مرنے پر دیکھنے دیکھنے میں کیسا
۷۹۳ پوچھتے ہیں وہ کہ غائب کون ہے کوئی بندہ کہ ہم چند نہیں کیسا

(۷۸۷) وہ غم کرے سے باز سے مگر کیا باز آئیں گے۔ اب کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی نہ دیکھو نہیں کیسا۔ (یعنی یوہو غم تو یہ ناکستہ توکانہ بھی تو ایک غم ہے۔) کے عاشق کے لئے۔ ہذا اس صورت میں بھی وہ غم کو سے گویا نہ آئیں گے۔
(۷۸۸) عام طور پر مشرقی قوموں میں انسان کی قسمت ستاروں سے وابستہ سمجھی جاتی ہے۔ اور چونکہ ستارے گردش کرتے رہتے ہیں۔ تو حسبِ نجوم انسان کی قسمت بھی بدلتی رہتی ہے۔ یعنی کبھی اچھی، ورنہ کبھی بُری۔ ہذا کہتا ہے کہ رات دن سات آسمان چکر کھارتے ہیں۔ ہم (اپنی موجودہ بد حالی سے) بھڑائی کر رہے ہیں ستاروں کی گردش کے سبب (ہمارے لئے کچھ نہ کچھ جو رہیگا۔ یعنی ہمارے دن بھی پھر اچھے آجائیں گے۔)

(۷۸۹) لاگ ہونا۔ دشمنی ہونا۔ دوسری یا تعلق ہونا۔ اگر اس کی حالت دشمنی بھی ہو۔ تو ہم اس کو ایک قسم کا تعلق خیال کر رہے ہیں (وہ جب میں خاطر ہی میں نہ لاسے اور اس سے کسی طرح کا تعلق ہی نہ ہو تو پھر کیا ہوگا)

کھائیں کہ وہ بھی ہمارا کوئی ہے۔ دوست بد دشمن۔

(۲۹۰) فریاد کر کے کہتا ہے کہ ہاں ہم نامہ بر کو خط دے کے پھر اس کے ساتھ ساتھ (اس وہم سے کہ شاید وہ ہمارے خط پہنچائے یا نہ پہنچائے) کیوں پڑے اس صبح نامہ بر کو بے اعتبار حال کر ہم اپنا خط کیسے پہنچائیں گے۔

(۲۹۱) ہم آستان یا پر بیٹھے ہیں تو اب بیٹھے ہی رہیں گے۔ اور اگر وہ دوست ہمیں اس ضد کی وجہ سے قتل بھی کر دے۔ ورنہ خون کی دھار پھانسی سے بھی بلند ہو جائے تو کیا ہم اُٹھ جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔

(۲۹۲) براہ دیکھنا۔ کسی بات کے انتظار میں مضطربانہ طور پر سہر کرنا۔ مصنف

کہتا ہے کہ اس دنیا میں جس دن سے رنج ہے درپے پہنچے کہ ہم بے قراری کے اپنے مرتے کی راہ دیکھ گئے۔ یعنی خود خواہش کرتے رہے کہ مر جائیں اب مر جانے پر دیکھتے کہ وہ ہیں کیا دکھائیں۔ آیا اسی طرح پھر مرنے کی راہ پاؤں اور کوئی اچھا انجام۔

(۲۹۳) وہ سوچتے ہیں کہ غالب کون ہے (حالانکہ یہ پوچھنا تو ان کا تجاہل کا رفا ہے۔ یا ان کی بے پردائی کہ ان کے ساتھ سعد و فاق اور ابھی تک ان کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ میں کون ہوں)۔ لہذا (ہر سنگ مر مر کیجئے تو جل اٹھا) کوئی انہیں بتائے کہ غالب کون ہے۔ یہی وہ یہ بات انہیں بتائے کہ غالب ان سے اس قدر وفائیں کرتا رہا کہ تعجب ہے کہ ابھی تک وہ سے جانتے تک پہنچے ہیں۔

غزل

۲۹۴ لطف ہے کثافت جلوہ پیدا کر دیتی چمن زنگار ہے آئینہ باد بھاری کا

۲۹۵ حریف جو شش درہ یا شیش درہ کی باتیں

چمن ساقی ہو تو دھس ہے دعویٰ چمنی کا

(۲۹۴) ایک آئینہ کی پیشہ پر ہمیشہ کچھ کشیدہ ماوہ مل دیا ہوتا ہے تو اس کی منہ دیکھنے والی طرف اچھل۔ در و دشمن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح چمن میں کساد ہوئی ہے مٹی ہوئی ہے۔ مینا کیلانی وغیرہ ہوتا ہے۔ اس زنگار یعنی کشیدہ مواد ہی سے وہ قزو کاڑھ ہوتا ہے۔ در میں ہیں باد بھاری چمنی ہے۔ درجو اس قدر صاف و شفاف ہو گئی ہے جیسا کہ تیسرا سنا ہے باد بھاری ایک آئینہ کی مانند ہے۔ دور یہ چمن اس کا زنگار یا کثافت ہیں ثابت ہو۔ کہ لطافت (صفا) بغیر کثافت (خلیق مواد) کے اپنا جلوہ دیکھنے رنگ روپ ہی کچھ پیدا نہیں کر سکتی۔ گویا کہ لطافت و کثافت لازم و ملزوم ہیں۔

(۲۹۵) حریف۔ مظاہر کرنا والا۔ دریا کے جوش کا مقابلہ کرنے والا معاملہ ہے۔ میں تنہا نہیں ہے۔ (یعنی دریا جب زور سے بہے گا تو مجھے تو مضبوطی سے مضبوطی سے معاملہ کو بھی وہ توڑ دیتا ہے)۔ لہذا چمن تو ساقی ہو۔ یعنی اس قدر موثر شخصیت رکھنے والا انسان) تو تیرے سہ سے کوئی پھر شرا پتہ ہے۔ اور جو شرا پتہ ہے لا دعویٰ کرتا تو اس کا وہ دعویٰ بالکل باطل ہے۔

غزل

۲۹۶ مشرب قلم ہے دریا میں فنا ہوا

۲۹۷ تجھ سے قسمت ہیں مری صورتِ قلم

۲۹۸ دل ہی کلکش چارہ زحمت میں تمام

۲۹۹ اسبہ غفاسے کی ہیں محروم ہم اللہ اللہ

۳۰۰ قصف سے گریہ بہت بدیم سر ہو

۳۰۱ دل سے شکاری اگشتِ خنائی کا خیال

۳۰۲ ہے مجھے ابر بھاری کا برس کر گشت

۳۰۳ گر نہیں نکست گل کو ترنگ کو چمکے ہوس

درد کا صحت گندہ غلبہ دوا ہو

مخالکعات کے بشتے ہی ہوا ہو

مٹ گیا کسے میں اس عقدہ عداوت کا

اس قدر دشمنی رہا ہے و فاقا ہو

بادر۔ یا زبیں دانی کا ہوا ہو

ہو کر گوشے سے ناخن کا ہوا ہو

رد سے روئے غم فرقت میں فنا ہو

کیوں ہے گروہ جو لال صبا ہو

۳۵ تاکہ تجربہ کئے اجماع ہوئے صیقل دیکھ برسات میں بہنا آئینہ کا ہو جانا
بچنے پہ جلوہ گل ذوق تو لٹا شائبہ
چشم کو چاہتے ہر رنگ میں وہ ہو جانا

(۶۹۶) قطرہ جب دریا میں جا کر مل جاتا ہے۔ تو دیکھتے ہیں تو گویا فنا ہو جاتا ہے
نہیں پتہ کہ وہ دریا میں جا کر اور قطروں سے وصل ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت
اس کے بقا کا باعث بن جاتی ہے جو اس کے لئے گویا موجب عشرت ہے۔ دیکھو کہ وہ
اور قطروں سے ملا ہوا خوب ہریں لیا کرتا ہے۔ اسی طرح درد بھی درد عشق کا
سور سے گزرتا۔ اس شخص کے لئے جو عشق ہی رکھتے ہو۔ بظاہر اس کی موت کا
باعث بنا کرتا ہے۔ مگر مگر وہ مر کے داخل بھی ہو جاتا ہے لہذا اس کے درد کی مدد
درد کا سور سے گزرتا ہی ہوتا ہے

(۶۹۷) علی گڑھ میں ایسے ہائے بہت بنتے ہیں کہ جو بغیر چانی کے اس طرح کہتے
ہیں کہ اس تلسیر کوئی لفظ لکھا ہوتا ہے اس لفظ کے حروف جب تلسے کو پھرا
پھر کے باہم ملاتے ہیں تو وہ فوتاکھل جاتا ہے۔ اس تلسے کو قفل کہتے ہیں
ہیں۔ بات ہٹا۔ اس سے یہاں مراد اس تلسے کے حروف کا مل کر کوئی لفظ
بہینا ہے۔

تیری اور میری قفل ایک کی طرح جب کوئی بات بن گئی۔ یعنی ہم کسی خاص
مقصد پر ایک دوسرے سے متفق ہو گئے۔ وہ اس پر دو نور ضامن ہوئے۔ تو میری
قسمت میں جو نگرہ ہونا لکھا تھا۔ میں اس وقت تک سے جدا ہو گیا ہوں حاصل
کہ تجھ سے میرا کوئی مقصد مشترک وصال حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ تو میں مر لاس
مردم ہو جاتا ہوں۔

(۶۹۸) میرے دل میں جو زحمت یاد کو موجود ہے اس کے علاج کی
سکھش یعنی سینکڑوں علاج کرتے ہیں۔ اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ انہی پیچیدگی

تعلیقلوں کے میرے دل کا قاتل ہو گیا۔ گویا دل ایک متحدہ و یکروہ تھی۔ جو کہ چارہ
زحمت سے (جس کو یہاں بیٹھے سے مشابہ کیا ہے) کھٹے کھٹے مٹ گئی۔ مردہ کہ
ہمارے دردوں کا علاج۔ مٹا ہمارے لئے مصیبت کا باعث ثابت ہوا۔

(۶۹۹) اب تو سنے ہم پر ہوا کرنی بھی چھوڑ دی۔ گویا بالکل بے خلق ہو گیا۔
اللہ اللہ۔ یعنی مقام تجھ ہے۔ تیرا بل و خاکے ساتھ مقدر نہ سنی سے میں۔ تا
(۷۰۰) ضعف کے سبب روئے کی طاقت نہ تھی۔ مگر یہ روئے نہ کیا۔ تو

یہی دم سرد کی صورت سے خارج ہوئے لگا۔ کیونکہ آہ کہنے کو تو کچھ طاقت ہو کر رہ
تھی۔ مگر یہ مہل ہوا دم سرد بھی "اور یہ آہ" یوم سرد ہوا ہوئی ہے۔ اور کہتے۔
پانی تو گویا نہیں ہوتا ہے پانی بن جیسے کافین لگا

(۷۰۱) نکشت حنائی۔ مندی لگی ہوئی تھی۔ جو سوئے مثل گوشت کے ہوئی
ہے۔ کہتا ہے۔ کہ میرے دل سے تیری مندی لگی ہوئی تھی کوا خیال مٹا ایسا شمس
ہو گیا۔ جیسے کہ گوشت سے ناحی کا جدا ہو جانا جو غیر ممکن ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تیری
انگشت حنائی کا خیال میرے دل سے نہیں پاتا۔

(۷۰۲) پہلے دوسرے مصروف پر غور کرو۔ مصنف کہتا ہے کہ روئے روئے
لم فرقت میں فنا ہو جانا۔ میرے لئے ایسا مسرت انگیز ہے۔ جیسے کہ ابر بہاری کا
برس کر کھٹنا۔ یعنی جب بینہ خوب برس کر بارل صاف ہو جاتا ہے۔ تو دل کو
رحمت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں میرے لئے۔ رو رو کر غم فرقت میں فنا ہو جانا
شریوں ہے۔

ہے کچھ ابر ساری کا برس کر کھٹنا

روئے روئے غم فرقت میں فنا ہو جانا

(۷۰۳) گل تر۔ خوشنودار تانہ مہول۔ جس پر صبا گزرتی ہے۔ تو اس کی
فوش ہو جیتی ہے۔ گرد و روجولان صبا کے دوزخ کی راہ کی گرد با مٹی۔ اگر
گل تر کو تیرے کو چھ کی ہوس نہیں ہے۔ تو پھر اس کا صبا کے دوزخ کی راہ کی

گردن جانیوں ہے۔ مطلب یہ کہ گل تر ٹوٹ کر زمین پر گرنا اور خاک ہو جانا ہے تو یہ اس بوسے کے اس کی خاک صبا کے پھینکے رستے میں بطور گرد کے پڑی ہوئے تو صبا اس کو اڑا کے تیرے کوہے میں سے جاسے۔

(۳۴) آئینہ سے یہاں مرد و عورت کی آئینہ ہے۔ وہ جو گرد و خاک کا ہو کر رہا ہے اس پر برسات کی غلطی ہو اگڑی ہے۔ تو وہ رنگارنگ کر سب سے بڑا ہوتا ہے کہ برسات میں خودی آئینہ کا سبز ہو جاتا دیکھ کہ برسات کی ہوا پانی کی شویبت کے غلطی اور کثیف مٹی۔ تو اس سے آئینہ رنگارنگ آئینہ مگر وہ بھلا اگر صاف ہوتی تو ایسا نہ ہوتا بلکہ آئینہ خوب چمک رہا ہوتا اس پر نور کرتا کہ بالکل ہوا سے صاف (صاف شفاف ہوا) کا مجز (نثر) جو پرکھن ہوا ہے کہ یہ کس قدر جلا کر کے والی چیز ہے۔ کہ یہ حسب تک چلتی رہتی ہے۔ سب کچھ صاف رہتا ہے اور رنگارنگ نہیں کھاتا۔ یا جبکہ لفظ ہوا ہی آئینہ کو سبز کر دے تو صاف ہوا تو آئینہ نہ ہو (۳۵) جلہ گل۔ بھول کی خوبصورتی۔ ذوق کا شاد۔ دیکھنے کی لذت۔ چشم کا ہو جانا یہاں مراد دیکھنے سے آنکھ کا کھل جانا یعنی دیکھ کر اپنی بصیرت کو بڑھانا۔ اسے قاتل طرح طرح کے بھولوں کی خوبصورتی۔ دیکھنے یا سیر کرنے کی لذت بخشی ہے۔ تیری آنکھ کو چاہے کہ وہ ہر رنگ میں یہی ہر کیفیت میں ہا ہوگا ہر کیفیت کو مشاہدہ کر کے اپنی بصیرت میں اضافہ کرے۔

غزل

پھر وہ وقت کہ ہوا بال کشا مویج شرب ۳۰۹ دے بھولے کو دل و دست فنا مویج شرب
پھر وہ وقت کہ ہوا بے سستی اور ہوا بے چین ۳۱۰ سا بے تکیاں ہوتی ہے ہوا مویج شرب
پھر وہ وقت کہ غرقیت رسا رکھتا ہے ۳۱۱ سر پہ گنہگار بھی بال کشا مویج شرب
پھر وہ برسات وہ موسم کہ مجھ کی بات اگر ۳۱۲ ہوا ہستی کو کس فیضی ہوا مویج شرب
چار مویج آفتی ہے تو غنن فرستے ہر سو ۳۱۰ مویج گل مویج غنن مویج صبا مویج شرب

جس قدر دوس نہاتی ہے ہر تشنہ ناز ۳۱۱ دے ہے تسکین دے آب ہما مویج شرب
ہر کہ دوس ہے رنگ تاک میں غنن ہر کہ ۳۱۲ شہر رنگ سے ہے بال کش مویج شرب
مویج گل سے چرخاں ہے گزر کا و خیال ۳۱۳ ہے تصویر میں زبیر عود غامض مویج شرب
مٹے سکے روئے میں ہے نورنا شہد دماغ ۳۱۴ ہر کہ رگتی ہے سر نشو و نما مویج شرب
ایک عالم ہیں مودنی کیفیت فصل ۳۱۵ مویج ہنر و تخیل سے ۳۱۶ مویج شرب
شرح ہنگامہ آہنی ہے زبہ موسم گل ۳۱۷ ہر کہ قطرہ ہمدان ہے خوشامویج شرب
۳۱۸ مویج رشتہ تین دے ہوا مویج گل و مویج
پھر وہ وقت کہ ہوا بال کشا مویج شرب

(۳۰۹) ہوا بال کشا ۱۰۱ ہے ہر کہ دے بھولے شرب کی صراحتی جو طرح کی شکل کی ہوتی ہے۔ دل دوست۔ قوت۔ دل دوست شاد شادوری یعنی تیرے کی قوت۔ پھر وہ وقت آ (یعنی موسم ہمارا کہ شرب کی لہر اپنے ہر کہ دے۔ اور طرح کی شکل کی شرب کی صراحتی کو وہی مویج شرب شادوری یعنی شرب میں تیرے کی قوت دے بال کے تیرے کے ساتھ ساتھ ہوا ہوا ہے۔ مراد یہ کہ ہوا آتی۔ خوب شرب اور جسے۔ مویج شرب سے شرب کا دور بھی مراد ہے۔

(۳۱۰) سبہ سستی۔ بہت سستی۔ ہوا بے سستی۔ ہوا کے سبز و شاداب و رفت بلکہ گور کی مٹی۔ چونکہ گور کی شرب بھی جتی ہے۔ اس سے کہتا ہے۔ ہوا کی سرسبز و رفتوں کی بد قسمی کا سبب نہ ہو۔ گور کی مٹی کے سایہ میں جب ہوا گرتی ہے تو مویج شرب بن جاتی ہے۔ (اور وہ ساتھ ساتھ رفتوں کو شرب چا دیتی ہے) مراد یہ کہ ہوا کی ہوا سے رفت مجھوم رہے ہیں۔

(۳۱۱) ہوا ہوا۔ ہوا کا یہ جو شخص کہ شرب میں غرق ہو جائے وہ چھانچہ رکھتا ہے۔ کیونکہ مویج شرب اگر کسی کے سر سے بھی گند جلتے بھی وہ اس میں ڈوب بھی جاتے (عام شرب گوری کے تباہی ہو جاتا) تو وہ (مویج شرب میں

بلکہ) کھجور کے سر سے بچا، زنگیا اور قیام حور پر مشورہ ہے کہ جس کے سر سے
بچا گزر جائے سرہ باد شاہ ہو جاتا ہے اس کا نصیب جاگ، ٹھنڈا ہے۔

(۳۰۹) ہر صحت کا موسم بہت مستحق اور ہوتا ہے۔ مہنگی لاکر مروج بہتی
زردی کی سرسبز زندگی کا سلسلہ اس کی تزاراں بھی اس موسم کی (نشہ آلود)
ہوا کے اثر سے مروج شراب میں شراب کی ہر ہی کا ایک سلسلہ بن جاتے۔

(۳۱۰) طوفان طرب یا خوشی کی افراط کے سبب ہر طرف ہمارے مروجیں، شہری
ہیں مروج گل (پھولوں کی کثرت ہر طرف) مروج شفق آسمان پر طفق کا دور تک
پھینکا، مروج صبا ہر طرف ہاں نسیم کا پھندا اور مروج شہر آب یعنی
شراب کا دور۔

(۳۱۱) نباتات کی رقع جھنڈ ہر تشنہ تازہ یعنی اس کا بکر اڑ کر پانی یا
سلسلہ کا مشتاق ہے۔ اس بقدر مروج شراب اسکو تہ بھگے گھونٹ سے نشکین
دیتی ہے۔ یعنی سبز باغ کو شراب کی پانی پیا کر رنگ کر دیتی ہے۔ اور اس کا پانی
آپ حیات کے بڑے بہتی ہے۔

(۳۱۲) رنگ بیک، گور کی رنگ، شہپر رنگ، ایک رنگدار بہت بڑا پڑ مروج
شراب گور کی رنگوں میں (یعنی اس کے اندر) خون کی صورت بن کر چل رہی ہے
کیونکہ وہ ایک بہت بڑے رنگدار پر زور شراب کے غولی رنگ سے الگ کتا جھوٹی
ہے یعنی زردی ہے۔ حاصل شرع کہ شراب کا لال لال رنگ گور کی رنگوں
میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ (اگر اس کو انسان ہے گا۔ تو اس کا خون
بھی بڑھ چکے گا۔

(۳۱۳) جو کہ میرے تصور میں مروج شراب اچھا ملوہ دکھ رہی ہے اس سے
میرے اس تصور میں یعنی گدگاہ جہاں میں گویا موہر گل سے چرائیں جو رہی ہے
یعنی شراب کی رنگت سرخ ہوتی ہے۔ اور گلاب کے پھول کا رنگ بھی لال لال
ہوتا ہے اور وہ اس قدر خوشنما ہوتا ہے کہ گویا ایک چراغ روشن ہے تو مطلب

خروج ہوا کہ میرے تصور میں شراب کا لال لال رنگ اچھا ملوہ دکھ رہا ہے۔ اور
وہ لال لال رنگ گلاب کے پھول کی سرخی کی لہر جگر میرے خیال کو گواہ چرائیں
پناری ہے۔

(۳۱۴) شراب کی لہر نمود نا پائشی ہے۔ یعنی سمندر کی ہر کی طرح، مگر جو کہ
ہام سے میں محدود جگہ ہوتی ہے۔ وہ لہے کے پردے میں راستے کی صورت، مگر
مگر کھولنے میں باہمی ہے۔ وہ اس دماغ کے تھکے میں مروج ہے۔ سب سے
شرابی کے دماغ میں طرب طرب کے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا پانہ
دیکھ رہی ہے۔

(۳۱۵) طوفان ہر داکرے کا، چھا جائے والا، طوفانی کیفیت فصل۔
یہاں مروج فصل ہمار کی سرسبز لہر اکیسویں پر غالب۔ سبز فو خیزنی کی پورہ
تھکے پورہ لہر یعنی ان کے ہوا میں لہر سے لیکر مروج ستر ستر یعنی اس کے
نباتات کے کشیدہ ہوتے اور ہر ہام شراب میں نہیں مارے تک (یہ دونوں باتیں)
کھان لہر یعنی ایک ہی عالم میں فصل ہمار کی تمام (سرسبز افراط) اکیسویں پر پانی
ہوتی ہیں۔ یعنی اور مروج کا سبز ہر داکرے کا، اور شراب کا دور چل رہا ہے اور یہی
کیفیت تمام فصل ہمار پر غالب ہے۔

(۳۱۶) موسم گل، ہمارا موسم، ہمارا مستحق، زندگی کی تمام مختلف کیفیات۔
یا حالتیں، شرع ہمارا ہے۔ زندگی کی مختلف حالتوں کی شرع کر کے والی، سب سے
ظور دیا۔ قطرہ کوہ یا کی طرف سے جا کے اس میں مروج کا موجب ہوتا ہے۔
شراب، ہمارا مروج شراب کا نشہ۔

زچہ خوش) موسم گل، (یعنی ہمارا عالم ہمار کی تمام کیفیات کی مختلف
کیفیتوں کی شہ ہے۔ یعنی اس موسم میں ہم صدمہ کی کیفیتوں سے (جنا پڑ شر
کہ ہم نہیں ہوتا) لطف اندوز ہوتے ہیں گویا موسم ہمار کی شرع کرتا ہے۔ اسی
لہذا خوش شراب کی صدمہ یا اس کا نشہ (جس کے باعث انسان کے دل پر صدمہ یا

قسم کے حالات گزرتے ہیں، ناگوار یا یہ ایک قطرہ کو دریا میں مٹانے کی کوشش کرتی ہے
یعنی انسان شراب پی کر (ادھر اپنی محدود وسعت کے) طرح طرح کی کیفیتوں
سے سرور حاصل کرتا ہے۔ لہذا یہ ایک قطرہ کو دریا میں جا ملائی ہے۔ اس شعر میں
موسم گرم ہو چکا ہے، اس کو موسمِ شراب سے کہہ دے کہ وہ بھی بعض قسم کی
سیاحت کے لئے سرور پہنچاتی ہے، مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ یہ دو چیزیں
کچھ دور ہستی رکھتی ہیں، مگر ان کے نتائج بالکل فرقیت وسیع ہوتا ہے۔

(۳۱۶) اسے اسد جیو، گل دیکھ کر یعنی موسمِ گل میں گلاب کے شمع پھولوں
کی خوشبو سے گلاب کو دیکھ کر میرے نوکڑا ہوش اڑ جاتے ہیں، یعنی میں اپنے بس
میں نہیں رہتا، اور شراب پینے کی خواہش کرتا ہوں، کیونکہ مجھ پر وہ وقت آیا
کہ شراب کی صحت بال کشا ہو۔ (اپنے پرکھوں کے آئینے) یعنی شراب کا دور چلا۔

غزل

انوس گر دیں لایکا رزقی فلک سے ۳۱۷ جن لوگوں کی تھی درجہ عقو گہر انگشت
کافی پہ نشانی تری چمکے کا نہ دین ۳۱۸ غای لکھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت
۳۲۰ لگتا ہوں اسد سوز شعل سے سخن گرم
تار کہ نہ سکے کوئی صفا حرف ہر انگشت

(۳۱۷) ادیان کیونکہ درجہ عقو گہر انگشت۔ یعنی وہ نیلی جو عمل و جہد پرست
جانتے کے قابل تھی۔ انوس گر جن لوگوں کی نیلی صفت و گوہر پہنچنے جاتے کے قابل
تھی۔ ان کو آسمان سے کیڑوں کا رزق بنا دیا یعنی وہ لوگ مری گئے تو ان کی انگلیوں
قریں کیڑوں کی خوراک بن گئیں، مالا کہ وہ پیٹتے تھے فی منی انگلیوں میں صفت
و گوہر پہنچا کرتے تھے۔

بعض شخصوں میں دماغ کی بجائے دماغ لکھا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی

ان کی جن لوگوں کی انگلیوں میں دو گہرے عقد حاصل کرتے تھے ان کو پیٹنے کے قابل
تھیں۔ انوس کہ (نقشب زما نہ سنا، ان کو انہوں کا رزق بنا دیا، یعنی وہ لوگ
انگشت بد نماں ہیں۔ درحقیقت سے، انگلیاں اپنے دانتوں میں چبنا سن
رہتے ہیں۔

(۳۱۹) سفر کے وقت نشانی کے طور پر جھلا و غیرہ کوئی تیر دی جاتی ہے تاکہ
مسافر کی یاد گار رہے، شاعر یہاں لکھتا ہے کہ تو مجھ سے رخصت ہوا، اور تیر چمکے
کار دینا یعنی اپنی جان، انگلی دکھانے کے (یا شوخی سے) انکو دکھانے کے) چلو یہاں میرے
سے یہ تیری نشانی کافی ہے۔ گویا چمکے وقت تو نے مجھ سے وہ سوکھی نیکی جو ایک
صوفی دوست کسی دوست سے کیا کرتا ہے۔

(۳۲۰) اسد، تسد میں اپنے دل کی جلی سے گرم گرم ستر ٹھنکتا ہوں، تاکہ میرے
حرف (حرف زدن یا ظاہری) پر کوئی انگلی نہ کر سکے، تو بڑا اعتراض نہ کر سکے، اور
ان کو کہہ سکیں ان گرم حرفوں پر انگلی نہ کر سکے، تو اس کی انگلی ہی جلی جاتی ہے، مراد یہ کہ وہ
منہ کی کھانسی، سخن گرم سے مراد اعلیٰ بہت بڑا شاعر ہیں۔

غزل

۳۲۱ دگر کوئی تاقیت سلامت بھر ایک روز مرزا ہے حضرت سلامت
۳۲۲ دگر تو مرزا عشق غم بہ مشرب لکھے بت خداوند سلامت
۳۲۳ علی اسر غم دشمن شہید و ف ہوں مبارک مبارک سلامت سلامت
۳۲۴ میں تر سر و برگ اوداک معنی
تماشا سے پیرنگ صورت سلامت

۳۲۵ ہند گیش کوٹے ہی کوٹے چمکیں غائب
بار بار سے مرے انیس چمکے پر گس وقت

(۲۱ سو) حضرت سلامت کسی سے خطاب کیے وقت نوربانہ لہجہ میں فرمایا
حضرت سلامت کہا کرتے ہیں میں آپ بجز وہ ایستہ نہ رہا ہوں۔ حضرت سلامت اگر
کوئی شخص روز قیامت تک بھی زندہ رہے ہیں جس وقت تک یہ ساری دنیا زندہ
رہے گی تو پھر بھی ایک روز مرنا ہوگا یعنی روز قیامت کو تو صرف مرے ہی نہیں ہے
انھیں ہے۔ لہذا اس سے قبل کسی نہ کسی روز ضرور مر کر ہی اس کے چہان میں جانا ہوگا
مراں کہ موت سب کے لئے لازمی ہے۔

۱۳۲۱) خونِ شہید جس کا مشرب یا دستور خون لکے در پیچ بسا جو میرے
ہجر جس سے ہر وقت خون جاری رہتا ہے۔ (موتو) یہی غلط فہمی تھی کہ خداوند نعمت
سلامت لکے کہ خطاب کیا کرتا ہے۔ اور خداوند نعمت اس سے کہتا ہے
کہ گویا عشق میرے ہجر ہی کے خون سے بدورش ہوتا ہے۔ (خداوند نعمت
بہمن خورشیدین والہ)

۳۷۳) علی مرتضیٰ کی تشریف لائے ہوئے طلب میں دشمن کی توقع کے خلاف وفادار
شہید ہو گیا ہو۔ یعنی رقیب کے گناہ کا کرم میں وفادار کے شہید نہیں ہوں گا۔ یعنی
وفادار کا سقدہ مشکل ہے۔ کہ میں اس کو بناؤ ہی نہیں سکوں گا مگر جو کرم میں سے
ایسا کر دکھایا ہے۔ تو رقیب کو غم سے بہ نکلا رہتا ہے۔ مبارک مبارک کہنی تیرا
وہ کہتا ہے مبارک (جو حقیقت نامبارک مراد ہے) اور سلامت۔ سلامت (یعنی
میں رقیب تو ایسا کہنے والا نہ رہا ہے۔ جس سے مراد یہ کہ تو جلد ہی جہنم حاصل ہو جا
گی۔ رخم۔ جی۔ او۔ رخم۔ خاک میں آلودہ ہونا۔ یعنی کسی کے جھوٹے سے
جب وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ تو اس کا خاک آلودہ ہونا

(۳۶۴) سرورِ ملک، ساز و سامان، وسائل، اورنگ، سجہ و
اورنگِ معنی، حقیقت کا تجزیہ، تجزیہ، خواہش، ظاہری حالت کا تجزیہ، نیزنگ، ملک
کوئی کیفیت، جملہ، حیرت، لہذا تعجب پیدا کرے، نیزنگ صورت، محض لہذا
سے دل کے حیران کرے، دان، کیفیت۔

مگر مجھے ایسے وسائل حاصل نہیں ہیں کہ وہ ایک حقیقت کو سکھوں۔ یعنی یہ بات معلوم کر سکوں کہ دنیا کیا چیز ہے۔ تو میں کی ہی مہربانی و بخشش اور خیر کی دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسے ہی ہوں۔ ایسے اگر حقیقت شناس نہیں ہوں تو مہربانی صورت کا تو دعا ہی ہے۔

۱۳۵) ملے غائب لوگ میرے محبوب کو کس وقت بہت سے بہتر کے سر پہنچیں
 ہوں ہلائے۔ جسکو میں کریم نزع تھا۔ اور میں اپنی آنکھیں، اپنے محبوب کو
 دیکھنے کے لئے کھولنے کو تھا۔ مگر اسی وقت یہ مہم گئیں۔ یہ ہے جس مرنے کا

غزل

آخر خط ہے جو ہے مسووح یا نار بدوست ۴۴ دو ٹکٹے تھاٹ یخہ زعفرانک
لے دل، قانت، نیش حبہ شوق ۴۵ کوں لا سکتا ہے آپ جو وہ دیر دوست
خامد پراس ساذلی حیرت تماٹ کجکے ۴۶ حیرت نفس قد حیروں نہ زلف بدوست
عشق میں ہو اور شکب لہر لے مارا جکے ۴۷ کشیدہ عین ہوں سر شربتی حیرت
پہلوہ دوش کوں بیدار کا دل سنا ہے ۴۸ وہ فخر جوں بملاد ساغ دوست
ظہر یوں کرتا ہے میری پرستش کجکے جہر ۴۹ بے تکلف دوست ہو جکے کوئی کوں
تا کہیں جانوں کہے اسکی بے سانی دس نگ ۵۰ جگوتیا ہے پیام دھو دیار دوست
جکے میں کرتا ہوں پن فکرو جعفر دماغ ۵۱ سر کرے ہے وہ حدیث زلف لب بدوست
چکے چکے جکے کہو لے دیکھ پتا ہے اگر ۵۲ آہنس کے کہ ہے بیابان توئی مفت بدوست
عروال ہائے دشمن کی شکایت سمجھئے ۵۳ ایسی جکے پاس زلف آرزو دوست

۴۴۳ عزال'ینی مجھرمی تہ پسنہ لی پڑوہ

جے ریڈین شعری فائسٹ پریس، لاہور

[illegible]

ہیں ایک تصویر اس میں سے نکلتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں اور وہ دوست کے لیے کیا خط سے متعلق ہوا کرتا ہے۔

دوست کے لئے خط لکھنے سے جو اس کا دل پر خوش ہو گیا ہے شاید اس کا دل بھر جائے اور اس کے لئے دینے کا ہوش تھا کہ جس کی کوئی پروہ نہیں کیا کرتا۔ اور اب وہ دوست کے لئے نظر آ رہا ہے تو لوگ اس کے لئے کوئی دیکھنا نہیں چاہتے۔

(۳۴۷) یہ شعر حضرت مہر کے قلم کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے لکھا تھا کیا کرتے تھے۔ اگر وہ طرح پر لکھنا کی بات دلائیے۔

دل میں بہت قہر تھا کہ اس سے بے خبر اپنے عشق وید اگر صفا کر دیکھو دوست کے جلوہ دیدار کی کوئی غصہ پر زبان نہیں دے سکتا۔

(۳۴۸) حیرت سے دوست کی رفتار یا چال کو دیکھ کر مجھے ایسی پریشانی نصیب ہوئی ہے کہ اس سے میرے گھر آکر دو پہلوں کی بازگاہ تھی میرا گھر پر چلا آیا تو اس کا نظارہ دیکھ کر میں بہت دوست کے نقش قدم کی صورت اس کی چال کا وارفتہ ہو کر چلا آئی اور ہرگز نہ گئی مگر اس کے نقش قدم ہی پر چلا آیا اچانک وہ صوب چھوڑ چلا ہوا۔

(۳۴۹) اگرچہ میں دوست کے عشق کا چہرہ تھا مگر اس سے میری جان بچ رہی تھی۔ لیکن فرشتوں کے ہاتھ سے مر رہی۔ اور وہ اس طرح کو فریختہ و غمگین رہی ہیں میرا رقیب تھا اس کے ساتھ سے لکھ رہا ہے۔

(۳۵۰) چشم ہر دو چشم سپورسی فانی میں ہے چشم ہر دو چشم۔ رہی ہاتھ دیتے ہو رہی دیکھ رہی اور بال ہمارے فتن ہے۔ واپس کے کوئی پرہیزگار ہے۔

کتنا ہے ہمارے رنج میں اس دوست کو فتنی پہنچ رہی ہے۔ چنانچہ ہمارے فتنہ آگیا اس کے لئے گویا شرب کا ایک سرشار دلہن اس طرح ہے۔ کوئی اس خوشی سے چشم ہر دو چشم۔ کلی ناشاد مگر وہ فتنہ کھینچ رہی ہے اس کی طرح اس بیدار کو لکھ رہی ہے۔

شا تو ہے دوست کے مصرت میں سا فرسار دوست کے ہاتھ سے کھڑک رہی ہے۔ (۳۵۱) یہ شاعر نے لکھا ہے جس کے اشعار میں ایک ہی غزل کے متعلق ہیں اس کے غزل میں رقیب میرے حال کی محبت اس طرح کرتا ہے جیسا کہ گول نے لکھا دوست اپنے کسی دوست کا دل بھرتا ہو۔

(۳۵۲) رقیب (دوست) لکھ کر دوست کے وعدہ و پیمانہ میں غم سے دیتا ہے۔ تاکہ میں ہاں کہ اس کی دہان تک پہنچے دوست تک پہنچے رہا مگر وہ غصہ فریب سے رہا ہے۔

(۳۵۳) جب میں اپنے غصہ و رنج کی کیم شکایت کرتا ہوں تو دوست کی خوشبودار غنچہ راز غنچہ کی حدیث دشکایت کرتا کرتا میری شریعت سے دوست کی غنچہ کو کھٹکا غصہ و رنج میں مفید تھا کرتے ہیں۔ اس لئے غنچہ کو ہاں نہ کر دیکھا گیا ہے۔

(۳۵۴) اگرچہ کو چھپنے چھپنے کو نہ دیکھتا ہے۔ تو دوست کی شوقی گفتار (دوست کی فریاد) کا بیان اس میں کر رہا ہے۔

(۳۵۵) اب میں رقیب کی باتیں سن کر ایسے دوست فراموش کی نہ ہاں اس کی شکایت کروں گی کہ وہ غصہ و رنج میں دل دیکھنے کو رہا ہے۔ اگر وہ میری یاد دوست کی اپنی اسالی کی لذت کا حکم دے گا تو اس کے دوست رقیب کو میرے ساتھ ایسا سوکھنے کا اتفاق ہوگا۔

(۳۵۶) اے غائب مجھے اپنی طرز آپ اپنے خود بخود ہی بہت پسند آتی ہے۔ کیونکہ اس کے ہر شعر کی روایت میں از میں (دوست) ایک دوست کی محبت سے (دوست) اس کا ہم سنا بہت خوشگوار رہا ہے۔

غزل

غزل میں بہت دوست پر محبت دیکھ رہی ہے۔ کوئی قہر کا طوق حلقہ بیرون رہے آج

آتا ہے ایک پارہ اول ہر نفل کے ساتھ ۲۸ بار نفس کندہ شکار اٹھ ہے آج
۳۲۱ لے حاجت گزار کے لئے انتظام میں
سبب اگر وہ دیکھ دیکھ دو ہے آج
لو اس قسم مرعیہ عشق کے تیمار داریں ۲۸، چھانگرہ جو تو سبب کا کیا ہے

(۳۳۶) آج گلشن میں برنگب وگر (یعنی ایک اور طرح کا) جند و بست ہوتا ہے
چند پختہ کا طوق گردن (اس کی گردن پر کاٹوس اور سیاہ نشان گلشن کے دوروں
پر حلقہ ہر دور یعنی دروازے کے باہر کا زنجیر بن گیا ہے۔ روبرو کسی اندام کی
اجازت نہیں ہے) مطلب یہ کہ قمری کا طوق حلقہ ہر دور دروازہ ہو گیا ہے ایک عجیب قسم
کا انتظام ہے اور اسی کی طرف مصرعہ اول میں اشارہ اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم نفلوں
میں اس شعر کا غور ہم سے کہ قمری کا طوق گردن۔ شعر کے نزدیک اس کی حقیقت کی حاکم
ہے۔ جی، اس کے گھڑن محبت کا طوق ہے۔ درحقیقت کہا کرتے ہیں اس کی گردن میں
محبت کا عورت اب وہاں کے اندام سے پھرنے کی بہانے ۱۰ بار کے باہر دور آنت
سے بندھ دی گئی ہے۔ کہو کہ اگر ایسا دیکھ جاتا تو قمری کا طوق حلقہ ہر دور دیکھتے
بننا، ہند گلشن سے عشق و محبت کو غارت کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک بالکل نئی بات ہے
اسی لئے کتاب ہے

گلشن میں جند و بست مانگہ وگر عشق

(۳۳۸) ثر۔ یہاں مراد زخم کا نشان (دیکھو فیث اللغات)۔ آج قمری
زخمی سانس کا دھارہ یعنی قمری نفس (کہنے شکار اٹھ ہے) اور اس کے نشان نہ غم کا شکار
کرنے کے لئے گو ایک گنہگار کام دے رہا ہے۔ اسی لئے اس زخم کی ہمدست ہر نفل
کے ساتھ ایک نیکو دل کا بھی باہر نکل آتا ہے۔

(۳۳۹) مئے عافیت (سہا متی جان) اب تو ہم سے گنہگار گشت ہو اور اسے
جند و بست و ملک تھا صبر انتظام تو بھی جا گئیں اور طرہ چلا گیا کہ وہ اب تمہاری

کے طرہ و تفسیریں ہیں اور ہم ہر سہارے کے کاغذان ممکن کے درد و غم کے دو پہ
ہے۔ کہ اس کو گرنے چھوڑے گا۔
(۳۴۰) لویٹے لڑی کر کو کہ ہم مرعیہ عشق کی تیمار داری کرنے ملے ہیں اور
سبب اس کا علاج کر لیتے ہیں۔ اگر اس صورت میں ہی یہاں عشق، چھانگرہ، نو چھ
سبب کا علاج یعنی اس کو کیا سزا دی جائے گی۔ مردہ کے کام مرعیہ عشق و سبب بھی
عقد دست دتو نا نہیں بنا سکتا۔ حالانکہ سبب یعنی حضرت سبب مردوں کو زندہ کر دے
کرتے تھے۔

غزل

نفس نہ بلجن آرزو سے باہر کبھی ۲۸ گر شراب نہیں انتفا جس انر یعنی
کمال کر مئی سنی کلاشس دیدہ ہو چھ اب برنگب غار مرے آئینے جو کہ کبھی
لے ہمارے رحمت ہے انتفا بلے ال ۲۸ کیا ہے کس نے اشارہ کیا سبب کبھی
قمری طرہ ہے ہر سوت لقا زخمس ۲۸ بجوری دل چشمہ رکیب سا فریب
وہیم فرہ اد اگر حق و درحمت ناز ۲۸ نیام پرورہ۔ ہم جس گرتے نجر کبھی
۳۴۱ مرے طبع میں ہے صبا کی آتش نیا
بروئے سفر و کباب دل صحت نہ کبھی

(۳۴۲) بلجن آرزو۔ ایک ایسی نفل کہ جس میں سیدہ ہیں۔ کتاب ہے
بہ ہر دو پہ یعنی۔ دیدہ کی نفل سے نفس (یا چنے) آپ کو باہر کبھی گر داکر اس وقت
کے شراب حال نہیں ہے۔ تو باہر شراب کا انتفا کر دے اور جیسے شراب کی منت رکھ
(۳۴۳) آئینہ ہے یہاں مراد آئینہ ہر دور ۱۰ بار قمری، کھٹے قمری یا عشق، درک
کے دیکھو اس کی دیدہ کی قافی کی کہ شش میں ہے جس کا مرکز قمری ہے کام لے۔ یہاں
لاکھ ہو چھ دے ڈھونڈنے ڈھونڈنے ہر سہارے ہاں میں کیا خود دل میں کاٹے پڑے

کئے ہیں۔ اور تو رنگ غاروں میں طرح کا لٹکا لٹکائے ہیں کہ میرے آنکھوں سے جو چہرے
کونکھلے پینے نہ میرے دل کے لٹکے وہاں ہر شکل جو ہر رنگ لٹکے ہیں۔ سو چھوٹے تھینے
ہیں کانٹوں سے نظر آ رہے ہیں۔

(۳۴۳) اپنے دل سے جانتی کرتا ہو آگستا ہے برائے دل۔ تو نے دوست کے
اعلا کو جسکے سبب بستر پر بیکار پڑ رہا ہے پتے۔ تم کہے کا ایک ہوا ٹھیرا لیا
ہے دار دوست کی ناک کو کھرتے نہیں عیاں کئے یکس سے اشارہ کیا تھا۔ پتے
کس نے تو عیب دلائی تھی کہ اس طرح بیکار پڑ پتے اور اپنے بستر کے مزار احسن
کھینچ کر ہے۔ مطلب یہ کہ دار دوست کی ناک کو کہ جب اس سے اس قسم کا کوئی
نقاب کیا ہے تو گوڑوہ غوری کو بھی کرنا ہے۔

(۳۴۴) باغ میں باد غوری ہو رہی ہے۔ اور بستی مریع پر کستا ہے۔ تیری ہون
ہمست نہ رہا دگر ہے۔ یعنی وہ حسرت کے ساتھ لڑا تھا ہے رشک کھا کے تیری
طرف دیکھ رہی ہے۔ کہ اسے عام شرب کیوں نہیں دیا تھا مگر تو یک دیت و قیاب
رہا دگر جس کے بل اور آگے کے خفا ہوئے کے باعث سامر کھینچ پتے طرب شرب
دگر میں آؤں کو کچھ سو میں ملتی۔ پتے اس کا دل اور آگے دونوں اندھے ہیں یہ حال ہے
وہ ہے کہ عیش کی دشاں میں شرب غوری کی طرف دانا ہے۔ اور کستا ہے تو وہاں
شرب پتے سے پھر شرب کھا کر کہ میں مراد دگر کس کا پھول دل و دھڑم کستا ہے
مگر اس کے دل پر چشم جوا شیر میں ملتا تو ان کے گودا اندھا ہیں کا ناپاؤہ اعلا۔ موقوف
مشراب ہوا۔

(۳۴۵) ودیعت۔ لاس۔ ودیعت ناز۔ ناز کی مانند۔ نہ نام پدا نام
مگر نام ایک گل و لعل و لعل و لعل ہو گیا ہے۔ کہ جس میں تو راہی خبر کو رکھا کرتے ہیں وہاں
زخم جگر کے پدے کو نیا مفرغ کر گیا ہے۔ اس طرح یہاں ودیعت ناز کو خبر غفر
کر گیا ہے۔ ودیعت ناز۔ دوست کا نیم غزہ کر شل غفر ہے اور عاشق کے
باس مانند ہے۔

پتے نے خبر ناز کو کہ جب کہ وہ لہجہ پر ملا اور جانا تو میں نے اپنے پردہ۔ تو کہ ایک نام
میں جگر دی دار اس کو طور۔ مانند وہاں دگھا۔ اب اس مانند کھنے کا اور وجہ ناز کا
قی میں دگر کہ نیم غزہ دگھا میں اپنی آنکھ اور ابرو سے ہاں کہ لے ناکہ تو پادہ غفر
اور پدا زخم کے نہا میں ہے (نکال لے) غفر غفر۔ ناکہ تو پادہ غفر
مگر کیا۔ اور وہی وہ تیری مانند پدا رہا۔ اب تو واسطے دیکھنے تو تو زخم پر ہاں
ہنسا ہے۔ اس کی تالی مانند ہر پاسے۔

(۳۴۶) صبا۔ شرب۔ ہمد سے سفر۔ دوسرے ہمد سے سفر۔ تک کیز ہے جو
ہمیشہ آگ میں رہا کرتا ہے۔ میرے پدا لہ شرب میں شل نہیں رہتے پتے وہاں
گرم تاثر رکھ دلی شرب موجود ہے۔ ہی کے بستر صبر و صبر ہر ہی صبر کے
دل کے کاب ناکہ دگر وہی شرب گرم ہے کاب بھی دیتے جو صبر شرب کھن
واسطے بولے ہیں۔

غزل

خس غنہ کی کٹا کٹ سے چل بسکے ہو۔ ہمارے آرم سے جس دل غنہ شرب
غصہ غنہ کی کوئی گل قابل نہ ہوا۔ ہوا ہوئی غنہ کی غنہ کی ہوا
شمع بجھتی ہے تو میں کہوں غنہ ہے وہ شعلہ عشق سیدہ دل ہو میرے ہمد
فون ہے دل خاک میں جس میں پتے حرا ان کے ہاں جو کھن دلی کھن
ہر نور عشق نہیں جو ہر سبب۔ کہ ہمارے غنہ ناز ہے ہمد کے سے غنہ میرے ہمد
چاہتا ہوں جن کی کیسے۔ خوش و دواع۔ چاک جو تپے گریباں ہے جد میرے ہمد
کون کہتا ہے حریف سے مودا عشق سہا ہے کز لب ساقی ہمد میرے ہمد
فم سے مودا ہمد کہ غنہ میں کیا ہوئی ہمد کہ کرے غنہ زیت ہمد و غنہ میرے ہمد

۳۵۵ آستے بیکس عشق ہمد غنہ غنہ

کس کے گھر حرا بیکس ہمد ہمد

(۳۴۷) فرزند: انکھوں سے تار کا تار کہنا شروع بعد میں جب میں رگیا۔
 تو حق چنے اس دوست کا حسن چہ فرزند کی گستاخی میں تھا۔ یعنی فرزند اس کو کہہ کر حق کے فضل
 کو ظہور کیا: اگر یہ شکر کی گستاخی اس سے (یعنی دشمن سے) نکلتا تھا تو فرزند و حق کو فضل
 کر با ب پر سے ہر نہ کے بعد فرزند کی وہ گستاخی جاتی رہی بعد اس سے حسن دوست
 کو بھی کبھی نصیب ہوئی۔ یا اسے اپنا وہاں جگہ نماں مراد حسن و فرزند دوست ہو کر
 مر سے ٹوٹا: اس میں جو گئے ہیں۔

۱۴۴۴ء - فیروز خلی (عاشق) کے علاوہ تہ کے قابل ہی کوئی شخص نہیں پا
 کرے کہ ہو سہ۔ دے جے ناز و ادائے دوست کی معذرتی ہو سہ۔ یہ بھوسہ نے
 کسی درخت پر تھیں ہی کر دیا۔

(۳۴۹) نسخ جب تحقیق ہے تو گو زیادہ مر جاتی ہے پھر اس سے دھواں اٹھتا ہے
 اور وہ جو اپنے صیبا لباس کے گو یا اس پر اتنی ہی ہاں چن کے ماتم کر کے جو سیطرع
 میر کے مرنے کے بعد میر (شعلہ عشق) میر کے وجود سے) بھرا کر کرنا - اور
 میر کے - تمہیں سادہ پوش ہو گیا -

(۵۰) احوال جس یعنی مشغولوں کے حال پر میرا دل قریب فون پر جلتا ہے کیوں کہ فون پر جو میرے فون سے قریب جتے تھے، اب میرے اجداد کے متعلق ہر شے میرے لیے کس تکلیف کا بعد رہا ہے۔

[illegible][illegible][illegible]

۲۵۔ ہیں اس لیے مترجموں نے رقم ٹکے منہ سار بات کو میرے بعد بنا
 ایک کوئی محسوس نہیں ہے کہ ہر دو ناگ سے تخریب تو کہہ سکتا ہوں میرے بعد

جو ہر دو نا کاخا قریب ہو چکا تھا تو پھر ان کا ہاتھ دالا تو گئی۔ ان کے حلق پر ماتم کرنے والی کسی
بہن کوئی نہیں ہو گا۔

(۳۵۵) سید بابا سید توحید خان دہلوی نے غائب میرے مرے کے بعد جب میرا
گھر رہائی نہیں دیا تو میری بیوی نے میری بیویوں کا حلقہ ان کے گھر جانے لگا۔
اپنے بھائی کی بیوی کی ذرا سے کوئی کر کے ۱۲ لکھ لکھ کو حضرت میری بیوی کی بیوی پرست
رہتا تھا ہے۔

غزل

بات ہے جو میری نظر دور و دراز سے نکلا شوق کو جس ہال پر دو دیوار
وفا اٹک نے کا شام کا کیا رنگ ہے میرے دہرے دہرے دہرے دہرے
میں ہے سایہ کس کو تو نے قدم پر پا کر دیا ہے میری قدم پر کس کو تو نے دیا ہے
پہلی سے کس کو تو نے اپنی سنہ چلو ۱۲ کس کو تو نے کس کو تو نے دیا ہے
جو ہے مجھے سر سوئے اپنی رگوں ۱۲ کہ ہیں دکاں۔ تاج الفکر دور و دراز
اجو میری کمان کب کیا میں نے ۱۲ کو گر پڑے ۱۲ میرے پاؤں پر دور و دراز
وہ آہ میرے مسایہ میں تو سہا ۱۲ ہوئے قند در و دیوار پر دور و دراز
نظر میں کھینکے ہیں تیرے گھر کی آبادی ۱۲ بیٹے ۱۲ میں ہم دیکھ کر دور و دراز
دو چو بے خودی کھینکے ہیں مقدم سیلاب ۱۲ گنا چنے ہیں پڑے سر بسر دور و دراز
۱۲ ۱۲ کس کسی سے کنا کنا نہیں نہیں
حریف تو از محنت کس کو دور و دراز

(۳۵۶) ۱۲ ہے۔ ۱۲ جیسے کہ نہیں۔ ہماری ہلاکت ہے کہ تعلق ہے
کے دور و دراز میری بکھریں کے سامنے ہیں۔ ان سے مجھے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ کچھ ہیں
ہر گز نہیں۔ میرے کام صرف اسی قدر آتے ہیں کہ میری نگاہ میں جب دوست کے

ان دور و دراز میں سے نکلتی ہے۔ تو ان سے رگ جاتی ہے۔ سادہ۔ کاوش۔ بلکہ دوستوں
ملتی ہے کہ دوست کے در و دراز کو اور زیادہ ڈالنے کے دیکھیں تو گویا دور و دراز میری
نگاہوں کو دل پہ کا کام دیتے ہیں۔

(۳۵۷) دلور اٹک۔ کھڑے تھر تھر سے زور سے کرنا۔ دفر اٹک سے میرے کاٹ۔
دگر کا حال کیا کہ میری ریزہ ریزہ ہو گئی۔ پھٹا دیو میں سے خلیں نکل کر دور و دراز کی
صورت میں نہیں۔ دور و دراز دور و دراز میں گپ۔ یعنی اس کے تھوڑے تھوڑے ریزہ ریزہ کی دیرنی
سے جمع ہو کر بھر کر گویا دور کی دور میں گئی۔

(۳۵۸) دیو اور کاسیہ ریزہ اسے چند قدم کے تک پھیلا تو ہے۔ اسی دہال سے
کنا ہے کہ مقدم دار دوست کے آئے کی نوید رغو خطیری اس کے کمر سے تھوڑے دور و دراز
کے (اس کی بیوی کو کہنے لگے ہیں۔ لہذا جو بیان سے میں پر پڑا ہے۔ یہاں نہیں
جے بکھیرے دور و دراز میں ہیں۔ جو دوست کا غیر مقدم کر رہے ہیں۔

(۳۵۹) ۱۲ جہوہ سندھ کے جہوہ پلہ کی شرب۔ دوست کو خطاب
کے کہتے ہیں۔ کہ تیرے کے جہوہ کی زانیہ کس کند ہوئی ہے۔ بیٹے تو نے پناہ دیا۔
فکا زان کہ وہ ہے کہ تیری گئی ہیں ہر ایک گھر کے دور و دراز کس کی جہوہ کی تیرے
سے مست ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ تو ایک معشوقہ ہو جاتی ہے۔ ہر گز جاتا ہے اور سب
تیرے عشق میں متو۔ اسے جو ہے۔ اس کے جہوہ کی زانیہ صرف محبوب ہو جاتی ہیں کہ
صفت پرستی ہے۔

(۳۶۰) ۱۲ میرے اسٹار کسی کے اسٹار میں کہیں بیٹھے کا جن جن جناح نکلا
دیکھنے کی جس۔ ۱۲ دکھن جناح نظر۔ اسی دکان جہاں دیکھنے کی جس جناح دی گئی ہو میں گھر
بلکہ گئی۔ ہوا مقام رطلانہ کی دھڑک کہ جہاں بیٹھ کر آئے ہاتھ کو دیکھا جاسکے
دوست سے کنا ہے اگر ہمارے ہر گز کسی کے اسٹار میں بیٹھے کا خلق ہے کہ
اگر میرے گھر کے دور و دراز دکان میں نظر میں۔ یعنی تو ان میں بیٹھ کر کسی کا اسٹار
کر سکتا آتے جاتے کہ دیکھ سکتا ہے۔ یا ناگ جھانک نکلا سکتا ہے۔ حال شعر

یہ محبوب کو اپنے مہر کی کھڑکی میں بیٹھ کر دوسروں کے دیکھنے دکھالے کی طرح ایک
لٹا کر ہے ۔

(۱۲۶) جو درگاہ کا سامن کیا ۔ یعنی رونے دہونے کے لئے سستہ ہو گیا ۔ تاہم
ہے کہ جب دل پر کوئی سخت حد ہو کر آج ۔ تو انسان اپنے مکان کے کسی کو ملنے کو بھی
مستورہ ہو کر غائب رہتا ہے اور فطرتاً ہی یہ ہو گیا جو ہم گریہ کا سامان کرنا ہے ۔

جب کسی میں نے اپنے یہ درد و حساب رونے کا سامان کیا ہے ۔ تو میرے گھر
کے در و دیور میرے پاؤں پر گر پڑے گا ایسا نہ کرنا تاکہ وہ نہ گریہ سے یہ مکان بھی
گرد جائے ۔

مگر صحت نے اس مضمون کو ایک نئے طریق سے نظم کیا ہے کہ جسے بہت حیرت
میں کہتے ہیں کہ اب میں نے تم کو کوئی نصیحت کی اور تم میرے پاس سے اٹھ کر د
چلے گئے ۔

(۱۲۷) بسا ہے ۔ یہاں یہ لفظ ہم سارے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ
دوست ایسی مگر آ رہا ہے کہ سورج کا سایہ پڑا ہے تو ہمارے اہل اس کے در و دیور
کے مکان اسی ایک سایہ سے یکساں حور پر ڈھکے جاتے ہیں ۔ مگر یہ ہم سارے
میں کے رہنے لگا ۔

وہ میرا ہم ساوین کے رہا ۔ یہ ہم سارے میں تو بہ میرے گھر کی در و دیور
کا سایہ اس کے در و دیور پر پڑا ۔ تو میں یہ سمجھا کہ میرے در و دیور اس کے
در و دیور پر پڑا ہو گئے ۔ یعنی میں تو اس پر فائق تھا ہی اب میرا گھر بھی وہ جگہ
کے اس کے گھر پر قریب ہو گیا ۔ اور میں جہاں یہ کہتے ہیں کہ وہ میرے ہمسائے ہیں
کہتے ہیں تو اس سے بھی مزاحیہ کرتی ہے کہ وہ میرے گھر پر ہی رہتے ہیں ۔ میں
کے لئے ہر دردی نہیں کہ وہ جہاں رہا ہی رہا لیکن یہ ۔ مگر یہاں غائب نے عقل سے
کہے ہیں ۔ کہ کوئی دوسری زمین امتحان نہیں کی ۔ لہذا وہ نازک مفہوم اور پردہ آمیز کیا ہے ۔

(۱۲۸) میرے بغیر میں اپنے گھر کی ۱۲ اسی در و دیور رہتی ہے ۔ لہذا اب ہمیشہ
میں اپنے در و دیور اپنے گھر کو دیکھ کر رونے لگی ۔ فوس فوس میں کسی گھر کا اعتبار
اور ہمارے گھر کی بھی ۱۲ اسی میں رہتی ہوئی تھی ۔

(۱۲۹) سیلاب و طوفان کے خیر مقدم سے جو پیش میں سرست گھر کو گل ہونے سے
اس کی تھوڑی دیرت کا کچھ حال دیکھ کر میرے تو گھر کے کام در و دیور تک اسی سرست
سے در و دیور اب کے گلاب باغ رہے ہیں ۔ دھاتی گلاب در و دیور سے جو خوشی ہو کر آتی
ہے اس کے متعلق ایسے اور شعر بھی پڑے گئے ہیں ۔

(۱۳۰) فارسی میں ایک مثل ہے ۔ ”دو در ہم کوئی نادر“ اسی بنا پر شعر لکھا گیا
ہے کہ ہے ۔ حالت تو یہ بات کسی سے کہ نہ دیکھنے دیا میں دوزخیت کے ارے
میں کوئی کسی کا حریف میں ہے ۔ یعنی میرے ہر عقل تیری محنت کا کوئی رونا نہیں
ہے ۔ مگر اب ایک در و دیور پہلے دیوار ہم گولی لارو ۔ لیکن سے کسی سے تیری نہ کہت
کی باتیں میں دیوار میں لی کہیں ۔ اور وہ اس میں میرے حریف ہو گیا ہو ۔ یہ تیرے دوست
کا شوق ہو گیا ہو ۔

غزل

گھر جب بنا رہا تو در پر رہے بغیر ۔ اب جیسے گلاب بھی تو نہ مر گھر کے حبیب
کہتے ہیں جہاں رہی ۔ بکے لافہ سخن ۔ جانے اسی کے دل کی میں کہہ کر کے بغیر
کاہ میں سے آج ۔ کہ جس کا جہاں میں ۔ کہ سے کوئی نام ۔ کہ کے بغیر
میں ہی میں کہ نہیں ہے ہمارے ۔ مگر ہم ۔ کہ سر جاسے ۔ کہ کے بغیر
پھر وہ گاہیں ۔ اس بیت کا لفظ کا پوچھا ۔ پھر وہ عقل پر ہے کہ کے بغیر
نقص ہے ناز و غمزہ سے گفتگو میں کا ۔ کہ نہیں ہے حسن و جلال کے بغیر
پھر وہ جوت پڑا ۔ کہ کی گفتگو ۔ کہ میں ہیں ہے بارہ و ساغر کے بغیر
ہر اہل میں تو چاہے دو ہوا ۔ کہ میں سننا میں ہوں بات کہہ کے بغیر

۳۷۴
فلسفہ دیگر مکتبوں میں تو باہر عرض
فہرستہ تیرا حال سب ان کے ساتھ

(۳۶) تیری وہاں تکایت مسکو کہ تیرے گھر میں رہے ہیں تاکہ تم کو پہچان
سکتے ہوں۔ میں نے تیرے گھر کے بغیر تیری بلا جانتا ہوں۔ پہا گھر سے گھر کے
دروازہ پر پہنچا ہے۔ کیا یہ بھی تیرا گھر کے بغیر یعنی کسی کے گھر سے اس کا پہنچنا
بغیر نہیں چلے گا۔ مطلب یہ کہ پہنچنے کے لئے کوئی جگہ نہ ہو۔ کیا یہ کہ پہنچنے کوئی جگہ نہ
ہو۔

کہو مجھ سے دے۔
 ۱۳۶۷ء جب مجھ میں مصروفیت کے سبب ملاقات سخن و ادب سے بے تعلقی ہو گئی تھی
 تو اب یہی دور دورہ کہتے ہیں کہ میں کسی کے دل کی بات اس کے گھٹے بغیر نہیں سمجھ سکتا
 جتنا کہ بغیر کسیے جان سکتا ہوں۔ یہ ایک معشوہ قاصر ضمیر یعنی ہے کہ اب حاضر و غائب کے
 علم اس کے دل کا حال نہ سننے کی کوئی شکایت ہو گی۔

(۳۶۸) سب اس شخص سے مجھے واسطہ پڑا ہے کہ جس کا نام ساری دنیا میں کنی
منٹر لائی تم کے بغیر نہیں لیتا۔ گویا عقل کی مشکلات سے سخت پریشان ہو رہی ہے۔
(۳۶۹) اس سے جی جی میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جس کو ہم کہیں۔ وہ سمجھنے
کے ذریعے دے نہیں ہیں۔ مگر وہ اس میں ہمارا سروکار ہے۔ ہم وہ اپنے دل کو دے
کھینچے۔ اس سے جی جی نہیں کیا کرتے۔

دہلی ۱۳ اربوں اس کی قیمت کا فریالہم یا جملہ کے لیے جو اسے دے گا کہ وہ اپنی جگہ پر اس کا
حفاظت بحکمہ جس میں کہیں کہیں کہہ گا۔ مگر دہلی کا فریالہ یا کارپوریشن کے لیے جو اسے دے گا

۱۳۷۱) عشاق و شہزادہ ہفت میں ملاقات عمدہ چھپا کر کہتے ہیں ماسی علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں نے شہزادہ کے ناز و فرہ کا ہواں مقصود ہوا۔ وہاں عشاق کا دشت و شجر کے ہر نام میں چلتا۔ پانی و شہر و شجر اور لہجہ و نواز و فرہ کے ساتھ ہی۔ لہذا میں کہہ کر کہ صاحب ناز عشاق چھپا دیا جائے۔ لہذا صاف صاف بتا دے

غزوہ کا گہاں آؤ معلوم ہو کہ اگر کسی پر دشمنی ہو تو دشمن سخت مشکوک ہے چہ چہ ہو۔
حق تعالیٰ اس کے بارے میں کامیاب ہو جائے۔

(۱۳۷) مقلد ہدف حق، یعنی ایک ہمت کی حقیقت معلوم کر کے جب کوئی نتیجہ
پیدا کر گیا ہو۔ تو اس کو مثلاً ہدف حق کہتے ہیں۔ مگر جس مصنف، شاعر، فن، مہر
وہ امور کہتے ہیں جو ان کے خلق میں اپنی صورت کے پیش یا راستے پر۔ جیسے خدا سے
مکر کر کے اور اصل حق ہو، یعنی اصل حق تعالیٰ پر نہ تصدیق کرتے ہیں بلکہ خدا کے خلق کی
گوشت و ہڈی ہم جنوں ہی سے نسبت دیا کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑے خود غیور و عزیز و صاحب
شعرا و شاعرانہ ہیں جس کی زینتوں کی گفتگو بھی ہو تو وہ دوسرا جیسے کفارہ کہتے ہیں
ان کے کہنے پر وہ نہیں ہوتے۔ نہ بد و نہ بد کوئی بلکہ انہیں کہتے ہیں کہ عام فہم ہی میں
سکتی۔ دراصل یہاں خدا کے الٰہی مذہب کو بت دیتے ہو کہ جس بد و نہ دوسرا کو بت دیا
جاتا ہے۔ وہ بھی کوئی گفتگو میں مکرنا نہیں بلکہ اسے کوئی لپکا کرتے ہیں۔

(۳۴) میں اگر کان سے ہر ہوش کو توڑیں تو میں کچھ تصور نہیں بنے گا میری حالت کا یہ ہے کہ آپ کو کچھ پرانا ناگفتا دھربان کر دیا جائے گا کہ وہ بات کو دہراتے ہیں کیونکہ میں ہر ہوش کی وجہ سے ہر بات کو کہنے کے مستعد تھا کرتا ہوں۔ دہرا فاقہ بڑھ چکا ہے کہ اگر وہی سننے کے لئے اسی طرح اشارہ ہے اور وہ سننے والے ہی اس حالت کو مرنا کے بیان کی گئی ہے۔

(۳۴) سے نائب و حضور میں بس پادشاہ واصل (پادشاہ ظفر) کی بارگاہ
 مجددیہ بار عرض حال مگر کہ کوئی راز شکستہ حال نہ دے کہ پھر میری ہوشیاری سے

غزل

میںوں جن کو داتا گنج بخش نے دیکھ کر ۱۵۰۰ء میں اپنی طاقت و دلائی بھکر
آتش چیت کھتے ہیں، اہل جہاں بھگتے ۱۵۰۰ء سرگرم نالہ ہائے شہرہ ہار دیکھ کر
کیا برسرِ عکس جہاں قاصم ہو جاتا ۱۵۰۰ء دیکھتے ہیں تم کو بے سبب آرزو دیکھ کر

(۱۳۹۰) انجمنِ اہل سنت کا نوسیل دوست کے ہاتھ سے نیکم ہوتے ہوئے سیکھنے کا راز یہ ہے
مشائخِ پاکر دوست نے نیکم کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ دوست اگر اس نے ایسا کر لیا مطلب
یہ کہ وہ ہم پر دوسرا نیکم کرنا چاہتا ہے۔

۱۸۳۳ء میں ایک شعر لکھا۔ یہاں مراد وہ شخص عروا بن محمد
شاعری کے علاوہ سب سے دقوت رکھتا ہے۔ کچھ جانتے ہیں۔ ہم آپ شاعری کے ساتھ
یہاں مراد ہم سب کسی کو پختہ شعرا مانتے ہیں۔ اور پانچ سو سال قبل صرف ایک عالم کی
پڑوس کے ہاتھ پر بیچ ڈالتے ہیں۔ تو پختہ شاعر بننے کے ساتھ خود بھی کچھ جانتے ہیں جو کچھ
اس شخص کے جہان کے احسان اس کا برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ ایک اور شعر میں لکھا
تالار آدمی کے لیے کھینچنا سہا ہے۔ اور شعر دھاری سے واضح ہو۔

[illegible]

۱۳۔ ہم شعر و ادب، دس کے آدھے، اگر سخی کے کانٹوں کے ٹکڑے زخمی ہو جائیں
کو ایس جنت کو بچے علی میں بہت سہرا بنا کر لے گئے ہیں، دسان ایس کا طعنہ چھڑھ کر
دیگر عتہ نہیں کرنا پڑے، بلکہ بغلی کے کانٹے چھوڑ کر ان سے پیب بھگا کے چھا کر لیا
کر لے آئی، یہ نہایت شعر و ادب دس کے آدھے دیکھ کر گھبرا گیا تھا، کہ کہیں تو کوئی کڑھ جتنا
پہنچ کر کر دیکھو گئے دوست بہت پر غصہ ہے، بہر حال خوش ہو گیا ہے، کہ وہاں کہنے
سہرا آبلوں میں جھانک رہا ہے، اور چنے جو ہاٹی میں لے دے۔

۱۳۴۳ھ میں شعر میں دوست کی ہنگامی کا حال بہت ہنس مکھ کے غرض بیان کیا گیا
 میر تقی میر نے کیا حیا ہے۔۔۔ مطلب شعر۔۔۔ دوست مجھ سے کس قدر ہنگامی ہے
 کہ نہ تو میری عزت کی وجہ سے دوا دے رہا ہے نہ میری وجہ سے کسی نے غصہ کیا ہے نہ میری وجہ سے

اس سب میرے آنکھوں میں ایک ٹھنڈا سا زنگار سج رہا تھا جو میرے آنکھوں میں نہ نہ
 گئے تھے پہلا ہوا ہے اور محض چنی چنی سے اس نے یہ سبیاں بکھری ہوئی تھیں
 آنکھوں میں بٹھا ہوا ہے وہ وہاں وہ کس کس سے وہ وہی کو چھوڑ کر گئے تھے
 گئے تھے۔

۱۵۴۲ء میں شعریں لکھائی طرف خطاب کر کے شاعر کو سوجھی گویا۔ مصلحتاً نشان
مبیت کر کے لکھ کر شمس کو بتا دیا کہ ایک انہما ہے جسے شاعر نے سنی ہے۔ چنانچہ اسے
ایک اور جگہ پر لکھ کر خود کو مستحکم کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔

فدائے بنی سطرین بولیں دی خالتہ ہم میں کب سے بدتر ہے کچھ کھوار کھینچتے تھے
 بہت سے تھے کچھ کے لئے نہ کہ ہیں ہم پر مرنے کا ہے قہر

دوسرے پر یہ کہ وہ طور پر دھواں مہری ہے، جو ایک ہزار اس طرح ہر حق میں کہ کسی ایسا نہ ہو کہ اس سے کیا نفع، صاف ہے کہ، شرب بہاں جانی ہے۔ تو سقہ شرب کیسے نفع خود بھی شراب کا نفع دیاں مراویں کہ شرب پینے کے جوئے کو دیکھ کر تو معلوم جانی ہے کہ اب کہہ طور کا یہ نفع نہ تھا کہ وہ خود کے زبردست جلا سے کے بڑا اشت کرتے کی انتہے تک پہنچا، پھر وہ اس سے جو کہ بالکل خاک سیٹا ہو گیا، پھر جسے اس کا نام کہ کہ ہے۔

۱۳۸۶ء کی حالت شوریدہ حال کا رہتی تھی دیواروں میں گے مغز میں خورد خور مسموم
اس کا سر پڑنا بڑے ٹھکر دیوار پر لٹک کر گڑ گڑا گیا کوئی اس کے ساتھ اپنا سر نہیں

عزیز

از تاج مہر و ز محبت ہر پر خدشہ پر ۲۰۰ میں ہوں و اقطار شہر کو ہندوستان میں پر
دھڑکی حضرت پڑھنے لکھنے کی آرزو ۲۰۰ سفیدی دینا یہ قطب کی بھڑکی جتنے تاج پر
خاک طبع ہوں چھوڑی ہوں میں نے ۲۰۰ کو بھول دیا ہوں ہفت بجت تک پڑھ رہا ہوں

یعنی اس بزم یا دوغاک و درت دل کو جو پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے اس میں
ہمکنہ فی سبب کی مدد کر کے سرخس کر سکتے ہیں۔ اگر اس بزم و دنیا میں کوئی چیز چاہے
میں کیا کرے (بغرض حصول سترت) تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی کہ جیسے
پیچھے کی پشت (پس) چٹیاں ہو ایک سبب و حشمت ہے۔

غزل

جنوں کی شہرہ کیسے ہو کر ہوئے غریبانی ہم گریباں چاک کی توتیا ہے میری گردن پر
رجب کاغذ آتش زدہ نیرنگی سبب بتائی ہم ہزار آتش نڈل: ہمارے ہے نہ کیسے کون پر
نکلت ہمکیش ہفتہ کا ایک ہفتہ ماہ ہے ہم متوجہ رہے کوئی سے جس نے ہر نہاں
ہم کو وہ بے سبب ہے شاد و غم کر کے ہمارے شعلہ دوست جہت نکلی چشم بزدن ہے
منا کو سوئے گشتاق ہے اپنی حقیقت کا ہم فرود لا رہے ہاں کچھ رگ و گھٹاں ہے
۱۳۳
بندہ سیر ہے کس انداز کا نال کر رہا ہے
خوشی نہ کر خون روں ہم میری گردن پر

(۱۳۸) عشاق کو ناوہا ہوتے ہیں گردہ دہانے ہوں اور جو اسباب دیوانگی
ہیں جنہ گریباں چاک ہوں۔ کچھ ناوہرہ و غیرہ ہاں کو حضور حاصل ہوں نکلیں
کا جنوں اور جیسے اسی سبب سے کشا ہے۔ میں نے دیوانگی میں اپنا گریبان
چاک کیا۔ تو غریبی نصیب ہوئی۔ کھلا رہی ہوں۔ تو میرے جنوں
کی دستگیری بخشنے میں کی۔ نہ تو کوئی کرتار مراد کہ میں جب دھکا دھکا ہوں تو سب نے
ہلکے دیوانہ جانا، نہ وہ گریبان جس کو میں چاک کر چکا ہوں اس کا میری گردن پر حق
ہو گیا ہے پیچھے سے لے کر ہم پر ایک گود احسان کیا ہے۔
(۱۳۹) بزم۔ شل و اندہ کاغذ آتش زدہ۔ وہ کاغذ جو آگ لگ
کر تباہ ہو جاتا ہے۔ ہم کو اس کوڑا سے جاتی ہے نیرنگ جیتی بی بی

کی نیرنگی یا بزمی کی کوئی صورتیں بدلتا ہاں ایک بزمی۔ یہاں بزمی سے
مواوہ کھانا پڑا ہے۔ جو کاغذ آتش زدہ میں پڑا کر لیتا ہے۔ اس ایک
بزمی پر ہمارا کاغذ آتش زدہ کی تباہی کی ایک ایک پرواز ہو رہی۔ ہاں کر
جس کدہ اوٹھا جاتا ہے۔ اس حندی پر، ہزار تکتہ ہزار ہاں مرتبہ۔

گستاخ ہے میری بزمی کی دل کوئی کوئی صورتیں بدلتی ہے۔ یہ بزمی بزمی
کاغذ آتش زدہ کی طرح (ا) اس کی وضع، نصیب دہکے پہنچے تپنے کی ایک ایک
پروردہ پر مر د کاغذ آتش زدہ کے وہ ہزار ہاں پرندے جو ہاں میں پرواز کرتے ہیں۔
اس کے ایک ایک پرندے کے اوپر جبکہ وہ ہوا میں اڑتا ہو (ب) ہزاروں مرتبہ ہر
دل کو ہفتے سے دھن دھن کرتے کہ اس صحت میں جبکہ کاغذ آتش زدہ کے
لاکھوں پرندے ہوا میں اڑتے ہوں اللہ ہر پرندے پر دل عاشق کوڑا۔ ہاں مرتبہ
باقی دہکے ہوا کو اس کے دل کی پریشانی کی کیا صورتیں، اختیار کرے گی۔

(۱۴۰) ہم آسمان پر اپنی اشیاء میل کے لئے و رفت و گشت ہو چکی ہے۔
دہاں مراد جس کو آسمان ہم سے نہیں چکا ہے، کیا کیا نقصان کرتے ہیں پیچھے میں
سے حکمت ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ہم کو وہ واپس دے۔ گویا ایک محتاج بروہ
یا وہ مال و محتاج جو ہم سے کوئی پورا پورا کرنا گیا ہے۔ ہم اس کو ہر نہاں
زور قرض بھر رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ وہ قرض کسی طرح وصول
ہو جائے۔ جو غیر ممکن ہے۔

(۱۴۱) بزمی بزمی آریا۔ بزمی کی سبب سے لوگوں کو راج پہلے
ہاں کی ترمیم کر کے والا۔ شہاب صبر۔ آفتاب کی کرن۔ چشم روہ (ن)
مکان کی کھڑکی۔ ہم ہیں وہ وہ بزمی کو کو دیکھ دیتے والا دشمن
ہاں کے مکان میں سورج کی کرن پڑے تو صحت کا ہے۔ کہ کسی کا
اس کے مکان کی کھڑکی کی طرف پڑی ہے۔

(۱۲) فروغ طالع عاشق۔ گلشن پہوش کو ہلاتے ہیں۔ تو شمع
مٹتا ہے۔ گویا وہ اس کی قسمت کا فروغ یا چمکا ہے۔ اگر تو اپنی حقیقت کا
مشتاق ہے۔ یعنی اپنی اصل حقیقت دیکھا چاہتا ہے۔ تو اپنے آپ کو فنا کے
حوالے کر دے۔ یعنی خودی کو ترک کر دے۔ جیسے گلشن پہوش کی قسمت
جب چمکتی ہے۔ جبکہ موقوف گلشن ہو۔ یعنی اس کو بجلی میں ہلانے کے واسطے
وقت رکھا جائے۔

(۱۳) اتم کس انداز کا بسل ہے۔ کہ پہنے قافی سے کتنا ہے کہ تو مشق
نازکے جا۔ (یہ مشق نازک رہائی گویا قفس کرتا ہے۔ در اس خوف سے کہ یہ
فون ہے گناہ ہے۔ اور اس جہان میں بے قافی پھیرا کر سزا دی جائے گی اور
انگے جہان میں بھی تو جواب دہ ہوگا۔ ہرگز نہ ڈر کیونکہ یہ خون و د عالم یعنی
دو دوزخوں کی طرف سے تھم پر خون کا الزام ہونا۔ مہر ہی گردن پر یعنی وہ
دو دوزخوں میں تیرے لئے جھلکتے ہیں۔)

۱۴) شمشیں مصطبت سے ہوں کہ غروب تھم چہ عاشق ہیں
تکلف ہر طرف لی جائیگا تھم سار قییب آفر

(۱۴) میں تیرے ستم ایک مصطبت سے برداشت کر رہا ہوں۔ وہ
مصطبت یہ ہے۔ کہ خواہاں (ہست سے حسین) تیرے عاشق ہیں۔ اور عاشقوں
میں رقابت ہونا ایک لازمی حربہ ہے۔ لہذا ان عشاقی میں سے کوئی کسی کے ساتھ
جھگڑا پیدا کر بیٹھا۔ (اور تو مجھ سے کن رکش ہو جائیگا۔ تو کوئی نہ کوئی حسین
ہو تیرے اس آفران ذکر عاشق کا رقیب ہوگا۔ مجھ سے "تکلف ہر طرف" یعنی
آفر لاہر مل جائیگا۔)

دوسرے معنی۔ یہ کہ بہت سے حسین تیرے عاشق ہیں۔ جن میں سے

تو کسی کو چاہتا ہو۔ تو وہ یہ دیکھ کر کہ تو میرے مستحق ہے۔ تیری دشمنی پہنے
رقابت کی وجہ سے آفر لاہر میرے ساتھ آ بیٹھا۔ تو گویا مجھ کو جو سب حسین مل جائیگا
ہو کہ اس امر میں تیرا رقیب ہوگا۔

غزل

۱۵) وزم تھا کہ دیکھو موار سنہ کوئی دن اور
۱۶) مٹ جائیگا ستر گز زینت نہ گئے گا
۱۷) آئے ہو گل اور آج ہی گئے ہو کہ ہاؤں
۱۸) جاتے ہوئے گئے ہو قیامت کو نہیں گئے
۱۹) ہیں اسے لکھ پیر جوان تھا ہی عارف
۲۰) تم مام شب ہمار دم گئے مرے گھر کے
۲۱) تم کون سے تھے ایسے کھرل دو ستر کے
۲۲) مجھ سے تھیں نفرت کسی تیرے مرنے کی
۲۳) گزری نہ پیر حال یہ مدت فوش نا فوش
۲۴) ناداں ہو جوتے ہو کہ کیوں بیٹے ہو عاشق
قسمت میں ہے مرے کی لٹا کوئی دن اور

(۱۵) زمیں اب ہمیں متعلق ہے عارف مرزا غائب کے ایک عزیز تھے
وہ جب مر گئے تو مرزا نے غزل تو وہ کے مور پر لکھی تھی۔ یہ پڑھ کر غایت
دردناک غزل ہے۔

شاعر عارف سے غائب ہو کر کٹ ہے۔ قیاس لارم تھا کہ (ابھی نہ مرنے
اور) مجھ دونوں اور ہمیں ضروری مدت تک مہر دار سنہ دیکھتے۔ گویا میرے مرے
لا انتظار کرتے۔ اور مجھے بھی اپنا ساتھ ہی سے چلتے۔ اب جو حکم تم تنہا پہنچ گئی ہو

بہی لڑی مرے اور مجھے ساتھ نہ لے تو بیسیوں کیا تو اچھا اب بکھرن اور تنہا
قریب رہا اور پھر ہم کی تم سے میں نے بہی مرکز

(۲۱۶) تیرے وہ پرانی بکھرت اور ناصیہ فرسا ہوں، یہی تیرے گھر کی
دہریے تجرہ ز فدا تم سے ایک دنوں اور بطور نام پن سرور اکوٹا، اگر کسی
پر ہجر نہ گئے گا جس کے گھسائے گئے بہت سنا دہرت درکار بھٹی (تاہم اس
توڑنے سے ماتم تیری کے حوصلہ میں میرا سر تو اس تیرے ٹکڑے ٹکڑے ضرور
مٹ جائے گا۔

(۲۱۷) جو ٹکڑے صرف بہت بڑی لڑائی کے نہیں مرے گئے بلکہ جان مر گئے تھے کھانا
ہے لی جی تو تم آئے تھے (یعنی اس مہمان سرائے دنیا میں) اور آج ہی کہتے ہو کہ
جاؤں۔ یہی مر جاؤں۔ یہ مانا کہ یہاں ہمیشہ کوئی نہیں رہنا۔ اچھا تو غور سے
دلائل اور قیاس دہتے۔

(۲۱۸) تم جانتے ہوئے (برہان صاف) کہتے ہو کہ اس بی بی مت کو
میں گے۔ (کیونکہ اس میں یہ عقیدہ ہے کہ سب مرے گا، اسے قیامت کو
مجھ ہوں گے) کیا خوب! ابھی قیامت کا کوئی دوروں ہے جو جسے والا ہے
ہمارے گئے تو یہی آج کا دن قیامت کا دن ہے۔ کہ تو ہمارے عزیز ہمارے
وفات پا گیا۔

(۲۱۹) عارف کی میت سے باتیں کیلئے کرتے اب مصنف آسمان کی طرف
مخاطب ہو کے کہتا ہے۔ ہاں اسے ظلم پر (یعنی تو اس قدر بڑھا ہوئے کے تامل
لڑ رہے) ہنوز عارف جان تھا۔ تیرا کیا بڑا نا، اگر وہ چندے جیتا رہتا۔ اور
اسی دنیا سے نہ ہاتا۔

(۲۲۰) ہر عارف سے مخاطب ہو کے کہتا ہے۔ تم میرے گھر میں ماہ شب
وازد ہم یعنی جو دعویٰ رات کے پھاڑ گئے۔ یہی میرا گھر تھا جسے ہی دم سے
وشن تھا۔ رقی الحقیقت مرزا نے اور دہتے اور عارف ہی سے گھر میں بڑی

(۲۲۱) ہر عارف سے مخاطب ہو کے کہتا ہے۔ تم میرے
گھر میں ماہ شب چہار دہم یعنی چودھویں رات کے چاند گئے
یعنی میرا گھر تھا جسے ہی دم سے روحانی قدرتی الحقیقت
مرزا نے اولاد لے۔ اور عارف ہی سے گھر میں بڑی روح
یعنی) پھر صبح چودھویں کا چاند ہی کچھ دنوں پر اب قائم رہتا
ہے۔ اور کھینچتے کھینچتے تھی دنوں میں ہلال من کے غائب ہوتا
ہے۔ تو تم دینی عارف) کیوں ایسے دھوکے مر گئے۔ اور
میرے گھر کا وہ نقشہ یعنی وہ روحانی کچھ دنوں اور قائم
نہ رہی۔

(۲۲۲) د دوست لین۔ دین دا دوستد کے گھر سے
یعنی لین دین میں کسی طرح کسر نہ کھانے والے۔ یہ کہ
دا دوستد سے یہاں جان کا بیٹا دینا مراد ہے۔ تو اس
مسلک میں کوئی نہیں گھرا نہیں سمجھتا۔ جب خدا جو ہے
جان دے کے پیدا کر سکتا ہے۔ کوئی یہ تقاضا نہیں کر سکتا
کہ مجھے کچھ دن پہلے کیوں جان نہ دے دی۔ یا ملک الموت
پہلے جان لینے کو آتا ہے۔ تو کوئی مرے والا یہ عذر نہیں کر سکتا
کہ ابھی وہ میری جان نہ لے۔ تو اسی خیال سے شاعر عارف
سے کہتا ہے۔ کہ تم جان کے بین دین کے معاملے میں کوئی
اپنے گھر سے گئے ذہنی یہ بات تمہارے اختیار سے اختیار سی سے ہر
پہلے (یعنی) تو پھر اس پر تلافی ہی کیا کر سکتے تھے۔ کہ ملک الموت
دیکھا ہی جان لینے کو کچھ دنوں اور تم سے جھگڑاتا رہتا اگر
اب نہ دے گا۔ اور اب ہر اپنی جان اتنے اس کے
والے کر دی۔

(۴۷۷) ہسی کا نفا ہنوں اوقات فرض کر کے سورج
 پر مستقل چڑھا ہے۔ مثلاً تم (اب ہسی یعنی فرض کیا۔ کرم
 (اب چہ۔ اس طرح میں تیر سے مراد فالت کا ایک شکر
 مشہد ہے۔ فرض کیا کہ چہ سے نہیں حرکت مٹی۔ اسلئے دنیا
 سے چلے گئے۔ اور بالفرض تیر سے رانی مٹی۔ اس
 کو بھی تیر (اگر کیا اپنے بچوں یعنی اولاد کا تالاف دالہ کی
 کہیں کر دیکھ کر مثل والدین کے سخت اٹھانا) میں نہیں نکد
 دتا۔ کہ انہیں چہ زکر مر گئے۔ نہیں انہی کی خاطر ابھی کچ
 مت اور چیتا چاہئے تھا۔

(۴۷۸) اسے جو ازگ عادت جس طرح تیری اتلی عمر گند
 گئی مٹی۔ وہ غرضی کے ساتھ باغرضی سے اب اسی طرح
 کچہ دلوں میں جیتا رہتا دکر رہیں اپنے جو ان موت مرے کا
 صدمہ نہ دیتا۔

(۴۷۹) اگر۔ تر نادان ہو۔ یعنی ایک خاص راز سے واقف
 نہیں ہو۔ کہہ سکتے چہ۔ کو فالت رعات ایسے عزیز کے
 مرے کے بعد) اب کہیں چیتے ہیں۔ وہ اصل وہ راز جو تم
 سے چھپا ہے۔ چاہے کہ، میری قسمت میں ابھی مرے کی تمنا دینے
 جو ازگ ہند کے صدمے سے اپنے مر جانے کی آرزو کرنا، کچہ مت کے
 دو دنی و قائم ہے۔

غزل

نارنج چھہ د جان کہ مانند صبح دہرہ وہ ہے دایہ عشق نیت جیب کفن چہ
 ہے کونسلوں زنا و ست و لہو چہ وہ ہوں غمزدہ دل شرفی دایہ کہیں چہ نہ
 بجا ڈھک میں یہیں خاک میں نہیں وہ نہ کیجئے چہ جیتا ہوا دلی چہ

(۴۷۵) صبح دہرہ آفتاب صبح کو نکلنے لگتا ہے تو وہ گویا صبح کا گیدون چاک
 کے تمام دن حرکت کرتا ہے اور یہ اس کی مصروفیت ہے۔ دایہ عشق۔
 ہی شر کے راز ایک مثل: فالتا چہ کے گرم اور روشن ہر اکرتے جیب کفن
 جب کفن پہنتے ہیں۔ (ایک اکرتا کفن کے کپڑے کمر دے کے گریہیں دیر
 بناتے ہیں صرف ہوتا ہے۔ یہی جیب کفن ہے جو پیٹے پہنتا ہے۔ اسی سے
 گویا دایہ عشق دایہ ہوتا ہے۔

چھہ د نارنج دہرہ دکر مرے غلامی (اب) بلکہ جس طرح آفتاب چھہ د کہیں
 چاک کر کے تمام دن روشنی کرنے میں مصروف رہتا ہے میرا دایہ عشق بھی
 (چھہ د میں ہے) جیب کفن کی نیت نہا ہے۔ یعنی وہیں سے گرتا ہے
 روشنی کر رہا ہے۔

(۴۷۶) قاعدہ ہے۔ کہ انسان فریب نہ جائے۔ تو وہ اپنی گزشتہ قوت
 و تہمتی پر فخر کیا کرتا ہے۔ اسی طرح کہتا ہے۔ جس طرح فلسفوں کو دہرہ
 دست رفتہ یعنی اپنے منہ شدہ مل پر فخر کرتا ہے۔ میں بھی اپنے راز
 کہیں کسی پر سے زخم کی دہرہ اب اچھا ہے کہ سنا طوفانی یعنی طوفان آدلی
 کے چہ دلوں کو گویا گھوڑوں ہیں۔ مطلب یہ کہ ان پر ہوا چھلک کر تاروں۔ کہ
 عشق میں مرنے بھی ایسے زہر دست صدمت اعطاس کے دلیا جھٹکتے تھے۔
 (۴۷۷) چٹکی نسبت شہر سے۔ کہ اس میں خون کا اجتماع ہوتا ہے
 ہندو ایسا دہرہ۔ ہر میں خون کا ذخیرہ مرا ہے۔ یا مشراب خون کا سینا۔
 نڈا قدیم میں مشراب ہی تھا ہر خون کی طرح لال رنگ کی ہو کرتی
 تھی۔ چھو کہ کھینچا۔ لگا۔ لیاں پینا یعنی کسی بات کی خواہش میں چھو
 جرتا۔

میرے چکر کے ذخیرہ خون میں خاک بھی نہیں رہی ہے۔ یعنی سب
 خون ہر سے لکھتا ہے۔ اور وہ نہایت پیرا دلی (خاک مسروق) ہر چاہاں کے رہا ہے۔

یہی میرے اور غریب کا خواہشمند ہے (یہ کہان سے لاول) +

غزل

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز ہم دعا قبول ہو یا رب کہ عسر و حزن و آواز
نہم ہرزہ بیادوں تو دیر دم و جوہر ۱۹۹ ہند تیرے لہر میں میں لہجہ غور
دھار جہرہ ترشکے پر دلع کہاں سوچ کو کیجئے آمیزا اختلاف کہ پر واز
ہر ایک ندوہ عاشق ہے آفتاب پرست اسہم گئی نہ خاک چوٹے پر ہم لئے جلوہ ناز

۱۹۹۹ +
ذیل ہے وسعت بخاندان فاسد
جہاں یہ کاسہ کج دل ہے ایک خاک ناز

(۱۹۹۹) فسون خاندان عام طور پر کوئی مقصد یا نظر ہو تو اہل ہند پر تو فانی
کہ اندک کے نام پر نہ دنیا زدیا کہتے ہیں۔ اور فسون چارہ دو کہتے ہیں۔ تو فسون
کے معنی فز و دنیا کا جادو جوہر۔ عر و حریف۔ یہ بہت ہی تپا ل کی ہے +
نامی سے فریاد کر کے کہتے ہیں کہ خدا۔ اگر میری نذر نہا نہ کا جس پر
اس قدر صرف کر دیا کہل (جادو۔ حریف مطلب مشکل نہیں۔ یعنی بدھند کا
جادو میری امید کی مشکل کا حریف نہیں بنا۔ یا اس کا حل کہنے کا نہیں ہوا
تو دیکھ کر کتنے کہتے ہیں۔ اچھا) یہ دعا قبول کر۔ کہ غریب کی عمر دراز ہو یعنی وہ آواز
ہے کہ ابھی جیتے ہیں اور اس کی عمر پہلے بھی بہت زیادہ تھی اور ابھی اور بھی
دراز ہو گی۔ مگر جب مری۔ دعا تو سننے لگا۔ تو شاید اس کے پرکھیں تو اس کے
بھی ابھی عر و حریف کو بھی فز و کو کہہ دے گا، یا دیکھا وہاں میں مولیتا حالی نے
اس غریب کا سلوہم نکھا ہے۔ کہ عشت کہتے ہیں کسی مشکل مقصد کے حل پہلے
تو عر و دنیا کے کچھ کام نہ ہوا تا جا رہا ہے دعا مانگیں گے۔ کہ ابھی غریب کی عمر

دراز ہو یعنی کسی چیز طلب کر رہے ہیں۔ جو پہلے ہی دی جا چکی ہے +
اس شعر پر اعتراض ہے کہ جب انسان امید کے ہونے کے لئے سخت
کوشش کرتا ہو۔ اور وہ امید ہو تو اسے تو اس کا وہ چیز طلب کر رہا ہو پہلے ہی
حاصل ہے پس اگر اس سے نائدہ کیا ہو گا۔ خصوصاً عاشق جو ایسی دعا مانگتا
ہے اس کو کیا تعلق کہ غریب کی عمر دراز ہو۔ میرا تو خیال یہ ہے۔ کہ خدا عر و حریف
طعن کرتا ہے کہ جب تو ہماری سفید مطلب دعا میں قبول نہیں کرتا تو کیا
اب ایسی دعا میں مانگ کر رہے۔ کہ جن سے ہمارا کچھ مقصد نہ رہے جیسا کہ عر
غریب دراز ہو۔ اور میرے ممکن ہے کہ ہماری فساد سے تو ایسی قبول کی مولیٰ عار
سے بھی بوجہ ہمارے خاص طور پر اسد مانگنے کے اپنا منہ پھیرے +
تفسیر کے معنی :- کہتا ہے کہ فسون نیز بھی جب ہماری مشکل کا حل
دے کرے۔ تو یا رب دعا قبول ہو کہ عر و حریف دراز ہو کہ وہی لب ہماری مشکل
کو عر و حریف جانتی ہے۔ حل کرے گا۔ دھند شہر ہے کہ تو اب غریب چاہے
تھے یا جس طرف سے گزرتے تھے۔ ہرزہ جید ہو مانگنا۔ اسی سے غریب کے
سوی ہرزہ کے ہیں۔ یعنی ان کے قدم کی ہمکت سے وہ گوں کی تہائیں سرسبز مری
تھیں۔ تو اب عاشق کی مشکل تو ابھی غریب کی حل کر رہے گے۔ اور وہ بھی سنے
عر و حریف کے لئے کہ جب خدا ان کی عمر میں اور درازی کر دے گا +
(۱۹۹۹) - ہرزہ - یعنی چہرہ کا سوں میں تعین و اوقات ذکر مثلاً بیروں
اور وہ ہم وجود نہ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوست پر عقیدہ نہ کر کے دنیا
را کہ خدا کے سوا بھی یہاں کسی چیز کا وجود ہے۔ تو ایسے دھم دھم کے جواہر
ہیں گا مزن ہونے سے ہار آ۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تیرے تصور میں ابھی ایسا
فرد کے خواہات میرے پاس ہیں (شعب سے سواد معنی اور فرزند آسمان)
کہ کچھ بھی ذاتی دھم نہیں رکھتے اور سب کچھ وہی ذات پاک ہے
جس شریعہ کے اصول ہم دوست کا ہند رہ +

(۱۳۰) اگر یہ شعروں پر ہے

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں

کہ دیکھے آئینہ اشعار کو پرواز

تو شاعر حین غالب کے معنی جو کچھ گھسیٹ کر لکھتے پڑتے ہیں۔ دوست میری کہ وصال دوست ہونے جلوسے دکھانے والی چیز ہے مگر سہاگے دماغ کو طاقت برداشت کہیں کہ آئینہ اشعار کو پرواز دے دے یعنی اشعار کریں۔

مگر نسخہ حیدر میں یہ شعر یوں تحریر ہے

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں

کہ دیکھے آئینہ اشعار کو پرواز

تاہم ممکن ہے کہ کتابت عملی غلطی ہو اور یہ شعر اس طرح ہے

خیال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں

کہ دیکھے آئینہ اشعار کو پرواز

آخر اندک شعر کے معنی یہ ہوئے کہ خیال میں مشرق کے جلوے کا تماشا دکھا سکتا ہے یعنی وہ نظم مشرق ہی کے جلوے کا نظارہ بن سکتا ہے لیکن ہمارے دماغ میں اب طاقت کہاں رہو جو ضعف دماغ کے لگائینے اشعار یعنی آئینہ جس میں اشعار رہتا ہو۔ مراد دل کو اتنی پروا نہ طاقت ہو کہ کہاں اصل کردہ جلوہ یا جیسے اعلیٰ تصور تک پہنچ سکے۔

(۱۳۱) خاک پر ہے پر یعنی مرکز بھی اس کے جلوہ ناز و ناز و ناز کے پیکھے کی خواہش نہ گئی۔ چنانچہ وہ آفتاب کی طرح جہرہ ناز دکھاتا تھا عارف کا قبر میں ایک ایک کردہ آفتاب پرست بن گیا ہے۔

(۱۳۲) خاک اٹھا۔ کوڑا کرکٹ ڈسے گا۔ تن۔ اسے غالب جنون کے پھانے کی صفت کا حال کیا پڑھتا ہے وہاں تو یہ آسمان کا کاسہ دھڑلے ہی ایک خاک انداز کے برابر ہے۔ یعنی اس کے سامنے اس قدر عظیم الشان

مراد ہے کہ ہم جن جن آسمان سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

دوست سنی کرم دیکھ کر مرنے سے رکھ ۱۳۳ گزرتے ہے آبلہ پا امیر گہر بار بہروز
یک نظم کا غزل آتش زدہ ہے صوفیہ وشت مہر عشق پامیں ہے تب گری زلفا پڑے

(۱۳۳) اس کی کرم بخشش کہنے میں محنت اور کوشش کرنا مرنے سے

فاک۔ زمین کے اس سرے سے اس سرے تک

عمل بخشش میں محنت اور کوشش سے کام لینے کی یہ مثال دیکھ کر اگر

ہم گہر بار سے یعنی جب وہ ہست ہے تو اس کا پانی سیپوں میں جا کر گہر

بن جاتا ہے۔ تاہم وہ اپنے پاؤں کے چھپاؤں کے باوجود وقت سے چلتے ہیں پڑیں کرم

فاک زمین سے دوسری زمین تک آتا ہوا چلا جاتا ہے۔ (آپہ پا

یہاں مراد قطرہ امیر اور محنت سے آبلہ پڑنا۔

(۱۳۴) ایک نظم۔ سرسبز۔ بھی میرے پاؤں کے نقش میں چلتے ہیں

گری پھا جاتی ہے۔ اس کی نپ با حاربت سے صوفیہ وشت یعنی جنگ کی

سرسبز کا غزل آتش زدہ (جہرہ) کا غزل بن گئی ہے۔

غزل

کیونکہ اس بات سے رکھوں جان عزیز ۱۳۵ کی نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا ہے نہ نکلا دل سے ۱۳۶ ہے تیرے تیسیر کا پر بیان عزیز

۱۳۷ تیرا لاکے پڑی بنے کی تیرا

والفعلت ہے اور جان عزیز

(۱۳۸) میں اس بات سے نئی جان کیونکہ عزیز رکھوں یعنی اس پہچان

کس لئے قرآن نہ کروں کہ وہ بہت ہی بہانہ ہے یعنی اس قدر وہ مجھے
پیارا ہے، لہذا کیا وہ ایمان ہے اس قدر عجز نہیں کہ جس کو اپنی جان
قرآن نہ کروں ایک عام آدمی وہ شہ ہے کہ ایمان کے آگے جان بھی کوئی چیز
نہیں ہے۔

۳۶) تیرے تیر کی دُک مجھے بہت عزیز ہے وہ دل میں چھپ کر باہر
نہ نکلی آئی۔ لیکن اسی دل سے نہیں نکلی۔ یعنی دل میں اس کی یاد تازہ نہ
ہو رہی ہے۔

۳۷) اے غلبہ گردانہ الباخت ہے دس کے لئے جان دے
دین کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مثلاً (جو ان بیٹے کی وفات پر اچھا دکھاؤ
میں مل جان و غم) مگر آخر جان عزیز ہے جس کو وہ دے دے گا۔
لہذا کتاب دے میں جبر سے کہلے سے کہے گا۔

غزل

مے گل نغمہ ہوں دیر وہ سا ۳۸ میں ہوں اپنی شکست کی آواز
اور آواز افسانہ شمع کا کل ۳۹ میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
لاٹ ٹمکین فریب سادہ دی ۴۰ ہم ہیں اور نہ ہائے مینگہ اور
ہوں گرفتار الفت صبا ۴۱ ورنہ ہوتی ہے طاقت پر وار
وہ بھی دن جو کماں سنگ سے ۴۲ ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز
نہیں دل میں میرے وہ نظر و جان ۴۳ جس سے مزاحمت نہ لی ہو گمان
اے ترغیرہ یک فلم ٹمکین کا ۴۴ اے قلم سرسبز انداز
قطرہ تو ہر اجلہ گر مبارک ہو ۴۵ دیکھیں شبنم شبنم
جھک کر چھپاؤ کچھ غضب نہ ہوا ۴۶ میں فریب اور تو فریب نواز
۴۷ اے شاد خاں ملک مہم

اسے در بیاورہ رنہ سناہ پانہ

۳۸) مے گل نغمہ۔ گلاب رنگ۔ یعنی خوشخبری کی صدا۔ پیر وہ سا۔ ہا جس کے وہ کا
پیر وہ کہ اس کو تھا کہ ہر جہ بھانے ہیں۔ شکست کی آواز۔ کسی چیز کے ٹوٹنے سے
جراؤز ٹکے۔ مثلاً چینی کا کوئی برتن ٹوٹے تو آواز نہیہ اچوتی ہے۔ حل شعر
مے میں صدائے گلاب رنگ ہوں نہیہ وہ سا نہیہ جس کے اٹھانے سے باجہ بکے
ٹکٹے، بلکہ میں تو اپنی شکست ہی کی آواز ہوں مطلب یہ کہ میں وجہ حسرت
نہیں ہوں بلکہ ایک سبب علم ہوں نہیہ
۳۹) مے گل نغمہ شوق سپنے ہاوں کی آواز کشت کرتے وقت زلفوں کو خم دے کر
اپنے رخ کسی قدر ناز و دل سے چھپا ہوا کرنا ہے۔ ہر مڑے سے ہل کر ہاں
کہاتے میں غم ہے اور تیر غم کا کل کی آواز کشت کرتے یعنی تو پہلے بندہ سنگار ہی
میں مگر رہتا ہے۔ اور ہاں ہی طرف سے پیر وہاں اور صبر میں ہوں اور وہ دور واز
تھے انیسے اور فکر دگر اب تو چٹا ہوا سنگار کر کے کہاں کہاں چلے گا۔
دقیب تجھ پر کس کس طرح قرآن ہوں گے و غیرہ وغیرہ یہ دور کی فکر ہے
حق رہتی ہیں۔

۴۰) مے گل نغمہ اب ہم ہیں اور سینے میں وہ عشق کے سینہ گداز راز جو بوجہ سینہ گداز
ہونے کے دینی جیسے کہ پھلنے والے دے ہونے کے، کبھی چھپے ہیں وہ سکتے
لہذا ہماری لاف نہی کہ ہم ہائے صبا آدمی میں اور ہر راز کسی ہر نہیہ نہیں
ہونے میں گے۔ یہ محض لاف ٹمکین (صفا کا جھوٹا زہار) ہے اور سب کا باعث
فریب سادہ دلی ہے یعنی ہم اپنے حال سے خیر میں کہ ہمارے راز سینہ گداز
ہیں اور یہی سادہ دی ہر سادگی ہم میں ہے۔ اسی کی وجہ سے ہمیں یہ دھکا
چاہیے۔ کہ ہم اپنے آپ کو بڑا فاضل شخص سمجھتے ہیں۔

۴۱) میں صبا دلی محبت کا گرفتار ہوں۔ اور تجھ میں محبت ہر دلی یعنی ازلے

کی طاقت بھی باقی ہے (اگر چاہوں تو اڑ سکتے ہوں)۔ مگر نہیں اڑتا
(۱۶۶) اب تو اس شہم گم کے نالہ اندک کی حسرت کی بجائے وہاں اپنی دو لہجہ پنا
نازد، نالہ نہیں دکھاتا۔ ادنیٰ حسرت میرے دل میں باقی ہے۔ یہاں وہ دل
بھی آئے کہ اس کی لم عشق سے بھرتے اس حسرت نالہ کے اس کے تانی
کھینچوں یا اس کے ناز و شادی۔ مگر فراق وصال میں تبدیل ہو جائے۔
(۱۶۷) گھمادی۔ پھروں کو لے کر ایک دوسرے کی طرف چھپکن میرے
دس میں کوئی ایسا قطر خون کہ نہیں ہے۔ کہ جس کے ساتھ میری ہلکیوں کے
ہاؤں نے گھبراہٹ کی ہو۔ اپنی دل کا خون آنکھوں کی طرف بوجہ کر یہ و
زری کے آہیں ہر ایک ایک قطرہ ہلکوں کے ہاؤں نے اٹھا کر اس سے گھبراہٹ
کی۔ یعنی اسے زمین پر گر اویں۔

[illegible]

(۱۹۴۴ء) میرے پاس توخو دجوا لگیا تھے مسابک ہو۔ لے اب میں میرے
ساتھ مجھے میں گر پڑتا ہوں۔ یعنی ان ش احمد حسین نیانہ (نیانہ مندی
کی پیشانی کے سجدے کا زمین پر پڑنا)

(۴۴۷) فیہاں آئے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ کچھ غصہ ہوا۔ کہیں کہیں میری غریبیاں ہوں اور مٹا کر رہ گئے۔

(۲۶۴) اسد اللہ خاں - مرزا غالب کا ہم اس شعر میں جواب ہے قصص
اسد کے ان کا پورا نام ہی بہت سوزوں میں معلوم ہے کہ وہ بے مطلب ہے کہ اس کا
راج، حجام ہو گیا یعنی وفات پا گیا (ب) یہ خبر سن کر بھی سب کہیں گے آہ
وہ رند شاہ پھر رند ہی رہا نہ وہیاتے تھک گیا (گ) یا اپنی حقارت کرتا ہے
کہ نفوس میں دل بگنے کا راد ہی ہو (۱)

غزل

مزدہ اسے ادقی امیری کے نظر آتا ہے ۴۴۸ دامن خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس
 چلے آئے آزاد رستہ ۴۴۹ جسے سخن ہے نہائی بن ہر خاک کے پاس
 منہ گیس کھولتے ہی کھولتے انکھیں جو ۴۵۰ قریب وقت کے تمام ماضی اجوار کے پاس
 میں بھی نکل نکل کے دھرتیاور کھینچ پائے ۴۵۱ دھند اک جیسا ہستیا پرے فریاد کے پاس
 وہ من خیر میں جا بیٹھے لیکن اسے دل ۴۵۲ دکھ پرے چھوٹا دل اتار کے پاس
 دیکھ کر ہنسنے لگا کہ تو کہتا ہے ۴۵۳ خود کو دیکھنے سے گل کوشت و تندہ کے پاس
 ۴۵۴ مر گیا بیوہ کے سر قابیل دھنسی ہے ہے
 بیٹھنا اس کا وہ گھر تری دیوہ کے پاس

وہ یہ ہی شکاری لڑکے کسی ہاتھ لڑکے کو بھرتے ہیں بند کے اس جگہ کہ جہاں
جہاں کھجور لگتی ہے۔ لکھتے ہیں اور لکھنے کے ساتھ وہاں بڑے شوق سے وہاں
اس قیدی کو لڑکے کے آواز سننے کے آتے ہیں اس قدر کہ لی یعنی جہاں میں چھٹس
جنتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں۔
اسے میرے شوق امیری تھے خوشخبری ہو کہ مرنے گرفتار کے پھرے

کے پاس یہ ایک خالی جال بھی چھپا ہوا ہے تو چل دو اس میں جا کے شوق سے پھنس جا۔ کوئی مزاحم نہیں چھوٹے گا۔

(۷۷۹) جگر تھکاؤ آواز میرا جگر دکھوں کا بھوکا ہے۔ یعنی جتنا دکھ اچھے یا پسند کرتا ہے۔

سچے ہر سچے کی بنیاد کے پاس دھماکہ اور اس کی لوگ کو اپنے
ہنگ میں گڑ دکر پہنچا، ایک خون کی ندی بہتی۔ مگر پھر بھی ہمارے دکھوں
یا تکلیفوں کے خواہشمند جگہ کی تسلی نہ ہوئی۔

دوسرے معنی :- ہم نے ہر شخص کو جیسے اپنے والد کو شہید کیا
مگر ہر ایک کو اپنے آباء و اجداد سے ملنے کے لیے ہر طرح سے ہوشیاری سے
ہم نے دیکھ کر ہر ایک کو

۵۰۰) افسوس
نزع ہے اور اس سے قبر میں دیتے ہیں انہیں کھڑے کی کڑکٹش کی تو
دہنی طور منہ میں ہیں وہ مرگیا اور نہ ہائی ویدہ کر سکا

(۱۵۵) کسی جادوگر نے حضرت جبریل سے فریاد کیا کہ میں نے اس کی جان بچا لی ہے۔

۱۵۵۰ء میں حضرت دلی شہر کے منہ میں جا کر بیٹھ جائے۔ مگر ان دلی کو
خوہیں دھشت توں کے پاس جا کر گھر کے دھڑ چلے۔ مگر لانا حای فرماتے ہیں کہ
دو سونو دلی نہ لگنا نہ لگنا نا سرگند

در ۵۴۳ یک سہرہ جب نکرتا ہے تو دو روز بر در آہنی جگہ سے کھائے کہ

اس کا ثبوت ایک شیخ کے ہاؤس سے سامنا یعنی اس کی جی جی جی لکھتی ہے
کہ وہ چوٹی سے لے کر اپنے غلے تک اللعبدہ النعل میں جل کے جسم پر مانی

جاؤ وہ روبرو کو وقت شام تک شعل، ۱۰ چرخہ و اگر تہہ، ۱۰ و سے آخر شعل

(۱۵۷) آفتاب شام کے وقت فروپ ہو کے ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر
فردب سے قمری مدت پہلے آسمان پر ایک سفیدی سی ہو کر نکلتی ہے۔
تار شعل جس کہتے ہیں۔ شعل کے اس کو سورج کے آسمان سے چلے جانے
کا ایک مدت قرار دے کے جاؤ وہ راہ طور، یعنی سورج کے رستہ چلنے کی پگڑی
کہا ہے۔ آخر شعل و دواع۔ جب کسی کو رخصت کرتے ہیں۔ لاپٹے اس سے بنا کر
چوبہا کرتے ہیں۔ وہی آخر شعل و دواع ہے جس سے یہاں استفادہ کیا گیا ہے۔
آسمان سے وقت شام سورج جب رخصت ہونے لگتا ہے تو ایک تار
شعل داسم پر کچھ سفیدی سی، اس کے لئے راہ چلنے کی پگڑی ہوگی
وہی ہے۔ اور چونکہ سورج کا وقت و دواع ہوتا ہے آسمان ماہ (درجل)
کو قدر وار کر کے گویا اپنی آخر شعل و دواع کھول دیتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی
آفتاب نوراً ستر جاتا ہے۔ چونکہ ماہ یا ہلال کو شکل، انسان کی شکل ہی
کی طرح گول مل یا اندر سے غای بیضی سی ہوتی ہے۔ لہذا اس سے آخر شعل
و دواع کا استفادہ کیا گیا ہے۔

غزل

نرخ نگار سے سے سو جاؤ انی شیخ ۱۵۸ ہونے سے تیش گل آب زندہ کی شیخ
لہان اہل لہان نہیں ہے مرگ خدوئی ۱۵۹ ات چوم میں مدائن کوئی نوا کی شیخ
کر سے حلقہ برفانہ قصہ ۱۶۰ بطر بانی کن سے لہان خروانی شیخ

نرخ نگار کو صورت پر دانہ کا ہے اسے شعل ۱۶۱ ترے رستہ سے ہی جہم باقانی شیخ
تسے طویل سے روح اشتراک کرتی ہو ۱۶۲ بیوہ ریزی یاد ہو رشتہ کی قطع
لکھا و این غم عشق کی بہار نہ پرچہ ۱۶۳ غفلت کی ہے طیبہ گل کسدا کی قطع
چلے ہے نیکم کے بالین یار پرچہ ۱۶۴ ہمیں ہر حال پر سے غیب کی شیخ

(۱۵۸) نرخ نگار معشوق کا ایک جہم کا چہرہ، اتش مراد اتش گل رخسار شعل
ہا سے معشوق کے آگ جہم کا رخسار سے (۱۵۹) رقاہت و صبر طبع جہم جہم جہم
ہے۔ لہذا اس کے سرور و دوانی یعنی شیخ کے ہمیشہ بیکار کرنے کا یہی اصل ہے
پس لاش گل رخسار معشوق طبع کے حق میں آب زندہ کی (آب حیات) کا نام کر
رہی ہے۔ کہ شعل جس سے ہمیشہ ہر جہم جہم جہم جہم جہم جہم جہم جہم جہم جہم
حاصل ہو گئی ہے۔

(۱۵۹) لہان اہل لہان میں یعنی جو شخص اسکی تسالی نہاں نہکے ہیں۔ ان کے
معاورہ ہیں مرگ خدوئی چوبہا نہیں ہو گیا مرعانا ہے۔ نوا کی شیخ
کی زبان سے یا اس کے ظاہر حال سے۔
جو شخص اہل لہان میں۔ اس کے معاورہ سے میں خدوئی یعنی ن کا چوب
بہنا جی ن کی موت ہے یا ان کی موت گویا ان کی زبان کا مرعانا ہے۔ (مصلحہ)
کہ زبان کی زندگی اہل لہان ہی کی روزانہ بات جیت جیت ہے، بات حق کی زبان
یا اس کے ظاہر حال سے صاف واضح ہوتی ہے۔ کہ اگر شیخ کی زبان نہ جہم جہم
کام نہکے۔ تو وہ شیخ مردہ ہو جائے۔ پس شیخ کی زندگی دیا اس کی روح کا ہونے
ہی ہے کہ اس کی زبان جیتی رہے۔ مصلحہ اس شعر میں اہل لہان کو سلیہ شعر
گوئی جاری نہکے کی تشریح کرتا ہے۔

(۱۶۰) جو لوگ ہم دوست کے غامک ہیں وہ چاہتے ہیں۔ کہ اس غلیظ لہان
ہم سے باطل خدوئی پاکے یعنی سو کے داخل حق ہو جائیں۔ مصلحہ کہتے ہیں۔ کہ

ہیں طرح اہل فساد و فحش و گمراہی چاہتے ہیں۔ کہ فساد فی اللہ ہو جائیں۔ غصہ کی فساد خوانی بھی و مراد اس کا مدت ہر جگہ اور اپنی زبان سے ہر کام وہ کہتی رہتی ہے۔ مگر کل فساد خوانی کے کرتا ہر طرف ہا یہاں سے غصہ ہے کہ جس میں وہ اپنا نقد جسم کر رہی ہے یعنی شہد رجوع کی لٹا کا ہوا ہے۔ کہ یہ نگہ جس سے جل کے شعلہ پار و غنی پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ساتھ فحش بھی کرتی جاتی ہے۔ وہ اس کا ایسا حکم کر کے دیکھ کر کیا کرے۔ اسی طرح اہل فساد میں۔ فساد فی اللہ کی غرض سے اپنے آپ کو جلتے ہوئے کہتے رہتے ہیں۔

(۲۶۱) وہ شعلہ خیز سے لڑنے کے لیے شیخ کی ناقہ کی صاف ظاہر کرتی ہے دینی شیخ جب وہ محل کے گھر کو ہوتی ہے۔ تو اس کی رات ہی کو در پہنچ جاتی ہے کہ ایک ذرا سی ہوا تزلزل پیدا کرتی ہے جس سے اس کے شعلہ کا لوز ٹپکے (پس یا اس کی ناقہ کی ریتانہ اس لئے ہے کہ اس کو پورے کاغذ ہے کہ وہ بچہ گئی تو غریب پر دہن کہاں جلتے گئے۔

(۲۶۲) مجاہد و ریزی باد یہاں قسم کا فائدہ دیتا ہے مراد اس کی جلد مینی یا اس کے چنے کی قسم اور وہ پختہ فی شعلہ شعلہ کے پھٹاں ہوتے یا اس کے لٹنے کی قسم کھٹکے کہتے ہیں کہ تیرا ایک خیال بھی میرے دل میں آجائے لا میری صوفی ہنر از کر کے رجوع کھٹکے یا وہ کہنے لگتی ہے۔ مطلب یہ کہ میں طرح ہر دے ایک جہت کے سے شیخ لوز جاتی ہے۔ اور اس میں حالت سکون نہیں رہتی۔ اس کی قسم کھٹکے کہتا ہوں۔ کہ تیرے خیال سے میری روح بجا و جد کر کے جلتی ہے۔

وہ ۲۶۳ غم عشق سے سینے میں جو داغ پڑا ہے۔ اس کی گٹھا (دخشا) کی بہار کا کچھ حال اذہر ہے کہ شعلہ کی ریتانہ میں شکر زوں کا بچہ ٹپکا یا بہار اس کی فزائی پر فزبان ہوتی ہے کہ جو شعلہ کی فزائی یا آخر وقت میں اس سے غم اور ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ شعلہ میں کے ہر گل اس میں پیدا ہوا

ہے۔ ماحول کا داغ ظلم و ستم کہتے ہیں۔

(۲۶۴) شعلہ بچہ کوہ کے سرانے یا اس کے قریب دیکھ کے (دوسرے) جلتی ہے۔ لہذا میرے دل پر شعلہ کی اس بے گناہی ایک بڑے غیوں کا داغ کیوں نہ ہو وہ بے گناہی یا ہر غیوں جو شعلہ کا جوتا ہے یہ ہے کہ میں دوست کے قریب ہوں اور یہ بھی ایک گمراہ قریب وصال ہے۔

یہ قریب نہیں کرتے و داغ ہوش ۲۶۵ مجاہدین تک پہنچنے سے اختیار نہیں جیتا ہے دل کر کہوں نہ ہم اکابر ہیں گئے ۲۶۶ اسے ناقہ کی شعلہ ہر وقت

(۲۶۵) ذوق کا ایک شعر ہے

یوں چرس اہل کمال آفتہ حال انہیں ہے
اسے کمال انہیں ہے تجھ پر کمال انہوں ہے
یعنی کمال پر انہوں سے کہ اس نے ہم کو اس قدر آفتہ حال کر دیا ہے +
اسی طرح غالب کہتے ہیں
مجاہد ہاں تیار ہوتے سے اختیار نہیں

یعنی اسے صاف یا غلبہ مطلق ہے یہ انہوں سے کہ غم تیری ہر وقت بے ہم
مقتدر مجاہد ہو گئے ہیں۔ کہ تیرا تیرے یاد میں کا گٹھا جو ہر وقت ہوا ہوا
روح جا رہا تھا۔ اب اس کا جی مطلق ہم پر اثر نہیں جو داغ ہوش سے
یہاں مراد ہوش ہوتا ہے تیرا کہ کسی خاص بچہ یا لوت سے جو ہر شعلہ کو
خدا کر سکتے ہیں۔ ہر اس سے بھی اس کا اس ناخن نہیں ہوتے اور
جہاں سے ہوش نہا سنت رہتے ہیں (شاعر اس جگہ غلبہ مطلق کی تنہا
حالت کو گویا پڑتا ہے کہ اس میں دیکھوں گا وہ بھی جائداد ہوتا ہے۔
کہ جو ایک ماحول کے لئے لازم امر ہے۔ تاکہ وہ حق سے دھوکا نہ کھائے

دوسرے معنی میں کہ ہم نے معنی۔ صلب و اس پرش کرنا اس کا مطلب یہاں صلب پرش
کے لیے رہنا ہے۔ اختیار صلب یا صلب پرش +
اسے صلب پرش و اختیار و تھوڑا سا ہے کہ بھر ہوا ایک جہز جو گئے کہ جب
دوست کے پاس جیتا ہے راہ پر جہز ہوتا ہے دیکھ رہی ہو کہ صلب کے لیے ہیں۔
اس وجہ ہ بات سے بھی اس باغز جس پر جاتے اور جہز یہ صلب نفس اعلیٰ ہے۔
کہ صلب کا جہز ہو جائے۔ حالانکہ عاشق صلب راہ کو گریب کا گیا اور وہ
اپنے جذبہ عشق کے لیے تھے کیا کسی جہز کو خیال ہی میں لایا کرتا اور وہ اپنے دوست
کے پاس کسی غیر شخص کو دیکھ کے وہ اس پرش کو کرتا ہے اور وہ اس پر جہز اور
ہو جاتا ہے +

تیسرے معنی میں کہ ہم صلب پرش اس کے لیے ہے کہ ہم نے معنی میں دوست کو دیکھ
کر گھبراتے یا وہ اس پرش نہیں کرتے کہ اس میں سے کہے ہو کہ اس اس صلب نفس پر جہز
ہو گئی کیونکہ

(۴۶۶) عثمان اپنے جدی قتل کے جاے ناف ہونے کی جیسا کہ قتل کیا کرتے
ہیں ہمارے صاحب عشق سے ذرا غلطی ہو۔ اس سے کہتے ہیں۔ سے نفس یا آہ
نہر بار تیری اس ناتوازی یا اور کام کر سنے پر ہمارا دوسرے جہت ہے کہ
ہم تیرے ہاتھوں کی بارگاہ اور آہی کیوں نہ ہیں۔ اور آہ کی ناتوازی سے
مردہ کہ بہت دور کی آہ طبعی ہوگی۔ اور عاشق کی کراہی یا خوف و حیرت
سے +

غزل

زخم پر جو کس کہاں لعلوں ہے ہوا رنگ (۴۶۷) کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا رنگ
مردہ یا دیکھو سناں ناہ زخم ہوا (۴۶۸) اور ہوتا ہے جہاں میں کسندہ پیدائش
بھوکہ وانی دے تھو کہ مبارک بر جہز (۴۶۹) اور میں کا وہ درد خندہ وانی کا رنگ

شہر جہز لعل خاک پر جو کس کا رنگ (۴۶۷) اگر دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ
اور دوسرا ہے زخم جہز کی (۴۶۸) اور دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ
جہز کرنا یا تھوڑا سا جہز جہز (۴۶۹) اور دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ
جہز کرنا یا تھوڑا سا جہز جہز (۴۷۰) اور دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ
زخم ہوا یا رنگ (۴۷۱) اور دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ
زخم ہوا یا رنگ (۴۷۲) اور دوسرا ہے زخم ہوا یا رنگ

(۴۶۷) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔ (۴۶۸) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔ (۴۶۹) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔ (۴۷۰) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔ (۴۷۱) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔ (۴۷۲) چکر عثمان چنے اور ٹوک ہو بھی بھلا کرتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے
کہ وہ ہے پر وہ کے جہز کو دیکھ کر پتھر ہے۔

(۴۶۸) ذوق ایک جگہ کہتا ہے +

زخم دیں بہ کسوں مرے مریم کا استمال ہے

ملک مگر ہوتا ہے کہ کون کا بھی کال ہے

غائب گیتا ہے۔ چکر میرے زخم دل کو دوست کے کربے کی گرا

دھاک) سامان ناز سے یعنی وہ فخر کرتا ہے کہ اس سے وہ بھری اچھا ہو جائیگا (اسی لئے اس کا استعنا کیا جاتا ہے) ورنہ اگر اس کا ایسا خیال نہ ہوتا تو زخم بھرنے کے لئے دنیا میں بکثرت تک پیدا ہوتا ہے یہی بیکریتا جاتا ہے

(۴۶۵) کچھ کو تازہ بھل کا درد اور لذتی سے یعنی میں میں کی طرح رو رہا اور اس سے مجھے درد نالہ بکثرت لاحق ہو ورنہ ہوں کی طرح جیسے اور کچھ کو خندہ کی کا تک مبارک ہو دیہاں تک سے مراد لطیف و لذت ہے (گویا ایک پھول کی جیسی ہلکی ہلکی کا کھنکھار طعنت و لذت پہنچاتا ہے وہ میرے درد کے مقابل کچھ کو نصیب ہو کہ تک خندہ سے میں طعنت و لذت خندہ مراد ہوتی ہے

(۴۶۶) شہر جو لاں گھوڑا اور اس کے کا شور و بزم و خمر و مہو رہا یعنی مورچہ دریا ساحل سے شکاری تو اس میں گویا کھاؤ پیدا ہو گیا ہے آج سمندر کے کنارے یہ کس شہر سواد کے گھولے سے شور و جلاں پیدا ہوا تھا (چند شور سے منی تک بھی ہے اسی کی رعایت سے کہتا ہے) کہ اس شور و جلاں کی طرف سمندر کی بہریوں سے ہلکی اور ساحل سمندر سے ٹکرتی وہ میں میں گھوڑا گیا اب اس گھاڑ میں ساحل بھر کی نئی بطور تک کے کام و سے رہی ہے یہاں دریا سے مراد بحر یا سمندر ہے حاصل شہر یہ کہ اس شہر اور ناز سے بحر بھی مستفید ہوتا ہے

(۴۶۷) زخم جگر کی دلدور ہے مراد یہ کہ میں ایسے زخم جگر کے درد میں مبتلا ہوں لیکن جو کر کے یہ تکلیفیں خفاہ ہوں تو وہ میرے زخم جگر کی دلدور رہتا ہے یعنی اس طرح بہری حوصلہ افزائی کرتا ہے

مصلطین سے کہتا ہے کہ وہ وہ میرے زخم جگر کی ایسی درد دے رہا ہے کہ (یہی ہے مرعوبی کرنے کے اور افسانہ جہاں کہیں وہ تک دیکھتا ہے تو بکھر ہوا گویا کرتا ہے کہ بکھریں اس کے پاس ہوں تو وہ نور میرے زخموں پر تک پاشی کر کے کہتا ہے کہ مجھے صحت خود کا درد ہو وہاں یہ بھی درد ہے

(۴۶۸) عاشق کے تن بدن کو زخمی کر کے تیرا یہ دل دینا جیسا ہے یعنی کچھ یہ نفس سے ایسا نہیں کرتا چاہے تھا بھی کہ دماغی تو نے صرف میرے تن کو یعنی خدائی جسم کو زخمی کیا ہے حالانکہ میرا دل ہی نہ تم کی غلبہ کرتا ہے یہی تو میرے جیسے تو چیر کر دل پر بھی چرکا لگا دے ورنہ اس طرح جو تن بدن زخمی کیا ہے وہ اعصاب بھی چاہتے ہیں کہ تو اپنے لہو سے ان پر تک پاشی کر کے دلدور کچھ کو سب کام کر کے تجھ سے رخصت ہونا چاہے

(۴۶۹) توفیر درد و درد کا درمیان یہاں مراد میسر سے کچھ درد درد ہوتا ہے جب اپنے درد کی توفیر سے کسی چیز شخص کا احسن نہ نہیں ہوتا چاہتا کہ وہ کچھ اور تک سے میرے زخم و دل پر چیر کر دے تو اس سے میرا درد و دلدور ہو جائے بلکہ چلتی ہی سے میرے زخم میں دیر سے ستانے کو افسانہ تک چیز کا گناہت کہ زخم مرزا ہا تک ہی تک بن گیا ہے جس طرح قاتل کا خندہ استعداد رہا وہ ہے کہ اس سے دیا وہ ہو ہی نہیں سکتا گویا میرے زخم میں تک کی نیت و در تانی میں مجھے کش کر کے جتنے کی کثرت دہوی یکساں اور متماثل ہیں

(۴۷۰) دردوں کا ایک سند ہے کہ تک کا افسانہ ادب گر ناہا ہے کہ کسی کے لہو سے اگر یہ لہجہ پر گرجا نہ تو اس کو مرزا کے عود پر اسے

ای پھوں سے اٹھانا چاہتے۔ اسی طرح پر شہرہ کی بنیاد ہے۔
اسے غالب تجھ کو ڈوں یاد ہیں کہ وہم ذاتی میں مجھے زخموں پر تک
بستی کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اگر کسی زخم سے تک نہیں پرگزرتا تھا۔ تو میں
دعا کرتا، اس کو اپنی پٹوں کے ذریعہ زمین سے اٹھایا کرتا تھا۔ اہل ہراس کو
بیتے زخم پر چھڑک دیتا تھا حاصل لشکر ہر کہ وہ حالت میں رہی ہے۔
ہونہ وہ دھڑک پڑتی جلتا رہتا ہے، مراد ب زخم دل جھڑک رہا ہے

غزل

آؤ کو چاہتے، اک عمر اثر ہونے تک ۴۷۵
کوں جیت ہے تری زلف کے سر پہ تک
دام ہر کوئی ہے، عین صد کام ہنگام ۴۷۶
دیکھیں کیا کہہ رہے جو فخر پر ہر پہ تک
عاشق صبر طلب اور مستائیت ۴۷۷
دل کا کیا رنگ کروں میں جاگرتے تک
ہم نے، نا کر تھا نص نہ کر دھمکے تین ۴۷۸
خاک ہو، تینکے ہم تم کو خبر ہونے تک
یہ جو ہے، ہے شہر کوئی کی قسم ۴۷۹
میں ہی ہوں ایک عینیت کی نظر ہو تک
تک نظر میں نہیں زلفت ہستی غافل ۴۸۰
گر سنی، نص ہے کہ نص شر پر تک
۴۸۱ علم ہستی کا اندہ کسی سے ہو جز مرگ عدت
فصل ہر رنگ میں جیتی ہے سحر ہونے تک

(۴۷۵) فارسی میں ایک محاورہ ہے "بر زلف شدن" جس کا لفظی ترجمہ
ہے۔ زلف کے سر پہ ہونا، اور اس فارسی محاورے کا عام مفہوم استغنا
یا لاپرواہی ہے۔ ترجمہ میاں وروں کے معنی کسی دلیل پر حجت کے متنازع
نہیں ہوا کرتے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس محاورے کے پر معنی کہوں نے
کئے، البتہ اٹھارہ محاورہ معلوم ہے۔ کہ اس کا مطلب استغنا یا کسی اور

میں پڑوای کرنا ہے۔ چونکہ وہ تو کسی غمزدہ بن کے ہی دھمکے کو بیتی لہا
میں نہ جیتی نہیں کہنا چاہتے۔ کہ اکثر اس سے مضمون عبارت کا سمجھنا
فصل ہر کام ہے۔ وہ تم اگر تر جو کی بھی جانتے۔ تو ایسا ہونا چاہتے۔
کہ تریب انہم ہو۔ لیکن جو کہ غالب نے ایسے کلام میں فارسی محلات
و محاورات کے لفظی ترجمے کی کثرت کئے ہیں۔ اور اس کی چنداں پر
نہیں کی کہ وہ اردو و انگریزی کی بھی ہیں ہی آئیں گے یا نہیں۔ اس سطر
کو آؤ آؤ و عالی تک ہرگز نہ کہہ سکتے۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ
اب یہ اس جگہ مل گیا جاتا ہے۔

کہنا ہے لیر عاشق اگر چاہے۔ کہ اس کی آؤ فخر و فخر پر کھڑا
کیسے نود و جہیز عروہ سے کی لاپرواہی اور استغنا کے، اس قسم
اس کو ایک عمر چاہتے۔ یعنی ایک عرصہ نہ تو نہ کار ہوگا۔ ہرگز نہیں
اس زلف کے سر پہ ہونے تک یعنی عرصہ استغنا تک کون عینیت
رہے گا۔ مراد یہ کہ لیر عاشق اس قدر طول طویل مدت تک جی ہی
نہیں سکتا کہ جنت تو اس کو دہرہ استغنا کے، استغنا و لاپرواہی
ہے۔ صاف طبع پر اس شعر کا مفہوم نقطہ یہ ہے۔ کہ ہماری آؤ کو ہرگز
ہونے کیسے ایک عمر جیتی بہت عرصہ درکار ہے اور یہ اس سے
کہ حسب سنوں ہر عشاق عاشق سے استغنا پر نہا ہے۔ اور یہ حقیقت
معلوم ہونے کے نیز، ہم ہم سے استغنا پر ہوتے ہو۔ جو صاف
محاورہ ہے۔ کہ بہت ہی زیادہ عرصے تک رہنے والے استغنا سے
تو جہاں سے اس سر زلف ہونے یعنی استغنا سے کام ہونے تک
بھلا کون جیتی رہے گا۔ کوئی کوئی اس قدر طول عرصے تک زندہ ہی
نہیں رہ سکتا کہ پہلے تو اپنے استغنا کو ترک کرے اور پھر تو
اس کی طرف متوجہ ہوگا (سے بحر الکتوبات آؤ ص ۲۴۸)

(۲۶۶) دھرم پر مروج میں۔ ہر ایک لہر جو دیا میں آئے اس میں
 حلقہ صمد کو مہنگ بستی گزول مگر لہروں کے گلوں کے ملتے +
 دیکھیں کیا گزرے۔ یعنی اس پر کیا کیا واقعات گزرے ہیں +
 قطرہ آب جو پہلے ابر سے پڑ رہا تھا زمین پر گرتا ہے۔ تو اس
 میں جیسوں واقعات اس پر گزر جاتے ہیں۔ پھر وہ دیا میں یا جھیل یا
 کسی ندی میں مارا مار پھرا کرتا ہے۔ پھر کبھی سمندر میں تیر کے گڑھیوں
 کے حق میں چلا جاتا ہے۔ پھر سمندر ہی میں مگر جھک و حق سے ٹکڑے بند ہو
 تیز ابر بن جاتا ہے۔ اور قطرہ باران بن کے سیلاب میں داخل ہوتا
 ہے۔ تو وہاں ایک گوبر بن جاتا ہے۔ لہذا نشا سر کہتا ہے۔
 کہ قطرہ آب کے تھے سمندر میں کی ہر ایک لہر کے جال میں خدا
 ہاتھوں کے نہ کھلے ہوتے یہاں تک جاسے تو ہر نے کھلے اس پر کیا کیا
 واقعات گزریں۔ مراد یہ کہ کمال حاصل کرنے کے لئے ہزار اہم کیفیں
 اٹھانی پڑتی ہیں +

(۲۶۷) عاشقی صبر طلب ہے۔ یعنی اس میں پتہ مارنے کی ضرورت
 ہے۔ گمراہی میں تمنا جیتا ہے۔ اور عجز ہوتے ہیں۔ کہ یہ بھی جلد
 تیر پوری ہو تو غریب جگر جوئے تک یعنی عاشقی میں پتہ مارنے تک اس
 دل کا مینی ولی تھا کیا رنگ کریں یعنی اس کے ہر لانے کی کیا تدبیر کریں
 ہی ہر ہے۔ کہ ایک عاشق ایسی کشمکش میں رہے بس ہوتا ہے۔ اور اس
 سے کچھ بھی نہیں بن پڑتا +

(۲۶۸) ہم نے مانا کہ جب تک ہمارے حال کی خبر ہوگی تو ہم زیادہ
 غفلت نہیں کرو گے۔ اور ہماری جلد خبر ہو گے۔ لیکن تم اس قدر غفلت
 شمار یا مستغنی المزاج ہو۔ کہ قہار سے خبر نہ ملے تک خود ہماری خاک
 ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے +

(۲۶۹) پر نام خور۔ سورج کا عکس مراد دھوپ۔ فنا کی تعلیم۔ فنا کا عہد
 چنپنا نا۔ مراد نیست و نابود کر کے عہد وی کا تقریب کرنا +
 دھوپ سے شبہ کرنا کی تعلیم پہنچتی ہے۔ یعنی ایک ذرا دھوپ گنتی
 ہے۔ تو شبہ مراد عہد و م ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذرا سناو ل خور بند رہ
 ایک آفتاب ہے۔ اور میں مثل شبہ کے ہوتا ہے۔ اس کی ایک نظر میں
 کے ہونے تک میں بھی یہاں قائم ہوں۔ یعنی جب تک وہ مجھے ایک
 عنایت کی نظر سے دیکھتا ہے تو میں آکھیں گزروں کے اندر دیکھنے میں زندہ
 ہوں + اور جب اس نے دار و دیکھ کر تو میں شبہ کی طرح فوراً اچھل جاؤں گا +
 (۲۷۰) ایک نظر میں نہیں۔ یعنی محض ایک نگاہ کے دیکھنے تک
 ثابت ہی کم مدت + فرصت ہوتی۔ زندگی کے قیام کا عہد۔ گزری
 دم۔ محض کی رونق۔ درقہاں شرر۔ شرار سے کی چمک۔ جو بہت ہی تھیں
 مدت تک رہتی ہے +

اسے غافل۔ زندگی کے قیام کی مدت۔ ایک نگاہ کے دیکھنے
 سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ گویا اس محض کی رونق صرف ایک شرار سے
 طے چلتی تک ہے۔ یعنی جتنی قیاس مدت ایک نظر ہو چلتا ہے +
 (۲۷۱) سے سہ۔ ظم ہستی کا علاج یعنی زندگی کی کسی ہاتھ سے چاہئے
 اور ہمیشہ قائم رہنے اس ظم کا علاج بکرموت کے اور کچھ ہو جی نہیں سکتا
 کیونکہ زندگی عسی ایک شمع ہے۔ (۱) شمع ہر رنگ میں صبح ہونے تک
 چاہئے بھنے کے وقت تک ضرور جلتی رہتی ہے۔ لہذا ہماری یہ شمع جوت
 تادم مرگ ظم ہستی سے ضرور جدا کرے گی +

لہذا کہ ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ (۲۷۲) یعنی ہر ایک ولی بے مدد نہ مانگ
 ۲۷۳ آتا ہے و اب حسرت دل کا شمار یاد

بھوسے مرے گد کا حساب ہے خدا رنگ

(۴۸۴) اجابت ۔ دعا کا قبول ہونا ۔ اس سے مراد ۔ وہ دل میں ہیں کوئی
 تیرے دل میں ہے ۔ کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔
 (۴۸۵) اسے خدا تو بھوسے مرے گد کا حساب نہ مانگا ۔
 کیونکہ جب تو یہاں کرتا ہے ۔ تو بھوسے مرے گد کی حسرت کے واسطوں کا
 وہ نہ ۔ یاد مانگا ہے ۔ کہ کتنے ہی زمانے گئے ۔ جو دل ہی دل میں رہ گئے
 اور وہ دل سے نہ ہو سکے ۔ مراد یہ کہ میں تو ابھی وہی گناہ کرتا چاہتا تھا
 جواب یاد آگئے تو انوس ہوتا ہے ۔

غزل

بے گد کا حساب و فائے گل ، ۴۸۴
 تیرے دل میں ہے کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔
 (۴۸۵) اسے خدا تو بھوسے مرے گد کا حساب نہ مانگا ۔
 کیونکہ جب تو یہاں کرتا ہے ۔ تو بھوسے مرے گد کی حسرت کے واسطوں کا
 وہ نہ ۔ یاد مانگا ہے ۔ کہ کتنے ہی زمانے گئے ۔ جو دل ہی دل میں رہ گئے
 اور وہ دل سے نہ ہو سکے ۔ مراد یہ کہ میں تو ابھی وہی گناہ کرتا چاہتا تھا
 جواب یاد آگئے تو انوس ہوتا ہے ۔

بھوسے مرے گد کا حساب ہے خدا رنگ ۴۸۴
 تیرے دل میں ہے کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔

(۴۸۴) اجابت ۔ دعا کا قبول ہونا ۔ اس سے مراد ۔ وہ دل میں ہیں کوئی
 تیرے دل میں ہے ۔ کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔
 (۴۸۵) اسے خدا تو بھوسے مرے گد کا حساب نہ مانگا ۔
 کیونکہ جب تو یہاں کرتا ہے ۔ تو بھوسے مرے گد کی حسرت کے واسطوں کا
 وہ نہ ۔ یاد مانگا ہے ۔ کہ کتنے ہی زمانے گئے ۔ جو دل ہی دل میں رہ گئے
 اور وہ دل سے نہ ہو سکے ۔ مراد یہ کہ میں تو ابھی وہی گناہ کرتا چاہتا تھا
 جواب یاد آگئے تو انوس ہوتا ہے ۔

(۴۸۴) اجابت ۔ دعا کا قبول ہونا ۔ اس سے مراد ۔ وہ دل میں ہیں کوئی
 تیرے دل میں ہے ۔ کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔
 (۴۸۵) اسے خدا تو بھوسے مرے گد کا حساب نہ مانگا ۔
 کیونکہ جب تو یہاں کرتا ہے ۔ تو بھوسے مرے گد کی حسرت کے واسطوں کا
 وہ نہ ۔ یاد مانگا ہے ۔ کہ کتنے ہی زمانے گئے ۔ جو دل ہی دل میں رہ گئے
 اور وہ دل سے نہ ہو سکے ۔ مراد یہ کہ میں تو ابھی وہی گناہ کرتا چاہتا تھا
 جواب یاد آگئے تو انوس ہوتا ہے ۔

بھوسے مرے گد کا حساب ہے خدا رنگ ۴۸۴
 تیرے دل میں ہے کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو تیرے کوئی دعا
 مانگا کہ مراد یہ کہ ۔ ”ایک ایسے دل میں کسی
 کوئی آواز ہی نہ ہو اگر سے وہ خدا سے رنگ ہے“ تو تیری کوئی تیرے
 دل میں ہوگی نہ تیرے کو آواز دے گا ۔
 (۴۸۵) اسے خدا تو بھوسے مرے گد کا حساب نہ مانگا ۔
 کیونکہ جب تو یہاں کرتا ہے ۔ تو بھوسے مرے گد کی حسرت کے واسطوں کا
 وہ نہ ۔ یاد مانگا ہے ۔ کہ کتنے ہی زمانے گئے ۔ جو دل ہی دل میں رہ گئے
 اور وہ دل سے نہ ہو سکے ۔ مراد یہ کہ میں تو ابھی وہی گناہ کرتا چاہتا تھا
 جواب یاد آگئے تو انوس ہوتا ہے ۔

(۴۸۵) اس حریف (رقیب یا دوست) بدست کا حال کیسا خوش
 ہونے لگے جس کا سر اس گل (مشرق) کے پاؤں تلے ہو۔ جیسے کہ پھول کا سایہ
 چھوٹے پائے نیچے ہوا کرتا ہے۔ گویا مشرق کی قربت پھول کی قربت ہے۔
 (۴۸۸) پناہ و نسیم گل کو ترے لئے کیا بدلتی ہے۔ کہ تو اس سے خوشبو کو
 محروم نہ کر دے۔ ایک تیرے جیسے چہرے سے تو اس کے خوشبو لاتی ہے۔ وہ میرا
 رقیب بن گئی ہے۔ جس سے سراسر خائے گل۔ مروا نسیم بہار +

(۴۸۹) میرے جینا (شراب کے شیتے) میں شراب نہیں اور دل
 میں ہر شے کی معنی بات میں جا کر پھولوں سے طعنت اٹھانے کی خواہش
 نہیں ہے۔ (جو کہ تو سب سے بہتر وقت کرتی ہے)۔ ہذا میں ان دونوں چیزوں
 کی طرف سے محروم ہو کر غفلت بہار سے شرمندہ رہتا ہوں یعنی اس کا
 مزاج حاصل نہیں کر سکتا +

(۴۹۰) حسن خیر۔ عزت و احسن یعنی جو نہیں چاہتا کہ اس کی کئی برابری
 کرے۔ عظمت۔ رعب +

تیرے عزت و احسن کے جبرے کے رعب کے باعث میری
 نگاہ میں پھول کی کسی ادوار تک یعنی اس کی کسی طرح کی کئی ادوار (مختلف پھیلی
 ہوئی حالت) یعنی اس کے ساتھ لہو بہار و نسیم (میرے) کی نگاہ میں غفلت
 ہے۔ یعنی اس کے دیکھنے سے جو عزت میری نگاہوں میں غفلت آتا
 آتا ہے +

(۴۹۱) گل در قفا سے گل۔ ایک پھول کے نیچے دوسرا ایک پھول
 دیگر سے۔ پھولوں کا دستہ ہے۔ کہ جب ایک کہتا ہے۔ تو
 دوسرا بھی اس کے بعد کہتا ہے۔ پھر تیسرا چوتھا وغیرہ +

مطہب یقیناً تیرے ہی جلوے سے (جس کا تو ہوا میں بھی جلوہ آ رہا تھا)
 آج تک پھولوں کو کہا کہ (کہ تو ہی آگیا) بارخ میں یکے بعد

دیگر سے کھلا کرتے ہیں۔ وہ ایک مہم ہوتا ہے۔ کہ اسی شوق سے
 ایک کے نیچے دوسرا ہے۔ خلیا و در۔ با ہے +

(۴۹۲) خیال۔ یہاں مرویادہ گل جب قفا سے گل۔ سا
 آؤش زبانش۔ جب قفا سے گل۔ پھول کی قفا وہ سطح گل۔ پھول
 کے اوپر ہوا کرتی ہے۔ گویا پھول کا جو نہ تو گل جب قفا سے گل۔
 پھول کے چمکنے کی جبب کی زبانش +

خالت میں اس سے نہیں گزرتی کی آؤش رکھتے ہوں کہ جس کی یہ وہیل
 کے چمکنے کی زبانش ہے۔ یعنی پھول بھی اس کی باواہی نہایت زبانش
 خیال کرتا ہے +

حاصل شعرا۔ یہاں دوست کے حسن اور اس کی محبوبیت کا
 کائنات میں کیا ہے + اور اپنی آؤش کا انہار +

غزل

نہیں ہوا آوازوں کو شیش زنگش (۴۹۳) برق سے کرتے ہیں شیش زنگش
 نہیں ہوا آوازوں کو شیش زنگش (۴۹۳) برق سے کرتے ہیں شیش زنگش
 نہیں ہوا آوازوں کو شیش زنگش (۴۹۳) برق سے کرتے ہیں شیش زنگش
 نہیں ہوا آوازوں کو شیش زنگش (۴۹۳) برق سے کرتے ہیں شیش زنگش

(۴۹۴) عالم اجس میں ہیں لاکھوں فن نہیں آستہ
 جاسنے ہیں سید پرغوی کو زندانِ خادہ ہو

(۴۹۳) برق سے روشنی کرتا۔ جیسی کا ایک لڑیکہ گروشنی
 چمکتا +

تو دل میں لوگوں کو ایک دم صبر سے زیادہ صبر کوئی غم نہیں ہوتا ہم
کو آندہ ہیں۔ گریبا کی سے (جو نقد ایک گونہ گریس جو جاتی ہے) اپنے
ماں غم سے کی تمہیں کو چوتھے ہیں۔ مراد یہ کہ تاریخ گھر میں بھی گونہ کر
صبر ایک گونہ روشن پہنچاتی ہے۔ زیادہ دیر تک نہیں۔ کسی طرح
ہم آندوں کی مدت غم نقد ایک گونہ ہوتی ہے۔

(۴۹۴) گنہ یہ تاش کے تیر کی طرح اور ذی سنی تیر سے مکیلا جانا
ہے۔ روٹی گردانی۔ تیر کا ٹپٹ کرنا۔ یہاں مراد بیٹے ہادی
گنہ ہادیل۔ یہاں خیال کریتے ہادیل کیا ہے۔ یہ ایک ایک بت
عائد۔ بت عائد یعنی اس دنیا کی ہر جی و نقشب + ہمارے خیال کا
پتے ہادیل کے حصول کو وہ ہم ہم کر سکتا ہے۔ کہ ہم خبری و نقشب
و بت کے ایک جڑ سے پتے ہادیل + مینی ہوشیار اور تجویز کار +
(۴۹۵) ہادیل سے کہ ہم بھی ایک علیحدہ دنیا رکھتے ہیں۔ مگر ہنگامہ
پہلی میں جی شہد و ہنگامہ پیدا نہیں کیا کرتے۔ گویا ہم پر دانے کے ل
کے نسبت ان کی جہان میں۔ مطلب یہ کہ جیسے ہادیل اپنا کام خافضی
سے کرتا ہے۔ ہم بھی اس دوست کے تصور میں چپ + ہادیل ہرگز
کرتے ہیں۔

(۴۹۶) ہادیل کو دشمن کا ترک کرنا۔ صفت جنت کے باعث
ہے۔ لہذا ہم جنت مراد کے تجلی گاہ کے لئے ہادیل ثابت ہوئے
ہیں۔ یعنی بہت مردانہ پیر ہدیہ کریں تو اسی کو زول جاتا ہے۔ پس
ہماری یہ کم ہمتی قناعت سے نہیں ہے۔ بلکہ ہمیت ہی سست
واقع ہوتی ہے۔

(۴۹۷) اسے اسد ہادیل پر خون سینہ دہی میں غم کے سبب
زخم ہوئے ہادیل سے خون سینے میں بھر گیا ہے) بایسا ہے۔

کہ ہم اس کو ایک تسبیح مل جاتے ہیں جس میں ہماری لاکھوں
تسبیحیں گھر گھر کیے پھری ہیں +

(۴۹۸) بنا حاصل و سبب اسراجم کر۔

مناج غاڈ زنجیر جنت صبرا معلوم
بھگوانہ غیر میں ہادیل سے دور (۴۹۹) لاکھوں میرے خدا نے مری بکسی کی شہ
وہ عائد اسے زلف کیوں ہیں چلی بند (۵۰۰) لاکھوں میرے دعویٰ وادشلی کی شہ

(۴۹۸) زنجیر کی کڑیاں اندر سے خالی ہوتی ہیں۔ اس لئے
مناج غاڈ زنجیر جنت صبرا معلوم۔ یعنی سب کو معلوم ہے۔ کہ جو
زنجیر کے گھر کا مال و متاع ہوا کرتا ہے۔ یعنی کچھ بھی نہیں۔ مگر زنجیر
چلی تو اس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنے
لب کو نصیحت کرتا ہے۔ کہ تو بھی زنجیر کی طرح تہیہ ست ہے۔ لہذا
عائد ہادیل نے دھوئے کا ٹھوکر ہادیل سے جی سے اپنی دل سبب
دل کے خوش کرنے کا سارا وادش (جمع کر۔ مطلب یہ کہ تہیہ ستوں
کے نصیحوں میں ماں و متاع کہاں۔ کہ اس سے دل خوش کریں۔ وہ
اپنے روئے کے شور سے اپنا دل بھلا کر ہیں +

(۴۹۹) ہادیل و بیکس قناعت پیر وکی میں خدا نے مار گوا
میری بیکسی کی سبب ہم رکھ لی یہی اگر دہی میں مرنا اور اس لئے کہ میرا
کوئی ہادیل وادش نہ تھا۔ کوئی میرے جن سے پر نہ تھا۔ تو اس میں میری
حزت ہی کہا ہوتی۔ مگر مسرت میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ کہ کوئی مر
بھگوانہ میرا ہادیل وادش

(۵۰۰) اس کی زلف کے گنڈال کے بال میری صحت ہیں ہیں

دیں دھوئے کیا کرتا ہوں کہ کسی پر عاشق نہیں ہوا کرتا، اسے خدا میرے سے اس
دعویٰ کو ادلی کی شرم دکھایا، یعنی مجھ کو اس کی محبت کا سیر نہ جانا +

نوں دام محبت خستہ سے یکٹا پٹس دے ۵۰۱ | غالب یہ خوف ہے کہ کہیں سے اور بکروں

۵۰۱ | میں اپنے سوئے ہوئے غیب سے ایک خوب خوش
قرین تو نے لوں مگر غائب ہے ذرا سے کہ اس قرین کو چہرہ دیکھ کر
دیکھو نہ کہ نہیں تو ایک لذت کیجئے بھی نہیں آتی +

غزل

۵۰۲ | وہ فراق اور وہ وصال کہاں ۵۰۲ | وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصت کار و بار شوق کیسے ۵۰۳ | دوق نظر و ماہ وصال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا ۵۰۴ | شور سنوارا ہے خط وصال کہاں
مٹی وہ آگ شخص کے قصور سے ۵۰۵ | اب وہ رعنائی غیبی کہاں
ایسا آسان نہیں لہو و دانا ۵۰۶ | دل میں طاقت جگر میں جان کہاں
ہم سے جیوتاقت و غایت عشق ۵۰۷ | وال جو جانیں گرہ میں مال کہاں
کفر و نیائیں سر کھپاتا ہوں ۵۰۸ | ہیں کہوں وریہ و بال کہاں
۵۰۹ | مشکل ہو گئے قوی ثابت
وہ غن غریں اُمید کہاں

۵۰۲ | وہ فراق اور وصال اب نہیں رہے نہ وہ شب و روز
ماہ و سال + شاعرینی جوانی کا عالم اور فراق و وصال کی یاد کر کے یہ

مطلق کہتا ہے +

۵۰۳ | کار و بار شوق، محبت کے کار و بار + دوقی تھانوی جمال، دوست
کے حسن دیکھنے کا شوق بے طلب ظاہر ہے +

۵۰۴ | دل تو دل سب وہ دماغ بھی نہ رہا - یعنی جڑ جاپے میں دل
وہ نہیں ہوتا، جو کہ جوانی میں، مگر دماغ تو اکثر یکساں رہتا ہے - لیکن یہ
محبت وہ نہیں رہا، کیونکہ دوست کے خط وصال کے سبب جو دماغی مٹی
اس کا شور و فساد و غیب و دماغ کے ہم سے نہیں ہو سکتا +

۵۰۵ | ایک شخص (مراد شوقی رعنا) کے قصور (خیال یا محبت)
کے باعث ہمارے خیال میں رعنائی یعنی غریب و تنہائی گریہاں نہیں جوانی
میں ہی دوست کے باعث تھا +

۵۰۶ | اب لہو و دانا جیسے کہ جوانی میں تھا پیری میں آسان نہیں
وہ کیونکہ دل میں روئے کی طاقت اور جگر میں وہ طاقت قائم نہیں رہی ہے
جب کہ جگر میں خون، لہو روئے کیسے باہر ہو تھا +

۵۰۷ | عشق کو قہر و مال داس نے یہاں (من کی) سے کہ جس طرح
قہار خانے میں روپیہ پار دیا جاتا ہے - یہاں بھی دل اور جگر کی طاقتیں
سب کھینچ پڑتی ہیں، لہذا آگت سے ہم سے یہ قہار خانہ عشق - اب اس
نے جیوتا کہ وہاں اگر جانیں تو لگرو میں مال نہیں جو یعنی وہاں حسن و عشق
کرنے کے لئے دل، جگر، دماغ و خسیہ کی سب طاقتیں چاہئیں جو
جس قیمت میں - جیسا کہ نقد و مال ہمارے پاس نہیں رہا ہے
۵۰۸ | دنیا کے فکر و دل میں مبتلا ہوں پس میں + اس پیری
میں، حسن و عشق کا وبال کہاں، میں تو اس قوی نہیں رہا +

۵۰۹ | اب تو بدن کی طاقتیں (کمزور) ہو گئیں اور غن
میں قہر و آب و بار و خاک جن سے انسان بنا ہے - ان میں غن

غزل

۵۱۰ (۵۱۰) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۱ (۵۱۱) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۲ (۵۱۲) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۳ (۵۱۳) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۴ (۵۱۴) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۵ (۵۱۵) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۶ (۵۱۶) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۷ (۵۱۷) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۸ (۵۱۸) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۱۹ (۵۱۹) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۰ (۵۲۰) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں

۵۲۱ (۵۲۱) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۲ (۵۲۲) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۳ (۵۲۳) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۴ (۵۲۴) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۵ (۵۲۵) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۶ (۵۲۶) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۷ (۵۲۷) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۸ (۵۲۸) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۲۹ (۵۲۹) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں
 ۵۳۰ (۵۳۰) گر بہن میں نہیں ہے کہ گمشدہ کی گمشدہ میں نہیں

حسب کا اثر رکھتی ہے۔ یعنی ایسی ہوتی واسے پر سب مہر و مہرانی کرتے
 ہیں۔ جب سے مجھے میرے زخمی پاؤں پر رزم تھا ہے۔ تو میں راہ سے
 گزر کر ہم پیر سے پاس گئے تھے۔ اور رستے میں جس کاٹنے سے ہمارے
 پاؤں زخمی ہوئے۔ اس کاٹنے کو ہم مہر کہا کرتے ہیں۔ کہہ کر کہ جس ہم کو چھوڑا
 ہم پر تو نے رقم پڑا۔

۵۱۱ (۵۱۱) وہ ایک شرور مشق جوڑوں میں ہے اس سے کوئی گہرا نہ پائی
 کی کر اگرچہ ہم اس دشمن کا مہم بنی ہر آگ کھینے میں بیٹھی کھینے سے
 میں اس کو جو ادھر اسے عشق کا دوست کی جاہت کھینے میں۔ تو جیت
 کوئی آگ نہیں ہے۔ کہ جس سے صبا کے کاٹوں ہو چکا تو اس کے ہر
 ۵۱۲ (۵۱۲) تاحہ سے کہ جتنی کسی کا غرور مد کی جائے اس کا
 اور ہوتا ہے۔ کہتا ہے۔ دیکھنے اس شرور کی عزت اعرور کہ ایک
 دے یعنی کیا تانچ پیدا کرے۔ ہم اس کی ہر دست پہ تانچہ نام خدا
 ہم اللہ اور شاہ کے طوطے کہتے رہتے ہیں۔

۵۱۳ (۵۱۳) وحشت۔ ظلم علی خال وحشت۔ اور شیفہ۔ جواب
 مصطفیٰ خال محض۔ شیفہ غائب کے ہمسفر اور دوست تھے۔ تانچہ
 تو جس کے کلام میں سوز و گداز ہو۔

۵۱۴ (۵۱۴) تانچہ۔ تانچہ۔ مرگیا ہے اب ظناں وحشت اور شیفہ
 وحشت۔ اس کا مرگیا ہے کہ ایک غیب سے کہ ان دونوں میں سے
 کوئی بھی نہ مگر سکا اور خواجہ اللات عین صبا خانی غائب کا ایک
 پہلے نہ یہ تھا۔ جو وہیں تھا ہی گیا۔ ایک اور میر ہدی جوں نے
 ہی غائب کے اپنے مرنے کے۔

طلب یہ کوئی کرتے ہیں گریہ کا اپنے واسطے ہیں نہ ہوتا پس اس کی مراد
چھپے کرتے کو بیکار کے اس کی ضرورت کی کا باعث ہوتی ہے۔ ایسے ہی
جو بول باغ میں نہ ہو تو اس کی یہ سردی اس پھول کے نئے بیج ترقی
کا باعث ہوتی ہے یعنی کرتے کی عزت گریہوں ۲۰ واسطے ہوتے
کے ساتھ اور بول کی کل مدد باغ ہونے سے وابستہ ہے +

(۵۲۱) میں اس قدر دہر دہرا رہا ہوں کہ ب صفت ہر کو میرے
تن میں کچھ بھی (خون) باقی نہیں رہا ہے۔ بلکہ جو قوت از بہت خون دہن
سے نکلا ہوا وہی شکل رنگ کے وہاں سے نکلا ہے +

(۵۲۱) اگر کھڑکی گھڑی بند ہو اور اس میں سے دھوپ کی کرنیں
کھلیں تو اس میں سے ذرے ذرے اڑتے ہوئے دکھائی دیا کرتے
ہیں + کہتا ہے پڑتے اس کی گھڑکی میں جمع نہیں ہو گئے ہیں۔ بلکہ
آفتاب کی نظر کے اجڑا جب اس کی طرف دیکھتے کرتا کہ جہانک
نکلا تھا (شوق دیدار کی طرف سے جمع ہو گئے ہیں) +

(۵۲۱) میں اپنے قید خانہ غم کی تباہی کا دل بہاؤں کیا کروں
انہر میرے یہ بندہ تباہی گھر پر ظلم ہے۔ کہ اس دزدان غم کی خزانہ میں کچھ
روٹی کہیں نہیں دے تو اس اور میرے کے تباہی سے وہ سینہ
دھن بھی جس کے تباہی سے کم قیمت ثابت نہیں ہوگی +

(۵۲۳) مشت میں کا خاصہ تباہی کرتا ہے۔ اور چمک برقی غم
بھی کھدیاں کو برہم کر رہی ہے۔ تو گویا اس کو طے سے دوڑتی بیک

ہی میں غم
ذندلی کی روٹی اس تباہی مشت سے ہے۔ اور چمک برقی غم
غم سے مشابہ ہے۔ تو گویا یہ برقی غم اگر نہ ہوتا تو غم بے سطح
ہو جاتے مگر یہ غم دنیا میں ہم بستے ہیں بے شمع یا نہ ہمیری

جہاں سے +

(۵۲۲) میں نے زخم کے ناسکے سلوانے تو میرے کمر
نے۔ کہ میں زخم کا علاج کرا رہا ہوں۔ تاکہ آئندہ تکلیف نہ رہے
چاہے اس کے سلوانے سے بھی تو زخم کی سہی سے تکلیف پہنچا کر رہی
ہے۔ تو یہ کوئی مزے کی بات نہیں۔ جیسے کہ خیر نے سمجھ رکھا
ہے +

(۵۲۵) جو کہ زہر افامین مشرق کے کشتہ حسن میں۔ ہماری تہ
میں کوئی نمی نہیں ہے (بلکہ اس بہار ماند کے تصور کے باعث پہلوں
کا جلوہ ہی جلوہ بھرا ہوا ہے) +

(۵۲۶) ہر سے طرف کا ایک ایک قطرہ ایک ایک نئے بہار
کا پہلو یعنی سواہر جلتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر احوال میں جلتی
مردہ سیکھانے کے لئے میرے جسم میں قدر با ہے کہ وہیں ہے +
(۵۲۷) تو زم زمی۔ یہاں مراد بکثرت شراب پینے کی عادت
ظہور کے فاسی ہیں صفت سنی ہیں۔ یہاں مراد مصدق
ہے +

ساتھ کے مرد نے میری کثرت شراب نوشی کی عادت کو غام
کر دیا کہ کوئی سوچنے کی نہ یا عصب شراب میرے شیشے کی گردن
میں نہیں ہے۔ مگر شراب اس میں سے دکھائی نہیں دیتی۔ رنگ سنی
خود ہی ہے۔ لیکن صنعت نے پتھیر شمشادے فادس رنگ سے
عرق شراب مراد بھی ہے۔ اور وہ لود گردن کا تباہی و کھانا
ہے +

(۵۲۸) لٹا رہا۔ یہ تو کسی چیز کو کھال ڈالنا۔ چھوڑ دینے
یہ تو کھال کھال دی تو اب لٹا رہی کھال کہاں باقی رہا۔ لہذا تو

یا کمزوری جس سے انسان کا ذہن جھکا جایا کرتا ہے۔ اس میں سے کسی سے تو کو جھکا نہیں سکتی، اور مجھے اپنے جسم کو شکادت کے وقت جھکانے سے جو خدا آرام ملتا تھا، اس میں وہ بھی نہیں مل سکتا۔

(۵۲۵) اسے غالب وطن میں میری کمزوری کی علت تھی کہ عالم مسافرت میں کچھ قدر ہوتی ہیں بے شک گھاس کا وہ جھیر مٹا ہوا ہو جھک جاتی ہیں۔ اور اگر مٹی میں ہوں تو جھلا دیا جاتا ہوں۔ اگر باہر ہوں تو پاؤں تلے روند گئے ہیں۔

غزل

عہد سے بدج ناز کے زہر آسکہ ۵۲۱ گر اک اداس ہوتا ہے اپنی قضا کہوں
ملنے میں جھپٹاؤ گستاخ ہوتے ہیں ۵۲۱ ہر تار زلف کو کہ سر سرہ سا کہوں
میں اور مدد ہزار نواز جگر خراش ۵۲۱ تو وہ ایک وہ شفیق کہ کہی کہوں
۵۲۲ ظالم مرے گمراہ مجھے منتقل نہ چاہے
ہے سے خدا نہ کہہ جسے بے وفا کہوں کہ

(۵۲۰) عہد سے باہر نہ آنا۔ جیسا کہ چاہئے دلیا کوئی کام نہ
نہ ہو سکے۔ نالہ سے یہاں مراد لغز بی کے سواں +
میں اس کی دلائی کے سوا دوسرا مان کی حسب منشا تعریف نہ کر سکا۔
اگر ایک ہی اداس ہوتی دھڑا اس کے دیکھنے کی واہ چنے کی اواد غصہ
تو اس کی تعریف میں اس کو نہیں اپنی تعریف کہہ دیتا۔ مراد اس کی مدد (اداسی
ہیں۔ جو میری قضا کا باعث ہیں + تو میں کس کس پر مراد اور کسی شریف کوں

(۵۲۱) جھپٹاؤ گستاخ سے کشادہ۔ طرب کھل ہوئی آنکھیں جو کسی چیز
پر پھان پھاؤ گستاخی جاتی ہیں کہ موقع سے تو وہ چیز گم کر دی جائے۔
جیری زلفوں کے صفے دکھانے والی کھل ہوئی آنکھیں ہیں۔ جو میرے
دل کی طرف اس کو پھینکے کیلئے تھی ہوئی ہیں۔ اس نے من سب سے
کہیں اس زلف کے ہر تار کو نگاہ سر سرہ آلود کہوں جو کہ ان کندہوں
و حلقہ سے زلف کی آنکھوں سے گل کر میرے دل پہ پڑتی
ہیں کہ اس کو نہیں لیں۔

(۵۲۲) میں اور ہزاروں جگر خراش آؤ و ذاریاں اور توڑ
ایک وہی ناسخ کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا +
(۵۲۳) میرا گمراہ یعنی شک یا وہم مجھے بتاتا ہے کہ تیرا
سے۔ مگر اسے ظالم مجھ کو اس میرے وہم سے منتقل نہ چاہے یعنی تیرے
وہم نے دے۔ (وفا کرور) ہے سے خدا ایسا نہ کرے کہ میں
(جیری بیوفایوں و بیکہ کہ مجھے ایک دن) بیوفاکوں +

غزل

۵۲۴ ہر ماں ہو کے بلا رہے جا ہوں جس وقت
میں غریب وقت نہیں ہوں کہ میرا جی سکوں
۵۲۵ صفت میں معنی غیب کا شہوہ گپ ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ ایسا بھی نہ سکوں
۵۲۶ دہشتا ہی نہیں مجھ کو سست کر دے
کی قسم ہے تیرے شے کی کہ کھائی نہ سکوں

(۵۳۴) تم مجھے جس وقت کہ جاؤ نہ مہربان ہو کے (بلا شکست) بلا کر دہیں کوئی کیا خواہ وقت میں کون جہالت سے ہلا جائے۔ تو پھر (۵۳۵) آپ نہیں سکتے۔
 (۵۳۵) میں حالت ضعف و فتنی میں ہوں۔ ریلیوں نے فتن کی دشمنی کے نفس نکر کے میں بیہوش ہو گیا ہوں تو آپ اس کا شکوہ کرتے یا ڈرا کیوں مانتے ہیں۔ میں ریلیوں کی یہ بات اٹھا رہا ہوں اور صبر کر رہا ہوں کیونکہ بات کوئی میرا سر تو نہیں ہے۔ کہیں جس کو یہ حالت ضعف اور غفلت سکوب ہو گا سر نہ اٹھانا اور بات نہ سنا کر (۵۳۶) قسم کے اردو میں کئی معنی ہیں۔ یہاں انکار۔ مجھے گائے ہندؤں کی قسم ہے۔ خنزیر مسلمانوں کی۔ اسی طرح اگر کسی سے اقرار کیا جائے کہ تم فلاں شخص سے نہ ملا کر و تروہ کہے گا کہ چھ اس کا منہ فوج پر قسم ہو۔
 دوست سے کہتا ہے کہ زہر کچا پیرے تلے کی قسم تو نہیں ہے کہ جس کو کسی صورت سے بھی نہیں کھا نہیں سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ زہر مٹا ہی نہیں رہا۔ اسے ظالم میں اپنی جان سے استفادہ تنگ ہوں کہ اسے ضرورہ کھالوں +

غزل

۵۳۶ ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پہلے سستی ایک دن
 ۵۳۸ عذرا باوجود ہنسے عالم اسکان نہ ہو گا

۵۳۶ ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پہلے سستی ایک دن
 ۵۳۸ عذرا باوجود ہنسے عالم اسکان نہ ہو گا

(۵۳۶) وقت کے پرستی یعنی شراب پیتے وقت ایک دن تم بھی شراب کو لانے والی رکھ کے شریک بنے ڈالو ہر جاؤ۔ ورنہ قہر سے نکال دے کسی دن ہر تم کو لٹکا دیجیں گے اور اگر تم شکوہ کرو گے تو زہر دیکھو کہ تم شراب کے تلے میں تھے +
 (۵۳۸) عذرا کسی چیز کو پاس ہونے پر ضرور کرنا۔ عالم اسکان۔ عالم مستی۔ یہاں ضرورہ بات انسانی کا وجود +
 حجاب۔ من فی کی بنیاد کی ہندی پر دینی اپنے آپ کو آخرت میں ضرور قائم تصور رکھے۔ ضرور نہ ہو۔ بہرہ گو میں ہندی کے نصیبوں میں ایک دن پستی نکلیں سب۔ مراد یہ کہ سب کی وہ بنیادیں جائے گی۔ اور وہ ہندی پستی ہو جائے گی۔ یعنی آخر میں کوئی نصیب ہوگا +
 (۵۳۹) ہم شراب قرض سے کئے چیتے تھے۔ تاہم دل میں سمجھتے تھے کہ یہ سب دیکھ کر فائدہ مستی یعنی باوجود تہید سستی سننے میں۔ زانا ایک دن ضرور رنگ لائے گا یا بڑا آئینہ م دکھائے گا۔ سو اس نے دکھا یا +
 سبکے ہیں عذرا سے بعد جب مرزا ملک کی پیش بند ہو گئی تو وہ کسی

دو کا ہزار سے روپیہ ادھار سے لیکے شراب پیا کرتے تھے۔ جب
قرین زادہ اس کا قرضان پر و عری دار کیا گیا۔ معنی صدر الدین خاں
کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ اپنے اقراہ جیم اور خذیر نقضیر کے
طور پر جاتے ہی یہ خسرتی جاتا تو ملحق صاحب جس ویسے اور خود پر
دکارتے مرزا کو بری کر دیا۔

(۵۴۰) تھہ اسے غم، یعنی غم کی حالت میں زور کے ساتھ
چیننا چاہتا۔

اسے دل غم کی حالت میں یہ جو ہم چیتے چلاتے ہیں۔ تو یہ بھی
قیمت ہے کہ یہ زندہ کا ساز (ہاجہ) ایک دن بالکل ہے جسے اپنی
جسب پر ہانے گا۔ اس سے نفرت نہیں نہیں نکلی سکے گا جسب
یہ گزندگی ہونا چاہئے خواہ دلہوں ہی میں لہر جو۔

(۵۴۱) اسے غالب اس سرتا یا نا ذہن مشرق کا شیوہ۔
(دستور) وصول و تہا میں کسی سے وہیں تکا مشق نہ نہیں ہے (اور
ہاں اس طرح ہیں معلوم ہوا کہ ہم ایک دن پیش رستی ہیں
کر کے) اس کو ایک وصول جہا چیتے تھے۔

غزل

۵۴۲ ہم پر جفا سے ترکب و فکا کہم ن نہیں
اک چیتے سے دگر نہ مراد امتحان نہیں
۵۴۳ کس منہ سے شکریہ اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پاسے سخن ورمیان نہیں

۵۴۴ ہم کو ستم عہد ستم کر کو ستم عہد
ناہر ہاں نہیں ہے اگر ہر ہاں نہیں
۵۴۵ ہوسہ نہیں نہ دیکھنے و ششام ہی سہی
آخرو ہاں تو رکھتے ہو تم گر ہاں نہیں
۵۴۶ ہر چند ہاں گدازنی قبر و عتاب ہے
ہر چند پشت گری تائب و قریب نہیں
۵۴۷ جاں مطرب ترانہ دل میں مزید ہے
لب پردہ رخ نہ مزمن الاماں نہیں
۵۴۸ سے تنگ سینہ دل اگر آتہ ہو
سے عاروں نفس اگر آدرشاں نہیں
۵۴۹ خیر سے چہر سینہ اگر دل نہ جو وہ خیر
دل میں چہری چہر مرزا گر خون ریکاں نہیں
۵۵۰ نقصان ہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمین کے بد سے سیاہاں گزوں نہیں
۵۵۱ کہتے ہو کہ لک سے تیری سروسخت میں
گھر ہیں ہر سہ و جت کا دنیاں نہیں
۵۵۲ پانا ہوں اس سے داد کچھ ایسے کلام کی
روح القدس اگر جہیرا ہم زبان نہیں
۵۵۳ جاں سے بہا سے جو سر دے کیوں کیے نہ
خامتہ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

(۵۴۶) ہم ان کی جفا سے تنگ آ گئے ان سے وفا کر، ترک
 کردیں۔ یمن کا کمان یا علیاں نہیں ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ (ہم
 پر) بار بار وہ ظلم کر کے گویا (ہماری) وفاقا امتحان کر رہے ہیں۔ جبکہ
 بنی کو اب ایک چھپرہ سمجھی ہے۔ سرفتن کے طور پر وہ وفاقا آنحضرت
 کر رہے ہیں یعنی وہ ظلم کہ جو کہ ہم برداشت کر سکتے ہیں جس پر مشکل
 بات نہ آتا ہے۔ پھر بھی چھپرے کے طور پر ہم بار امتحان کر رہے
 ہیں۔

(۱۴۱۵ھ) دوست کی اس پرستش حال کا جود ہماری عین
پناہ تھا۔ کے بغیر بات چیت کے اپنی ہائے سخن و میدان نہیں
میں مارا جائے۔ کسی مذہب سے مل کر یہ دیکھیں۔ یہ تو عمر اس کا ہم پر ایک
ملطف خاص ہے۔
کسی وقت وہ شخص جو دور دور جاتے ہوں۔ ان میں سے ایک اپنا
باتہ ہا کر دوسرے کی پرستش حال کر لیا کرتا ہے۔ یہاں کسی ایسی ہی
تقریب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۵۴) دوست کا ظلم تو ہم کو مزید ہے۔ اور ہم اس کا ظلم کو
عزیز تو اس وجہ سے ٹکروں کہ ہم پر ہر بان نہیں ہے۔ میں ظلم کو مانا ہے
تو کرنے وہ (یہ ظلم تو ہم کو ہی عزیز ہے) میں نے وہ نامہ بان لکھ کر دیا
گو ہر بان بخارے (عشق جب ظلم کو پسند کرتے ہیں تو ہر شخص ان پر ظلم
کرتے ہوئے ہر بان کرتا ہے)۔

(۵۴۵) مشورۂ کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ وہی (منہ)
 کہے ہیں ذکر یہاں سب اذکار کے کہنا ہے کہ اگر تم وہ نہیں کہتے، وہ اسی
 لیے جو۔ یہو نہیں دے سکتے تو نہ دیکھئے! غور اس پر کیجئے جو اسی سے
 اپنے فائز کو کمال گلی ہی دے دیئے کہ وہ اتنے ہی میں عرض ہے

4/26/20

• 2007

(۷۴) در محضر تقدیم شد

پشتِ گرمی سے مراد سہارا ہے۔ لیکن مزید یہ معنی اور زیادتی مراد
سچ زمرہ احوال نہیں۔ یعنی چٹا، بگھنے سے لئے کرفی لفظ تک سنہ
سے جس بھلا ہے۔

ہر خدین کا جاں گداز قبر و مقبرہ ہے۔ نازل ہوئے ہے۔ اور اگرچہ
ہر ایک کتاب و توں کو کسی چیز کا سہرا نہیں ہے۔ یعنی زیادہ دیر
نہم پہننے کے ناقابل ہے +

لیکن پھر بھی ہمارے بپ پر کسی سے چھوڑنے کا ایک فائدہ
 نہیں آتا۔ اور ہماری جان بھرپور اسی طرح زیادتی ظلم کا ترس گئی ہے
 وہاں کہ مغرب اس سے کہہ گا اگر ایسی ہی ایک گزرا ہے۔ جو اعلیٰ سرزمین
 گیت گاری ہے

۴۴۰۔ اگر دل میں غل کے تشکوک نہ ہیں جیسے خود چینیہ کے لئے مہر
فرم ہے۔ ہر طرح نفس یعنی سائنس بلکہ خود اہم اگر وہ فضا میں نہیں
سہی اور اس قدر گرم نہیں ہے۔ کہ نہ جگہ نشہ ہو جا۔ اس کی ہمیشہ برکت
رہے اگر نہیں سکتا تو ایسی ہول کے لئے موجب واسعہ ۱

۵۴۹) اگر میرا دل (عشق کی بدولت) اور میرے نہیں ہوا تو
 میرے میرے میرے میرے (اور پھر دل کے دو گھڑے کر دے)
 میرا اگر میری مرگ گان (میں) خون دل سے تو ہو کے خون نہیں
 نکالتیں۔ تو میرے دل میں ایک میری چہرہ دے کہ لون چکوں تک
 ۵۵۰) (مرا) یہ کہ میری (میرا) خوب بند *

(۵۵۰) جو سے کھرتا ہوں۔ حالت جنون میں اس سے

کچھ نقیان نہیں ہوتا کہ جو جہشت میں جبر کے بیہان کی طرف نکل
چاہتے تھے تو انہوں کی (سورگ) زمین کے دے گویا آتشا جہنم میں رہتے کہ
بل چاہتے گا۔ قرآن میں یہ لکھا ہے کہ

۵۵۱۔ چچو جو تم کہتے ہو کہ میری نعمت میں کیا لکھا ہے۔ (یہ)
اس لئے ہے کہ ان کو یا تم نے میری پیشانی پر چھسکا۔ بہت کا نشان ہے
اس کو نہیں دیکھا اگر دیکھا ہوتا تو خود ہی جان دیتے کہ میری نعمت میں
ایک بہت بڑا نشان لکھا ہے۔ اور پھر یہ اسوں نے کہنے لگے گویا جہنم میں
نہیں ہے مراد کہ ہمارے نزدیک میری پیشانی پر سجدہ بہت کا نشان
نہیں ہے کہ تم نے اسے بھرد دیکھا نہیں ہے۔

۵۵۲۔ روح القدس۔ جبریل فرشتہ جو کلام وحی لایا کرتا ہے۔
جہر ہاں نہ چھتا نہیں میں باتیں نہ کرتا۔ یعنی جبریل فرشتوں کے ساتھ
باتیں نہ کرتا اور کلام وحی بالکل بے غش ہوا کرتا ہے۔ درجہ جبریل میرے
ساتھ کچھ کلام نہیں کرتا یعنی میں کوئی پیغمبر نہیں کہ جبریل مجھ سے ہم زبان
کرتا ہے میرا حکم نہیں گویا وحی ہی کی طرح کا ہے۔ جو کہ روح القدس مجھ
سے کہتا ہے اور اسی سے میں کہہ اس کی داوا کرتا ہوں۔ بعد ازاں اس کو
کہہ سکتا ہوں کہ مراد یہ کہ میرا کلام بالکل بے غش ہے۔

۵۵۳۔ جان ایک سو سے کی قیمت تھہری ہے۔ مگر وہ
ابھی سے کیوں اسے مانگے (اور اس کے عرض ہوسدے کہ) کہ وہ
جانتا ہے کہ غالباً مجھ پر جان ہو نہیں سکتی ہمارا کہ ہوسدے تو جب جان
کی قیمت میں ادا ہوگا جب کہ غالباً ہری طرح جان دے
دے گا۔

غزل

۵۵۴۔ باغ دشت نور دی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر سے سرے پاؤں میں نہ بھر نہیں
۵۵۵۔ شوق اس دشت میں دروازے ہو کہ کوہ جہاں
جادو شیراز کیو وہ فو تصور نہیں ہو
۵۵۶۔ حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
مرد و دل جز وہم شمشیر نہیں
۵۵۷۔ رنج لڑبیدی چاہید ہو وہاں رہو نہ ہو
خوش ہوں مگر نارہم ہوتی کش تاثیر نہیں
۵۵۸۔ شرم کی تار سے جہاں دلیج سرا جہاں
نہت سگ ہاندہ لڑو نظیر نہیں ہو
۵۵۹۔ جب کرم رخصت ہوا کی دگستاخی دے
کوئی التفہیم بجز غفلت تفہیم نہیں
۵۶۰۔ فطرت یہاں یہ فطرت ہے بقول تاسع
آپ ہے ہر اسے جو مستعد تیر نہیں

۵۵۴۔ چکر کہ مرے پاؤں میں کوئی تدبیر نہیں ہے کہ ہے
کوئی چکر سے گا۔ اور میں بل پھر نہیں سکوں گا۔ بلکہ ایک چکر ہے
(جس کو کوئی پکڑ ہی نہیں سکتا) لہذا کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی
کہ جو کہ مرے ہر اسے دے دے۔ دلی اوراق ایک دیوانے

کو خواہ کتنا رو کو حتی کہ زنجیر بھی ڈال دو تو وہ اٹھ اٹھ کر دوڑے گا۔ دشت سے ہاڑ نہیں آئے گا۔

(۵۵۵) عشق بھوکوس (خیالی) مہمان میں دوڑا ہے جاتا ہے۔ کہ جہاں دست پر بیٹھنے کی پکڑ نہ کی (۵۵۶) ایک نصیب پر کی آنکھ کی نظر کے سوا اور کچھ نہیں ہے (نظر نصیب پر کی نظر تو سودوم ہو آگتی ہے لہذا) مرد یہ فکر خیال کے گھوڑے سے دوڑا رہا ہوں یہ بھی سودوم نہیں کہ منزل کی حد ہے

(۵۵۷) جو کدہ راہ دکان بکھڑی تھی وہاں کی دھار کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی اس پر بیٹھنے سے انسان کو رکھ جاتا ہے۔ نہ بہرہ افشوس ہے کہ ہم جو دوست کے ساتھ دغا کرنے کے ذوق کی لذت کے شائق ہیں۔ اس راہ و قی پر ہیں ترک کر مر جائیں گے۔ اور ہمارے دل سے حسرت لذت آزاد ہو گئے نہیں ہاں ہے

(۵۵۸) چونکہ میرا نالہ لہو کی گشت لایز نہیں ہو سکتی کسی تک پہنچ کے میری رسوائی کا سبب نہیں بنا۔ اور اس طرح کوئی میرا حال نہیں جانتا۔ اور نہ میرا کوئی غم غور ہے۔ لہذا میں ہمیشہ کے لئے اپنے غم کے ریح ہو گئے سے ناامید ہو چکا ہوں۔ تو "اے رنج زبیدی جاوید" تو ہمیشہ کے لئے ہو نہیں میرے حسب مراد قائم رہیو

(۵۵۹) جب کبھی میرے سر کا زخم اچھا ہو جاتا ہے۔ تو میرے سر پر سرکھانے لگ جاتا ہے۔ (گو یا پھر میرے سر پر پتھر کھانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے) لہذا چہ چنوں کی چوٹ کی لذت اندازہ نظر کرنا بیوقوف کے باہر ہے (مراد منکران کو پسند کرتا ہے)

(۵۵۹) جب اس لاکرم (بکشتش) میں اور زیادہ گن ہوں میں ہے اک جوئے۔ اور یہ ہونے کی اجازت دے۔ (نظر پر ہے کو کو یہ امر خدا کی طرح کے باطل کو مانتی ہے۔ اس وقت گناہ کرنے سے شرم کرتا۔ ایک طرح کی غلطی ہے۔ وہ غلطی بھی ایسی کہ اس سے بڑی ہو جی ہوسکتی (مراد یہ کہ جتنا کوئی شخص زیادہ گنہگار ہو اتنا ہی خدا پر زیادہ مس پڑی بکشتش کیا کہتے ہیں)۔

(۵۶۰) غات ہوا میں یہ طقار ہے۔ بقول ناسخ کہ جو شخص میرے دیکھتے والوں سے ہے۔ اور کو باپ ہی ایک ایسی ہی دولت کے خود ہے۔ ناسخ کے میرے قیاس میں یہ طقار ہے

نظر ناسخ نہیں کہ میرے کی دستاوی میں
آپ ہے میرا ہے جو عقد میرے نہیں

غزل

- ۵۶۱ مت مرد کب دیدہ میں بکھو یہ نگاہیں
ہیں جت سوید است اب چشم میں آجین
۵۶۲ یہ ظکاب گرہ عیش سے دیکھ چاہئے
کھل گئی مہر گل سو جا سے دیوار میں
۵۶۳ الفت گل سے غلط ہے دعویٰ وادستگاہ
سرو ہے ہا صفت آزادی گرفتاری چن

(۵۶۱) مرد ملک دیدہ یعنی میری نگاہ کی پہل میں جھکا ہیں ہیں ان کو ٹانگیں
 دکھو۔ بلکہ دلی جہنم (یعنی آنکھوں کے دل) مانتیوں میں سیاہ لٹکان میں سرور
 کے ہے۔ اس میں میری آہیں دیکھ رہی ہیں۔ مدام وہ نظریں کے وال سے
 نکل رہی ہیں۔

(۵۶۲) عاشق کی گرد و زار کی ہر بات میں دیکھنے کے قابل ہے کہ کہ
 اس قدر پتہ زور ہے۔ بلکہ اس سے باغ کی وہ پہل کے کھٹنے کی طرح حد
 جگہوں میں سیت چٹا گئی ہے۔

(۵۶۳) جب اس کی مینہ مشق کی محبت ہوئی تو پھر اس سے آزادی کا
 دعویٰ ملتا ہے۔ کیونکہ سرور باد و دیگر اس کی تعریف میں سب کہتے ہیں کہ زیاد
 ہے۔ مگر نہیں وہ بھی باغ کی محبت میں گرفتار ہے۔ کہ وہ اسے چھوڑ کر کہیں
 جانے سکتا۔

غزل

عشق تاثیر سے فوید نہیں	۵۶۴	جان سپاری شجرہ یہ نہیں
سلطنت دست بدست آئی	۵۶۵	جام نے حاتم جمشید نہیں
سب بکلی حری سادان و ج و	۵۶۶	ذہ سے پتہ تو غور شہید نہیں
رز مشق نہ دوا ہو جائے	۵۶۷	وہ نہ مر جانے میں کچھ عید نہیں
مردن رنگ طرب سے ڈر سکا	۵۶۸	تم مہر دی جاو بد نہیں
۵۶۹		کہتے ہیں جیتے ہیں مسد ہر گ
		ہم کو بیٹے کی بھی امید نہیں

(۵۶۴) عشق (کچھ نہ کچھ مشق) میں اتنا اثر ضرور کرتا ہے۔ کیوں کہ
 جان سپاری یعنی کسی بہ جان قربان کرنا کوئی سید مجبور نہیں ہے۔ کہ جس میں میل
 ہی نہیں آتا۔

(۵۶۵) خاتم سے اس شعر میں مراد کسی سلسلے کو ختم کر دینے والا ہے
 جسے کہ آنحضرت کی تعریف میں کہتے ہیں۔ وہ خاتم النبیین ہیں۔ مل۔
 جمشید بادشاہ کے دور میں جو مشرب خوار کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ
 ہی جو ختم نہیں ہو گیا تھا۔ بلکہ وہ جاہل نے یعنی جاہل جمہور کے بعد بھی اسی طرح
 چلا رہا۔ یہی جمہور جمشید یا اور کسی بادشاہ کی سلطنت۔ دست بدست۔

(۵۶۶) یعنی ایک مسد و دیگر سے) ملتی رہی ہے گویا کہ سلطنت کے ساتھ نے
 عادی یا عیاشی کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا ہے۔ یعنی خوار کا ایک سلطنت
 (۵۶۷) جس طرح کوئی آزاد اس دنیا کا غور مشید کے کس یا اس کے

نور کے بغیر کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اسی طرح تیری بھی مین
 خدا کے نور کے بغیر جس سے مرد و نہر ت سے۔ یہاں کسی چیز کی ہستی
 کماز و سامان ہی قیام پذیر نہیں ہوتا۔ گویا ہر کہیں اس خدا کی قدرت

ہی کا یہاں ظہور ہے۔

(۵۶۸) ماہ مشقوں سے مراد کسی مشق کے ساتھ عشق پر نفا۔
 اور اس کو عوام سے پسندیدہ مانتا کہ رسولی نہ ہو ہم عشق میں اسلئے نہیں کرتے
 کہ مشق ہم کو جو جائیگا۔

(۵۶۹) ایام میں گدش آپکا ڈر ہے۔ کیونکہ خوشی کے بعد غم نزاکت
 ہے۔ حد ہمیشہ کی مہر دی ہو۔ تو اس کا عادی ہو جانے سے انسان کو کم
 نہیں ہوتا۔

و محبت کے جذبات سوید سے مشتعل کئے جاتے ہیں اور مشغول کا
دہن معدوم ہوتا ہے۔ لہذا عاشق اپنے سوید میں مشغول کے معدوم
دہن کو دیکھتے ہیں +

(۵۴۱) قند آدم۔ آدمی کے قد کے برابر کون چیز۔ حل شعر۔
تیرے قد و قامت کے سرو سے قامت کا قند قریباً ایک آدمی کے
قد کے برابر کم ہے۔ مگر یا تو قند قامت سے بھی زیادہ قند انگیز سے
دوسرے منن۔ ہلنوں سولانہ۔ قند قند قامت کے قد سے
بنا گیا ہے۔ اس لئے وہ ایک قند آدم کہہ دیا ہے۔ یہ منی ہم اس صفت
تسلیم کر سکتے ہیں۔ کہ قیامت کے لئے کو ایک مجسم چیز فرض کیا جائے
مگر یہاں تو وہ قد و قامت کا صفت متا بد کیا گیا ہے۔ پھر ایک سے دوسرے قد
وضوح کیسے ہو گیا +

(۵۴۲) سے (محبوب) ہوا ہے آئینے کو لئے ہوئے نیاز سنگار
میں مست ہوتا ہے۔ دُور دھرتی کو دیکھ کر ہم تجھے کس قتا کے ساتھ اپنی بر رازوں
سے دیکھ رہے ہیں۔ مراد یہ کہ اپنی کو آئین میں مست نہ رہے بلکہ ہماری
طرف میں متوجہ ہو +

(۵۴۳) شہر سے یہاں مراد ناہنیم شہر یا جیسے کہ مومن کا ایک حصہ
سے ناہانہ ہے۔ کہ وہ سفر آخر شب۔ یعنی عشاق رات ہی کو رہا
کر کے میں + مطلب شعر۔ ناہانہ راتوں۔ یعنی دل کے علم سے جو ہم سے +
کیونکہ غرضی۔ اس کی لطف بانگوار کا سرخ ایسا ہے۔ جیسا کہ رات کو چھپنے والے
مسافر کا نقش قدم ہم صبح کو دیکھ کر کہتے ہیں + مراد یہ کہ رات کو آہن مہرتے
در شب۔ صبح کو جیسا کہ رات ہم کس قدم سے روپائے +

(۵۹۹) ایک مثل ہے زندگی بامید قائم اسی سے لکھتا ہے۔ کہ سب
کہتے ہیں۔ لوگ کسی زندگی امید کے اُس سے پر جیتے ہیں۔ مگر ہم کہ اب
اپنے بیٹے کی بھی امید نہیں رہی۔ کیونکہ ہماری حالت اس قدر غریب
ہو چکی ہے (لہذا ہماری بے اسیدی سب سے بڑھی ہوئی ہے) +

غزل

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۵۴۰	خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں
دس آفتنگانِ خالِ کج دہی کے	۵۴۱	سوید میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
تیرے سرو قامت سے کلّی دم	۵۴۲	قیامت کے قتلے کمر کم دیکھتے ہیں
تو شاکر اسے تو آئینہ وادی	۵۴۳	تجھے کس قتا سے ہم دیکھتے ہیں
سربِ تعجبِ عالم سے داغِ دل سے	۵۴۴	کہ شہر کا نقش قدم دیکھتے ہیں
۵۴۵		منکر نقیرون کا ہم بیسیں مالت
		تماشا ہے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

(۵۴۰) ارم۔ وہ بہشت ہے۔ راستہ دے دین میں بنا یا تھا۔ کہ
سے جہاں ہمیں ہم تیرے نقش قدم اداؤں کے نشان دیکھتے ہیں۔ یہ
دیکھتے ہیں کہ ہم شہر کے بہشت کی کیا دیکھ رہے ہیں۔ یعنی اپنے
خوبصورت نقش قدم میں +

(۵۴۱) اس کے دہن کے کسی کو لئے گوشے کے خاں کے ماتحت
پریشان خاطر اپنے دل کے سوید میں سیر دیکھتے ہیں (چونکہ ہمیں)

(۵۷۳) اسے غائب ہم (فقیر تو نہیں ہیں مگر) فقریوں کا جیسے بل کر۔ ان لوگوں کا جو کہ آپ کرم میں ملی ہیں، امتحان کرتے ہیں کہ آیا یہ غریب و محتاج سے فی سبیل اللہ دیتے ہیں۔ یا کسی ذاتی دہری غرض سے؟

غریب

- ۵۷۷ ملتی ہے خیر سے یا رے تار، تنہا بے یار
 ۵۷۸ کا فرہوں گرے غنی ہو راحت مذاب میں
 ۵۷۹ کب سے بول کیا تباؤں جہاں خراب میں
 ۵۸۰ شہباز سے بھر کو بھی رکھوں گرے صراب میں
 ۵۸۱ تا پھر نہ افتخار میں غینہ سے مسر بھر
 ۵۸۲ آنے کا جہد کر گئے آئے جو خراب میں
 ۵۸۳ قاصد کے آئے آتے خط آگ اور کبھو رکھوں
 ۵۸۴ میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے جواب میں
 ۵۸۵ مجھ تک کب ان کی ہزم میں تا تھا دور جام
 ۵۸۶ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہر شراب میں
 ۵۸۷ جو منکر و نا ہو فریب اس پر کسب طے
 ۵۸۸ کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن پہ نہیں
 ۵۸۹ میں مضرب ہوں وصل میں خون رقیب سے
 ۵۹۰ ڈالا ہے غم کو دم نے کس سے تک و تاب میں

- ۵۸۴ میں اور خط وصل خدا ساز بات سے
 ۵۸۵ جان نذر رہی بدل گیب و مضرب میں
 ۵۸۶ جو رہی چڑھی ہوئی سے جو نہ نقاب کے
 ۵۸۷ بے ک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
 ۵۸۸ لاکھوں لگاؤ ایک حیرت انگاہ کو
 ۵۸۹ لاکھوں ہنڈ ایک بجز نامت ب میں
 ۵۹۰ وہ تار در میں خوں کے ہنڈر جگہ نہ پاسے
 ۵۹۱ جس تار سے شکلات پڑے آفتاب میں
 ۵۹۲ وہ مسر و عا طیبی میں نہ کام آئے
 ۵۹۳ جس مسر سے سفینہ رواں ہو صراب میں
 ۵۹۴ غائب جیسی شہاب پر اب بھی کبھی بھیجے
 ۵۹۵ جیتا بول روئے ہر و شبیر مایہ تاب میں

- (۵۷۴) انتہا ب۔ آگ کا ہر گن۔ شعلے پیدا کر نہ آگ جرمز
 ۵۷۵ لہڑب شعلے ماری سے۔ وہ دوست کی تحصیل مزاج سے ملتی ملتی ہے
 ۵۷۶ بلبل اس تشی مزاج و دے سے خوش ہوتا ہوں۔ مگر کچھ کو اس قسم کے مذاق
 ۵۷۷ سے راحت نہ ملتی ہو تو گویا کا فرہوں۔ مرد یہ کہ میں بہت ایدا دوست ہوں
 ۵۷۸ کہ اپنے کا فرہوں نے کی عدوت یہ کہتا ہوں کہ آگ کو راحت کجھوں
 ۵۷۹ ملا کہ مسلمان کب ہی کوشت نہ جہنم فرما دیتے ہیں؟
 (۵۸۰) اگر میں اپنی مسر سے دلوں میں شہباز سے بھر کر ہی

شال کر کے حساب کروں (حالا کہ علم کا دانا تو گویا نہ ہونے کے برابر کہنا
جاتا ہے) تو شب (وقت کی ایک ایک گھڑی جزا ابرس کے برابر گذرنا
مظنی ہیں اس طرح میں کب سے اس جہانِ خراب میں ہوں۔ اس کے
متعلق یہ کہیں پڑے گا کہ میں اس مدت کا کچھ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا
(۵۸۰) وہ مجھے خواب میں دکھائی دیتے۔ اور مجھ سے اپنے آپ کو
کر کے بکریوں کا ایک عجیب فقاریکہ ان کو یہ مفصردی نہیں تھا کہ وہ
بچن ہیں۔ لہذا ان کا وہ قصہ مجھے بے چین کر رہا۔ اور ابھی گھر کر گیا۔
تظار میں فریاد نہ آنے سے مراد یہاں محنت سے چربی کی جاست پیدا ہونا
(۵۸۱) اپنے قاصد کے لڑنے تک ہیں۔ ایک اور خط میں لکھ

رکھوں۔ کیونکہ میں جو سنتا ہوں کہ وہ میرے خط کے جواب میں مصالک
لکھیں گے۔ مثنیٰ کچھ نہیں لکھیں گے + اور ہر روز میرے مطلب کو ال
ہاں گے۔ تو ان کی یاد دہانی کو ایک اور خط میں قاصد سے آتے تک
جہانگیر لکھوں +

(۵۸۰) ان کی نفل میں ستراب کے پالے کا قدر لہر تک کب
پہنچا کرتا تھا۔ راجِ خلافت ستمل اسانی مجھے شراب دے رہا ہے۔
اس نیک بگڑ اس نے علاؤ دیہ ہو بشتا رہا ہے۔
(۵۸۱) وہ شخص جو دوزخ کا سنگریہ ہو۔ یعنی کسی سے دست کرنا
چاہتا ہی نہیں ہے اس پر کوئی فریب دے کہ کہہ سنا دے تو کیسے
کرائے +

لہذا میں قریب کے بار سے میں اپنے اس دوست سے جہانگیر

کیوں ہو۔ یعنی کس طرح یہ بدگئی دل میں لادیں کہ وہ دوست میرے
قریب کے ساتھ نہ دفا کرتا ہے۔ حالا کہ اول سے اس باب میں
اگلا ہی ہے +

(۵۸۲) میں کوہل میں اس نے ڈیرا چوں کہ کہیں قریب نہ
آجائے۔ (اور وہ نفل صحبت ہو) بعد لکھو کس و تم یا بدگئی نے حیرت
کر دیا ہے۔ (کہ نہ وہ قریب اگر آجی جائے تو ہتھار کیا جگاڑ سکتا ہے)۔
مولانا شوکت مرحوم مجدد میر تقی نے اس شعر کے کچھ حلاوت تہذیب
منی میں لکھے ہیں۔ جو قصہ لکھا جاسکتے ہیں۔ لہذا یہاں نفل نہیں لکھے
گئے +

(۵۸۳) مجھے دوست کا خط واصل وصول ہوا۔ خدا کی دیں سے۔
یعنی خدا سزا دانت چٹا کچھ ایک ایسی بڑی خوشی سے میں کھیر گیا۔ وہ نہ میں
جان میں ایسے خوشی کے خط پر قربان کر دیتا۔ مراد یہ کہ شادی مرگ ہو کہ
مرتا بھول گیا کہ جو کہ بے خود سا ہو گیا تھا۔

(۵۸۴) اور دوست نقاب کے اندر سے بھی مجھے دیکھ رہا ہے
تو خفیہ کے ساتھ تجوری چیز کا کے۔ اور پھر غصہ بھی اتنا۔ کہ اس کے نقاب
پر ترقی کے ایک طرف میں بوجہ تجوری کے شکن کی پڑی ہوئی (زہری) +
دکھائی دے رہی ہے +

(۵۸۵) مراد نکاوٹ یعنی دوست کا عشاق کے ساتھ
و الفتات پیش آتا + آکھ جانا کچھ عشق نہ رکھنا۔ دنگ و کے خلاف
کام کرنا۔ جاز۔ ہاؤ ملگا۔ بکڑا عتاب میں۔ خفیہ میں چہرہ یا سنہ
جگاڑ بجا کر بائیں کرنا +

دوست کا ہم سے انکے چہرہ (رک جس سے ہمیں ثابت ہوتا ہے۔
 کہ وہ کہیں اپنے خاطر میں لاتا ہے۔ جس میں مطمئن ہے
 (دوستی کا یہ وہ ہے۔ جس کی گنجائش ہے)

یہ اس کے دکھوں غامضی القادسہ کا نگاہوں کے برابر ہے۔ اسی طرح اس کا غمت میں بھر کے ہم سے عجیب مانا۔ پہل چہرے کا بگاڑ کے دیکھنا۔ ہیں ایسا ہی یہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ لاکھوں بار و مسوا کر کے ہمارا طرف دیکھے +

۵۶۶) جلاوطنہ ملا آیا جس سے قلاب میں بھی شگفتہ یاد دلائی
 کسی نے کہا ہے۔ انہوں نے تیرے دل میں جس پر یہ ہیں مطلقاً توجہ نہیں کرتی
 اس طرح (دیکھو شعر ذیل)

(۷۷) وہ جادو جاری مقصد پر کسی میں کام نہیں آتا کہ جس جادو سے مراد میں (جو خشک جڑوں سے) اور اس میں ہان کا نام و نشان تک نہیں ہوتا، ایک کشتی تو اس میں جاتی ہے مگر پادشاهت، مملکت کام کرنے سے بھی ہم وصال و دست و پا نہیں کر سکتے۔

(۷۸) اور غالب مجھ سے شریب چیت گئی۔ لیکن اب بھی کبھی کبھی پیتا ہوں جبکہ روزِ اندھ ہو۔ یعنی گھٹن چھائی ہو۔ یا جب کہ چاندنی رات ہو۔

۸۹) اگل کے دوستی ہیں۔ گل کا دہن۔ دوسرے نزدیک سے تیار
ہیں۔ روزِ عشرہ کی شرح کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ یہاں تک کرتے ہیں
کہ ان کو قیامت کے روز حوض کوثر کی شراب بطور پانی پانی جائے گی۔
تو گویا ساری کوشش و نیا میں شراب پلانے سے منع ہو رہا ہے۔ علی شہر۔

اسے ساقی کہیں آج خست نہ کر مینی جس قدر شراب تیرے پاس ہے اس میں کچھ سو نہ کر اور راج ہی سب میں پے دے دیکھ کہ یہ شراب کا گل پر ملوئی رکھنا تو ایک سوء ظن ہے یعنی بڑا سا غیبا ہے جو ساری کوشش یا ہنست میں شراب پلانے والے کے متعلق ہے کہ وہ مجھ سے یہاں کے داس شراب پیراٹے گا مینی میرا کھا ہوں کو بخش کر

غزل

۵۸۹ کل کے لئے کرآن نہ خست شراب میں اس شعر کے معنی
پہ سہلے ظن سے سیاقی کر شراب کے باب میں (اور ملاحظہ فرما)

۵۹۰ میں آج کیوں اس عمر میں کل تک نہ ملتی پسند

مختار علی فرستادہ ہمدانی جناب میں

۵۹۱ جان کیوں کہیے گفتی چہ تن سے دم نہماخ

گزشتہ صفحہ میں ہے جنگ در باب میں

۵۹۶۔ وہیں سے جس عسکر کہاں دیکھنے لگے

نے اچھوٹا ہل پر سے ڈپانے رکاب میں

۵۹۳ اشاعی مجھ کو بنی حقیقت سے جو ہے

فتنہ کے دو ہم عصر سے چرلیٹی و تابین

۵۹۴ اصل علم و دانش و مشہور ایک ہے

عمران ہیں پھر شاہد ہے اس حساب میں

۵۹۵ ہے مشق نمود مورد پر دود بخس
 ۵۹۶ یال کیا دھڑا ہے لڑو دھڑا دم میں
 شرم اک ادا ہے ناد ہے اپنے ہی سے سہی
 ۵۹۷ میں کہتے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
 آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
 ۵۹۸ پیش نظر ہے آئینہ دم نعت اب میں
 ہے غیب خب جس کو سمجھتے ہیں ہم فہود
 ۵۹۹ میں خواب میں ہنوز جاگتے ہیں خواب میں
 غالب ندیم دوست سے آئی ہے برائے دست
 مشغول حق ہوں بندگی بدو تراب میں

(۵۸۹) گستاخی فرشتہ کہتے ہیں جب حضرت آدم کو پیدا
 کیا گیا تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کے سامنے سجدہ کر دو۔ اس سے
 ایک فرشتے نے انکار کر دیا۔ جو اب شیطان کے نام سے ذیل و
 غواہ ہے +

ہم آج دنیا میں کیوں آئے ذیل ہیں کہ اس سے پہلے تو
 ہم رے حضور میں ایک فرشتے کی گستاخی یا عدول عکس بھی سمجھے
 پسند نہیں آئی تھی +

(۵۹۰) سماع قوالی سنتا۔ جنگ و دیاب۔ سارنگیوں
 کی قسم کے باجے۔ قوالی سنتے ولت (صوفیوں کی) جان کیوں تن

سے نکلے نکلتی ہے یعنی وہ دھڑا دھڑا میں اگر کیوں استعد تریپے ٹپکتے ہیں۔
 جیکہ وہی صا یا لہجہ جنگ و دیاب میں صایا ہوا ہے۔ اور ان کو کچھ نہیں
 دہرتا +

دوسرے معنی ۱۔ گانا سننے وقت ہماری جان کیوں تن سے نکلنے لگتی
 ہے۔ یعنی ہم یہاں استعد مضطرب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ جنگ و دیاب میں
 دمی گانا بھارت سے۔ نزد بہت سکون پائے جاتے ہیں + مراد یہ کہ
 گانا۔ دوسرے معنی ۲۔ اطمینان ہونا چاہیے۔ نہ کہ یک وجہ اضطراب +
 (۵۹۱) ر دینا ہے۔ یعنی جد جڑ۔ (جسے) خوش بگوز +
 علی شعر۔ مگر گھوڑا برابر جد جڑ ہے۔ دیکھتے کہیں جا کر ختم ہو گیا۔
 ہمارا تو اس پر بس نہیں جیت سکتا کہ اس گھوڑے کی پاگ جھادے +
 میں نہیں سہی ہمارا ذوق اس کی رکاب میں ہے۔ یعنی نہ تو اس کو نہ
 خود ہم چلا سکتے ہیں۔ نہ روک سکتے ہیں۔ (رضی عنہ) کہ قہرنا مراد
 مر جانا +

(۵۹۲) ایک حدیث ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه
 یعنی جتنا کہ نفس سے محبت بڑھی۔ اتنا ہی انسان خدا سے دور
 ہے + وہم غیر۔ یہاں مراد کوئی بات جو خدا سے تعلق نہ رکھتی ہو۔
 اس کی فکر کرنا +

علی شعر۔ میں جننا ناسوئے اللہ یعنی خیرانہ خدا باتوں کا نگر
 کرتا ہوں۔ اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد یعنی دوری حاصل ہو
 جاتی ہے + بول کہ صوفیاء سب چیزوں کی اصل خدا کو بتا رہے ہیں
 (گویا ہر دوست) اور ان سب چیزوں میں ہم بھی شامل ہیں۔ نہ

ہم جس قدر خدا سے دور ہوتے ہیں۔ گویا پہننے ہی سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۵۹۳) مشہور وہ حالت کہ کسی صوفی کو جب یہاں ہر شے میں حق ہی نظر آئے۔ اور شاہد وہ کہ اس عالم مشہود کا دیکھنے والا ہو۔ اور مشہود وہ ہستی کہ جس کو دیکھ گیا ہو۔ یعنی جس کا مشاہدہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ ہر اوست کے اصول کے مطابق جب عالم مشہود ہے یعنی غرور قدرت خدا ہے۔ اور مشہود یعنی خدا جس کا مشہود قدرت میں دکھا یا گیا ہے۔ وہ بھی خدا ہے۔ اور لفظ ہستی انسان وہ بھی شامل قدرت ہے۔ تو غیر روچتا ہے۔ کہ میں جبران ہوں یا۔ مثلاً یہ کسی حساب میں ہے۔ یعنی نہ مشاہدہ نہ لگے ہوئی جائے۔ کہ شاہد سے بالکل الگ ہو۔

(جیسے دید بیکر کو دیکھتا ہے۔ تو دید بیکر کو اس سے جدا ہو کے ہی دیکھ سکتا ہے۔ اب جب کہ ہم اور ثابت کر چکے ہیں کہ شاہد یعنی صوفی۔ خدا میں شامل ہے۔ اور قدرت یا مشہود بھی خدا ہے۔ اور مشہود جو ظہور قدرت ہے یہی خدا ہی ہے۔ تو پھر خدا سے کونسی الگ ہوئی کہ جس کو گویا ہم علیحدہ کر کے دیکھیں۔ اور سے اپنا مشاہدہ ظہور کریں۔ واصل ہمارا مشاہدہ بھی خدا ہی ہے۔ اور اس سے الگ ہر شے ہم کچھ دیکھ ہی نہیں سکتے۔

(۵۹۴) صبر۔ جمع صبر۔ صبر نہیں۔ صبر کا وہاں کچھ صبر توں کی توجہ مشتعل ہے۔ میں کچھ صبر نہیں بلکہ اپنی کے نظر سے۔ جیسے۔ اور میری وغیرہ ظہور مشہود کرنا چاہتی ہیں۔ لہذا۔ ان کے سوا ایک

مشہور میں کہ دھر ہے۔ گویا کثرت و وحدت یہاں نہیں میں محض ہیں۔ اور مشہور ان کی مثال ہے۔

(۵۹۵) لفظ اک اور نہ ہے۔ ہر میں ہا کے نہ پیر یعنی ہیں۔ جواب کے مشہور پہل سے نہ دھکتی ہیں۔ تو اس کی ایسی فہمیں اور اس میں اسے نادھیاں کی جاتی ہیں۔ جو ہست یعنی معلوم ہوتی ہیں۔

کہتا ہے کہ جب کہ عینوں کا شرانا یا جواب میں ہوتا ہے ایک طرح کا خاص مشہور نہ ناز ہے۔ اور ہما۔ وہ دوست ات بات پر ایسے ناز کرتا ہے۔ تو دیکھو کہ وہ کس قدر ناز و انداز میں باقی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کے مشہور تفسیر پر ہما۔ وہ جھینپ گئے۔ اور نہ پہل سے لیا۔ کوئی نظر ڈالے نہیں دیکھنے لگا۔ لہذا وہ لگا کے نہ پیرے گئے وغیرہ دیکھو۔ یہاں اس حساب کی ہیں۔ اور چونکہ کثرت ایسی نہیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ بوجہ وحدت ہست کے کہتے ہیں۔ یہی لفظ اس آرائیں کرتے رہتے ہیں۔ کوئی اس کا خاص مشہور پر حوک نہیں ہوتا تو اب کچھ کہیں دوسرے الفاظ میں مشہور نہ ناز ہیں۔ اور ناز کی کثرت ہے۔ محال یہی ہے حیاتی میں داخل ہے۔ تو صحت ظاہر ہے کہ ہے

میں کتنے بے حجاب حریوں ہی حجاب میں وہاں بے حجاب کے معنی کثرت ناز جہاں سے کی ہے حیاتی اور یوں حجاب کا مطلب مشہور کا وہ نظری لفظ سیما میں جو موجب ایسے ناز و بے حجابی کا ہے۔ دوسرے معنی۔ ہر ہست صہائی اس کی شریکیں کرتے ہیں۔

کہ دوست کا شرانا اور اسے نہ ناز۔ یہ گویا مشہور نہ ہے۔ ہم نے ناز کیا ہے کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ اور ان کا اپنا مشہور اپنے

ہی ساتھ ہے۔ لیکن جب فسرزدانا خود ایک طرح کی ہے مجاہبی ہے۔
تو اس کا جواب کرنا میں ہے مجاہبی ہر ایک شوق لغووت میں داخل ہے اور یہاں
جو مشق مجاہب میں ہے۔ اس سے مراد خدا ہے۔ کہ باوجود اس قدر خدا
کے ظاہر ہوتا ہے۔

تیسرے معنی۔ اگر اس شعر کو کتب کی معنی سمجھا جائے۔ اور مانا
جائے کہ یہ صورت ذیل میں ہے تو اس کا مفہوم ایسے عات ہر جاتا ہے
یعنی ہے

شرم مک اداستے ناز ہے ایوں ہی سے ہی

میں کہنے بے حجاب جہوں میں حجاب ہیں

قاعدہ ہے کہ عورتیں خویش واقارب سے ان پر وہ کہتی ہیں کہ
بعض اوقات خدا شرم سے بہت پرہیز کیا کرتا ہے۔ تاکہ جو نہ عورتوں کا
لہجہ ناظر یا ایک اداستے ناز ہوئی ہے۔ (جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا
ہے) تو ان کی کثرت ناز و صروں کے نزدیک اسی طرح خط نفس کو
محرک رکھ داتی ہے۔ جیسا کہ بے حجابی۔ تو گویا ان کا لہجہ حجاب کرنا
یہ شرم ہے ان کے ناز و انداز دکھانا بھی ایک طرح کی ہے مجاہبی ہے خواہ
یہ ایوں ہی سے کیوں نہ ہو۔ حالانکہ ایوں کے ساتھ ان کو ایسا نہیں جوتا
چاہئے +

چوتھا مفہوم حسرت مرہانی نے اس شعر کے یہ معنی لئے ہیں
کہ وہ جب لہجہ کے حجاب میں جوئے۔ تو وہ وہاں پرہیز سے ہر وہ
کے گویا اپنے سے نہیں شرماتے حالانکہ شرم مک اداستے ناز ہے
یعنی ایک معشر قاذوا۔ لیکن ہے

چھپے جو مجھ سے تو کیا ہے میں ایک اداستے ہوں
وہ ہوتے ہیں نہ دیکھے کوئی ادا میری

(حسرت مرہانی)

(۵۹۷) اپنے ہر اسٹار سے مجھ ناز نہیں ہے جیسے نقاب
ممدی آئینہ ان کے سامنے رہتا ہے۔ (یہ ساری غزل لغووت میں
ہے۔ اس شعر سے یہ مراد ہے۔ کہ قدرت اپنے راز چھپائے ہوئے
ہے۔ اور وہ راز حق قدرت کا جلا کرنا ہے) +

(۲۹۸) مولانا علی اس شعر کے معنی سمجھیں کہ کہتا ہیں کہ سادہ
کلام موجودات میں حجب حق ہی حق نظر آتا ہے۔ تو اس کے شہود کہتے
ہیں۔ اور حجب حجب یا غیب حجب سے مراد رتبہ اور حیثیت ذات
ہے۔ (مراد۔ خدا کا یہ ہے کہ وہ ہر کوئی دوسروں سے حجب باطنی ہر
شک کرنا جو عقل و ادراک و تصور و بصیرت سے دور ہوتا ہے) بہت پرہیز
ہے۔ اداستے ہے۔ جس کو ہم شہود و شہدے کہتے ہیں وہ درحقیقت
حجب الہی ہے۔ اور اس کو غیبی سے شہود (حاضر) کہتے ہیں
ہماری ایسی مثال ہے۔ جسے کوئی خوب میں دیکھے کہ میں جانتا ہوں
یہی گروہ۔ جسے عقلیں پیدا نہ کھتے ہیں۔ مگر حق حقیقت وہ ایسی
قواب ہے میں ہے +

(یاد گزرتا ہے حجب)

(۵۹۹) تعلیم۔ محبت۔ حجب۔ تعلیم دوست۔ محبت دوست
محببت یہاں دوست دوست مراد خداوند ہے۔ حضور اللہ میں ہے۔

خانت دوست کے صاحب سے دوست کی پرتی ہے۔ یعنی اس کی
 سی جو کچھ بولی جاتی ہے۔ لہذا ابو نرب (حضرت علیؑ) کی ہندگی یا امانت
 میں گویا میں خدا ہی میں مشغول یا کسی کی امانت کر۔ ۲ ہوں ۶

غزل

۴۰۰ حیراں ہیں دل کو، دہلیز کی پیشوں جہر کو مین
مقدور ہو تو ساتھ رکھیں توڑھ گہ کو نین

(۶۰۰) میں جیڑن چوں کہ میں کس کو بیٹوں اپنے دلی کو یا علی
کو (دو لڑکوں کا دو نام ہے اور میں ان کو کہیں صاحب مندرت ہوتا ہوں) پچ
پیسہ رکھتا۔ تو کسی روئے والے کو بھی چھائی تپا کر کہ بیت (جیسے غلام میں پچ
دیکھو روئے والے غلام کوئے جانے میں ہوا

۹۰۱ جھوٹا نہ رشک نے کے ترے گھر کا نام میں
۹۰۲ ہر ایک سے پرچیتا ہوں کہ جاؤں کہ صوفیوں میں
۹۰۳ جاچڑا رقیب کے در پر ہزار بار نہ
۹۰۴ اسے کاٹ جاتا نہ تیری رو گذر کو میں
۹۰۵ ہے کیا جو کئے ہاندھے میری ہلاقت سے
۹۰۶ کیا جانتے نہیں ہوں تنہا ہی گھر کو میں
۹۰۷ روم میں رہتے ہیں کہ یہ ہے تنگ دانا ہے
۹۰۸ یہ جانتا اگر تو مٹاتا نہ گھر کو میں نہ

۶۰۴ چلتا ہوں ٹھوڑی دودھ ہر اک تیز رو گیا تھ
 پہنچا نہ نہیں ہوں ابھی راہبر کو گیا
 ۶۰۵ لو، ہن کو، غلوں سے پرستش رہا قرار
 کیا پوچھتا ہوں اس بت پیداوار کو میں
 ۶۰۶ پھر بے خودی میں بھول گیا لاج کو سے یاد
 جاتا وگرد ایک دن اپنی خسرو کو میں
 ۶۰۷ اپنے پر گمراہ ہوں قیاس الہی و ہر کہ
 سمجھا ہوں دیندہ محتاج ہند کو میں
 ۶۰۸ غائب خدا کرتے کہ سواہر ہمسند ناف
 دیکھو ن علی ہمدانی کو ہر کو میں

(۱۰۱) اس شعر میں یہ عبارت بطور تہذیبی نشین رکھنی چاہیے کہ اس نے اپنے معشوق کا گھر تلاش کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ اس نے کہیں سے جاتے دیکھ دیے۔ تو مسرعے لگاتے لگاتے معلوم ہوا کہ وہ عاشق کے رقیب کے گھر آتا جاتا ہے۔ اس نے فرمایا ہے کہ مجھے بہادر رقیب کے گھر دوست کی تدش میں جانا پڑا اسے کاش

میں دوست کے گودے کے اس رشتے کو جو رقیب کے گھر کی طرف جاتا ہے ۔ وہ جان
 انا کہ وہاں جائے رقیب کے (پڑوں میں نہ ہوتا) +
 (۹۰۳) مگر بندہ سنا کسی کو کہ مستعد ہونا یہاں شام کو ۔ وہ مستحق
 شوق کے قتل کے لئے کمر باندھنا ۔ چنانچہ کہ مستحق سعد و مرثیائی جاتی ہے
 خاتمہ مستحق اس کی کس کو کیا مانتے تھے ؟
 کل شعر کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تیری کمر کو کب سے مہینہ سعد ہے
 تو میری لذت سے کہ آپ اس کو ہر سے مل بیٹے مگر کہ بندہ رہے ہیں ۔ ہلا
 سعد و مرثیہ کیا بندہ سے کل
 (۹۰۴) وہ بھی جس کیلئے میں نے یہ گھراؤ لٹا دیا (مجھے کہتے ہیں کہ میں بے تکلف
 نام بھی ہے شرم و ہرجا مہر ۔ مگر مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لیا گھر
 اہم ہی رشتہ میں (کیوں نہ کہ) +
 (۹۰۵) میں اہم متبہی عشق کی کسی راہ میں نہ چھنے والا ہوں کہ ہر ایک
 تیز رو کے ساتھ خنودی دور جا کے رہتا ہوں بیکہ نگاہی یہ نہیں مانتا کہ کسی
 راہ کو تھی نہ اور مجھے کہ صحر کو جانا ہے ۔ (قاعدہ سے کہ مہندی یا خون بہا
 کو آتہ ذات ہے ۔ مگر چونکہ صحبت سے واقف ہوں ہے ۔ خنودی ہی مدت میں
 ناکام ہو کے منہ جاتا ہے) +
 (۹۰۶) محفوں نے میری چاست کو جس رشتہ مستحق کیلئے
 میرے دل میں سے چستش نر و سے یہ ہے ۔ غلام کہ میں اس تمام بت کو
 پر جہاں ہیں محض اس سے محبت رکھتا ہوں ۔ (مراد یہ ہے کہ تنہا کی استقامت
 وہ کہہ رہا ہے کہ عشاق لان کی پر جا کیا کرتے ہیں) +
 (۹۰۷) عاشق مہرنا ہے آپ کو مستحق ہی کے کوچے میں تصویر کیا

کت ہے ۔ لہذا کہتا ہے کہ میں اپنی خبر ہے ۔ دوست کے کوچے میں جاتا ۔ مگر عالم
 بے خودی میں دوست کے کوچے کا ریلواری میں گیا ۔ مراد یہ کہ اپنے آپ
 کی جی خبر نہیں ۔ صرف وہ مستحق کو اپنے کا خیال دل میں پاتی ہے +
 (۹۰۸) جس طرح میں ہنر کہ دوست کو عزیز رکھتا ہوں ۔ خیال کرتا
 ہوں کہ یہی حال ساریست نہا سنے کا ہے ۔ لیکن ایسا نہیں ہے ۔ ہنر
 میں کمال پیدا کرنے کا کسی کسی کو ہی خیال ہوا کرتا ہے ۔ جو اس کو اچھا جان
 ہے +
 (۹۰۹) بسے غائب ہیں خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ جان گھر دہی
 ملے قاتل داسے ۔ علی ما کہ میں از و انکار کے گھوڑے پر سوار دیکھوں مرد
 کہ وہ ظلمت میں حاصل کرے +
 (۹۱۰) وہ میرا ذکر بہدی (میں پرانی اور مذمت) کے ساتھ بھی کیا ہے
 پس نہیں کرتا ۔ حالانکہ خیر کے ساتھ اس کی یہ مروت ہے ۔ کہ اگر خیر کا کوئی کام ہو
 میں جاسے تو وہ سے سہل سمجھتا ہے ۔ ورنہ اس کا عجیب کام بناتا ہے +
 (۹۱۱) دوست سے میرے ساتھ اس کی برکت کا وعدہ تو کر
 ہے ۔ نہ ہے نسبت اور محل وعدہ نہیں ہے ۔ مگر وہ قتل سے نہ دوست لچک
 ساتھ سے بائیں قتل کر دینا ۔ جو یہ سے مقدمہ ہی میں ہے اور دوست سے
 سمجھ اس مر کے متعلق جی تپا کچھ سنا نہیں ہے +

غزل

۹۱۱ ذکر میرا بہدی بھی سے منظور نہیں

میں نے اپنے دل میں
 کیا ہے وہاں
 جس کی خبر

غیر کی بات بجز جانتے تو کچھ دور نہیں

۴۱۱ وعدہ سیرگستان ہے خوش طالع شوق

۴۱۲ مشرودہ قتل مصلحت سے جو مذکور نہیں

۴۱۳ شاد بہشتی مطلق کی کہو سے عکس

۴۱۴ لوگ کہتے ہیں کہ سب پر ہمیں منظور نہیں

۴۱۵ قطر مینا بھی حقیقت میں سے دریا لیکن ہم

۴۱۶ ہم کو تقلید تنگ ظرفی منہ سے نہیں

۴۱۷ حسرت اسے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہی

۴۱۸ عشق پر پردہ کی گون تنہا بجز نہیں

۴۱۹ میں جو کہتا ہوں کہ ہم بیگے تی مت میں نہیں

۴۲۰ کس دہشت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم جو نہیں

۴۲۱ ظلم کہ ظلم اگر لطف و ریح آتا ہو تو

۴۲۲ تو تافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

۴۲۳ صاف و روی کش پیمانہ ہم ہیں ہم ہوگ

۴۲۴ واسے وہ باد کہ افشردہ انگور نہیں

۴۲۵ جوں ظہوری کے مقابل میں خفا کی غائب

۴۲۶ میرے دعویٰ پر یہ حجت ہے کہ مستہور نہیں

(۴۱۶) شعر مشوق کی کرمہ دم جیا کرتے ہیں۔ در ساتھ ہی
اس کو بہت باریک اور ہر جہی کہا کرتے ہیں۔ تو گویا وہ ہے بھی تو اور
نہیں بھی ہے۔ اسی قیاس پر یہ دنیا بھی شاد بہشتی مطلق کی گرتا ہی نہیں ہے

مگر جیسے کہ موجود ہی کہتے ہیں۔ اور مدد و ہم بھی۔ مصنف کہتا ہے۔ کہ ہمارے

۴۱۷ غریب کو موجود نہیں ہے۔ بلکہ مدد و ہم ہی ہے۔ یہاں شاد بہشتی مطلق

۴۱۸ سے مراد قدرت ہے۔ بلکہ جس کو ہر جہی و ذہنیت کے شاد بہشتی مطلق

۴۱۹ کہا گیا ہے۔ اور وہ مطلق ہے۔ یعنی کسی سے اس کو کچھ تعلق نہ ہو

۴۲۰ وغیرہ نہیں ہے +

۴۲۱ حاصل شعر یہ کہ دنیا دوست کی کمر کی طرح ہے بھی اور نہیں بھی ہے

۴۲۲ تاہم قافی ہے + کو بند پر موجود ہے +

۴۲۳ (۴۱۳) نظر سے مراد یہاں ایک حقیر جتنی + تنگ ظرفی منہ سے

۴۲۴ حضور کا پیچھا کرنا کہ وہ اتنا حق کا شرف لگانے لگا۔ کہ میں میں ہی خدا

۴۲۵ جوں + علی شہر میں تو ہماری جتنی بھی حیرت سے۔ مگر ہم منہ سے کی طرح

۴۲۶ پیچھا کر رہے نہیں ہیں۔ کہ اس بار سے میں اس کی تقلید کر رہا ہوں

۴۲۷ ہم انسان ہیں۔ اور انسان کی مش خدا سے وہی ہے۔ جو کہ ایک نظر سے

۴۲۸ کو دیا سے ہو کرتی ہے۔ در نظر دیا سے کچھ مختلف نہیں ہوتا تاہم

۴۲۹ حق کی خدا سے کیا نسبت +

(۴۱۴) اسے خرابات کے ذوق و شوق۔ اب ہم میں حسن

۴۲۰ خود کی طاقت ہی نہیں رہی جس کا سخت احساس ہے + اب ہمارا

۴۲۱ دکھوں پھر احسن عشق پر مگر یہ۔ یعنی سخت جنگ جو عشق کے قابل ہی

۴۲۲ نہیں۔ (۴۱۵) (۴۱۶) گویا جوانی کا عالم گزر چکا ہے +

(۴۱۷) (۴۱۸) چنانکہ بہشت میں لوگوں کو جو ہیں وہی جانیں گی بشر

۴۲۳ کہتا ہے کہ میں اپنے دوست کے چہرے کو ان سے کہتا ہوں۔ کہ

۴۲۴ میں تیاہمت میں نہیں ہر دوروں گا۔ تو گستہ و عذر کے ساتھ وہ

جواب دیتے ہیں کہ ہم کوئی حربہ بہشت تو نہیں ہیں۔ کہ کسی کے ہاتھ
آئیں گے۔ مراد یہ کہ وہ دوست اس جنگ میں ہم سے نفور ہے۔ وہ ہاں بہشت
میں بھی +

(۶۱۷) اگر تو مجھ پر مہربانی کر سنے سے بچ سکتا ہے۔ تو ضرور ظلم کر۔
کیونکہ تو عشاق سے غافل بنے ہیں۔ جو کہ بہ منزلہ ظلم کے ہے۔ ہرگز
مزدور یعنی کسی حد سے اس گونہ نہ کر دینے والا نہیں ہے + مراد یہ کہ
تو رحم نہیں کر سکتا۔ تو ظلم ہی کیا کر اس سے تو تو کبھی چھوٹے والا نہیں ہے +

(۶۱۸) شہر میں شراب طہرہ اور طہرہ بہشتید کا تعالیٰ
یہاں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم لوگ بد نظمیہ بہشتید کے شراب کے
پینے سے کھینچ پیئے والے ہیں۔ جو کہ افشردہ انگور یعنی انگور کی رس +
(اور وہ ہارٹ بھی شراب بہشت طہرہ کی تھی) سدا۔ انوس ہے۔ ان
شراب یہ جو کہ انگور کی نہیں ہے یعنی شراب طہرہ وغیرہ +

ماہر شراب کہ ہم ان کی شراب پیئے والے بہشت کی شرابوں
کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں + ان پر تو ہیں انوس آتا ہے کہ یہ جانی ہی
کیوں لگی تھیں +

(۶۱۹) خفا مراد پوشیدگی۔ و خفائی جو پوشیدہ یا گمنام جو +
اسے غالب یا موزیل ظہور کی کہ میں ایک گنم شاعر ہوں۔ اس نے
میر سے دعویٰ کیا کہ میر بھی گنم شاعر ہوں۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔
کہ میں کوئی مشہور شاعر نہیں ہوں۔ یعنی "ظہوری" خفا ہر نے والا اور
خفائی گنم یا پوشیدہ ترن میں مہر بہشت کہا ہوئی +
(۶۲۰) خراہ نے کہ یہ تہہ لکھ لکھ کر جو اپنی بہادری دکھائی تھی۔

اس کی مزدوری وہ دھار شیریں کی صورت میں طلب کرتا تھا۔ حالانکہ وہ دھار
کٹ کر خسرو کا ہر راد کا عیب تھا۔ گل بنانا جو خوشی میں عاشق اپنی محبت کی
مزدوری طلب نہیں کیا کرتا تھا (۶۲۱)۔ ایک نامی وکر اس سے حسد کرتے
پیار کا تھا (۶۲۲) قابل پرینا نہیں ہے +

(۶۲۰) اگر یہ دیرینہ و خزانہ میں بہشت سے مراد گنم کہ نہیں
ہے۔ سرسبز گھریں اتنی جنگ نہیں جسو جنگ میں بہشت میں خوشی نہ
وہ گھر میں نہیں ہے +

(۶۲۱) ہر جن طلب اسے متغیر و غیر
ست قضا نے جفا کیا۔ بسداو غیرا

(۶۲۲) اگر تم ایسی دیرازہ کرنا اس مقصد خیر سے کہ اس سے توجہ ہو۔ اور
ظہور کرے۔ اور یہ قضا نے ظلم وہ کون شکایت ظلم کی نہیں ہے +

(۶۱۹) عشق و مزدوری محبت و خسرو کی خوب
ہم کو تسلیم گو نامی فساد نہیں
کے نہیں وہ بھی خرابی میں ہے و مست سوزم
دست میں ہے مجھے وہ جیتی کر۔ یاد نہیں
دل پیش کرے طرز نا حوادث مکتب
طرز مروج کم سبیل استاد نہیں
و اسے محوی تسلیم وہ اصل و قاف
چاہتا ہے کہ میں طاقت زیاد نہیں
بجائے نہیں گل والا ہر نشان کیوں ہے

(۶۲۱) دل پیش کرے طرز نا حوادث مکتب

طرز مروج کم سبیل استاد نہیں

(۶۲۲) و اسے محوی تسلیم وہ اصل و قاف

چاہتا ہے کہ میں طاقت زیاد نہیں

(۶۲۳) بجائے نہیں گل والا ہر نشان کیوں ہے

گرچہ اٹھان سب روگنہ باد نہیں

۴۲۵ بند کل کے تھے بند کرے سے کچھ نہیں

مژدہ اسے مرع کہ ٹھکانہ میں قید نہیں

۴۲۶ غنی سے کرتی ہے ثبات تراوش گر با

دی سے جاسے وہیں اس کو دم ایک دہیں

۴۲۷ کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو پیسے بہشت

بھی نقشہ ہے دے سے قدر آباد نہیں

۴۲۸ کرتے کس منہ سے ہر عزت کی شکایت ثابت

تم کو سب مہری یادان دل باد نہیں

(۴۲۲) ہو گئے تمہیں رکھتے ہیں۔ ان کے لئے۔ حادثات

کا صوفان (یعنی حادثات کی کثرت) ان سے بے درپے نکال دیتے

ایک مکتب میں عبرت کی درس گاہ ہے۔ وہ اس طوفان کی لہر کے

تہ ہے۔ (طرح) استاد کی جی سے کہ تم نہیں ہوتے

(۴۲۳) مشفق جانتا ہے کہ ہم میں غصے تسلیم ہے۔ اور

دن کرنے کی عادت میں ہے۔ اس لئے کہ فریاد کرنے کی ہم طاقت

یا جرات نہیں۔ انہوں نے ہماری غمیں دور کر دیں اور بدامنی خرابی

سے۔ اس طرح ہماری دعا مشاری

(۴۲۴) گل لالہ (پوست کا بیول) اور گلپ کے بیول

کے ضبط خود دی (تعلیم) کا رنگ اس لئے کہ انہوں نے کیوں رنگ سے

اگر یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم وہ چراغ ہیں۔ ہے ہیں۔ کہ جو ہوائی گدگد

پر ہر کو دینے گئے ہیں پس جو ہر اسے جلدی کچھ جائیں گے۔ یعنی خدا ان پر ہر

کو ہر ہر کرے گی اس سے زبردور ہو رہے ہیں

(۴۲۵) گل میں (مالی) ہم ہر نہ پکڑتا ہے تو اسے سید گل (بیول)

کی (گری) کے پیچے بند کر دیتا ہے۔ اسے مرع (یعنی جیل) کے لئے خوشخبری

کہ باغ میں صیاد نہیں ہے جو آخر کیڑا ہے۔ اور آخر پیر کی گروں پر

پلوتتا ہے جگہ مان ہے ہر کی گری میں پھول کی خوشبو بھی نہیں ابیر کے

دماغ کو چھتی رہے گی

(۴۲۶) اس محبوب کو قدرت نے منہ کے حوص سے نہیں دی ہے۔

جو ہماری ہر بات پر وہ کہہ دیتا ہے لہذا ثابت ہوا۔ اگرچہ اس

کو نبی (یعنی) بہ صورت (نہیں) دی گئی تھی اس سے پھر دہن

جو بصورت ایک ہستی کے معنی انت کے ہے اس نے تراوش

یا ظہر رکھتا۔ (مشفق کا منہ صدم بتایا جاتا ہے گویا ہر نفس سے جانا

(۴۲۷) تیرے کو بچے کی روٹی سے بہشت لے چیل میں کچھ کم

نہیں ہے۔ جتنا بخوریں ہی جتنا ہے۔ مگر بہشت اس حد را باد نہیں

ہے۔ میں تیرے کو بچے میں تو بچے دیکھنے کے لئے صدمی دنیا کی حقی

ہے۔ مالا کہ بہشت میں خاص خاص لوگ ہی جا سکتے ہیں

(۴۲۸) سے ثابت تم کس منہ سے اپنی عزت (مساف)

کی شکایت کچھ کیا تم کو ہم دہن دو سنتوں کی بے مہرگی یا ہوتانی مہوں

کئی ہے۔ یعنی اہل وطن ہی نے تو تم کو یریشان کر کے گھر سے نکال دیا

پھر تم ان کو یاد کرتے ہو

(۶۲۹) وہ سے مراد بال مریدان قضا و قدر سے ہر نشان کو پیدا کر کے

ان دونوں جہانوں کا وارث قرار دیتے ہیں۔ محل شعر۔

مریدان قضا و قدر انسان کو دونوں جہانوں کا وارث بنا کر دے
 سمجھے کہ وہ خوش ہو گیا یعنی ممکن ہو گیا۔ مگر نہیں۔ انسان کو یہ شرم اپنے ہی ہے
 کہ خدا کے پاس تو بس یہی دونوں جہان ہیں نہ یہ وہ نہیں ہیں اور پھر کسی
 تیسرے جہان کے لئے وہ کیا بن کر رہے؟ مراد انسان بچہ حرمی ہے۔

۶۳۰۔ صوفیاء خدا تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے دیتے ہیں۔ جن کو
 مقام کہا جاتا ہے۔ محل شعر۔

پہنچنے والے سداک پہنچنی سادک خدا تک پہنچنے کے لئے تیار رہ گئے۔

ناچار تیر پتھر کوئی خدا کی مدد نہ تو وہ تیر نہ تھے تو اور کیا کرتے؟

(۶۳۱)۔ ہر نہم کو پاسبان کے غیر خواہ ہیں اس یعنی کیا وہ نہیں

یا بہت۔ کہ سب کچھ نہ سمجھے۔ مگر اس دورم یعنی شیخ کا جہاں ہی جب

اس کے حکم کو پہنچنے اور دست و پاؤں نہ دینے والا ہو۔ تو وہ ظم خواہ

سج کیا کر سکتے ہیں۔ یعنی شیخ کا جہاں بہر حال محدود ہی ہے۔ اور یہی اس

کا حکم ہی سبب جو عاجز گذار ہے۔

غزل

۶۲۹۔ دونوں جہان دیکھے وہ سمجھے یہ خوش رہا۔ ان تین اشعار۔

ہاں آپٹری شرم نہ گذار۔ کہ کیا کریں اس کے معنی اور

۶۳۰۔ فک رک کے ہر مقام پہ دو بار رہ گئے۔ عاجز کرو۔

تیر پتھر میں تو ناچار کیا کریں ان اشعار کے معنی

۶۳۱۔ کیا شیخ کے نہیں ہیں ہر خواہ الی بزم (اور یہاں خط ہیں۔

ہر ظم ہی جا گذار۔ تو ظم خواہ کیا کریں

(۶۳۲)۔ رقب کی معنی چھٹی دھڑب آمیز باتوں کو وہ گردید

ہو گیا ہے۔ نہ نہ کہ ہم جو اس کے عاشق صادق ہیں۔ اور اپنی محبت اس

پر ہی نہیں کرتے۔ ایسے بے زبانوں پر اس کو یہ گمان یا خیال نہ کہ سب

چیں آئے۔ کہ ہم بھی کوئی اس کے عاشق ہیں۔

مراد دنیا میں لائق بہ نسبت محبت کے زیادہ کار کرنا بہت

بہتر ہے۔

(۶۳۳)۔ کہتے ہیں۔ دشمنی خد میں جب مجھوں سخت مسد حال

ہو گیا تھا۔ تو پہلے و دشمن مجھوں پر رحم کیا کہ پہلے تو اس کے مجھوں کے

اس چارہ تھا۔ یہاں میں شجیب خضر۔ وایت نامہ۔ ہر اشارہ سے

مطلب شعر۔ وہ محبوب یہ کہ کہتے ہیں۔ یہ عاشق مجھوں کے یہاں

محل میں جلی آتی تھی۔ شجیب سے بڑھ کر کہ کیا زمانے میں کبھی ایسا ہو

کبھی ہو کرتا ہے۔ سہی مستحق خود بخود عاشق کے پاس کبھی چاہ نہیں ہو

قائی بات سن کے مجھ پر توفیق مدت سی گذر گئی۔ مگر اب اس کے آنے

لا امید دل میں نہیں رہ گئی چاہتا ہے۔

(۶۳۴)۔ سے فالت تو اس کا نر و اپنی محبت کا امتوں پہ

کائنات سرگرم نہ کر سنی اس بات کا شوق نہ رہا۔ مجھ کو وہ بہت

۶۳۵۔ دل رکھتا ہے۔ اور میرا عقائد وہی کرنے کے لئے اس کو سخت

سے سخت ظلم کرنے پڑیں گے۔ اور وہ اتنا دیر نہ ہو جائے گا کہ اس کی حالت قابل رحم ہو جائے گی۔ یہ کہ میری صحت اس قدر صاف ہو چکی ہے میری گھیریں بیل کار گرہ
۴۳۶ عشق کا اس کرگمان ہم بے نیاز نہیں

اس تمام

غزل کے

سنی اور

۴۳۷

۴۳۳ قیامت ہے کہ سن میں کا دلشت قیس میں آکا
تعب سے وہ بولایوں میں ہوتا ہے وہاں
۴۳۴ دل نازک ہے اس کے رحم تاجہ بے غالب
نہر سرگرم اس کا در کو احنت کد مانے میں

۴۳۵ دل لگا کر ملک گیا ن کر بھی تنہا بینا
بار سے اپنی بیکسی کی ہم نے پانی دیاں
۴۳۶ میں زوئل اور اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں سے چرخ نہ گزارا دیاں

(۴۳۵) وہ محبوب بھی کس کا عاشق ہو کے اب تنہا دینے مشق
کے خیال میں (بیٹھا رہتا ہے۔ بار سے اپنی بیکسی کی اب ہم نے وہ پانی
بیکس وہ انسان ہوتا ہے کہ جس کا کوئی بارود و گارہ نہ ہو۔
عاشق شہر کہ عمارت نے ظلم کا خدا ہی نے ہمیں انصاف دلایا۔
(۴۳۶) اس آفرینش پاک حاکم کے تمام اجزا اپنی اور ذرا
اپنے ذوال اور فنا کی طرف گمراہ ہیں۔ خود وہ آسمان پر کا آفتاب غیب سے
یہاں سب کچھ ظہور پذیر ہوا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے چرخ کی مانند ہے

کہ جس کو ہوا کی گداز کا وہ پر بکھڑا گیا ہو۔ طلب ہے کہ جس کے ذرا بچہ ہا سے میں کچھ
شک و شبہ ہی نہیں ہے۔ (یہ مسئلہ ہم سمجھتے تھے۔ کتنا ہے؟)

۴۳۷ یہ ہم جو بحر ہیں دیو و دور کو دیکھتے ہیں
کبھی صبر کو کبھی غم کو دیکھتے ہیں
۴۳۸ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم سب کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
۴۳۹ نظر سے نہ کہیں اس کے دست و پاؤں کو
ہو شک کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

(۴۳۷) ہم اس کے فراق میں کبھی ایسے گھر کی دیوار کو دیکھتے ہیں
تو اس سے کہہ دیا کہ یہی طرف سے دوست کا بیٹا ہونے کی۔ اور پھر
ہم اپنے گھر کے دیوار سے کی طرف نگاہ کرتے ہیں۔ تو اس نے کہہ دیا۔
قاعدہ اور یہی ہے بار کا طار سے گاہ

(۴۳۸) وہ دوست ہمارے گھر میں آگیا۔ اور یہ بات واقعہ
ہوئی تو اس پر خدا ہی کی قدرت تھی (جو دیکھا کہ وہ تھا) لہذا۔ ہم کبھی ایسے
گھر کے دیوار سے کی طرف دیکھتے ہیں۔ کہ وہ اسی دوست سے واقعی ہو تھا
نہ کہ کبھی اس دوست کو دیکھتے ہیں۔ کہ اس نے ایسی حسرت کی۔
(۴۳۹) کہیں دوست کے ہاتھ اور پاؤں کو نظر نہ لگ جائے
اسی سے پہلے بڑھی پہلی عاقبت سے اتنا بے شک اپنی تلواریں سے میرے

ہیستہ میں کر دیا ہے) کہ میں ڈرتا ہوں۔ وہ لوگ جو میرے میں زلم جگ کر دیکھ
کہ دوست کی طاقت کا اندازہ لگا رہے ہیں۔ اس سے اس کے دوست و
باد کو جو جھڑکنے کے کہ صدر پہنچا جائے + (دوست کی طاقت پیدا
کا ذکر کیا ہے) +

۲۲۰ قرعے جو ہر طرف لڑ کر کھیل دیکھیں
ہم اوج طاح نعل و گہر کو ایتھے ہیں

(۲۲۱) ہم تری لڑا کے ایک طرف جو تری گئے ہوتے ہیں۔
ان کو کہا دیکھیں کہ یہ کیسے خوب صورت ہیں۔ ہم تو تہ ہر بات اور اصول
کی قسمت کی اس بندی کو دیکھتے ہیں کہ یہ ایسے شخص رہنما کون اس طرف یا
(ارشاد) کے سپرد چھوڑ کر چل رہے ہیں۔

غزل

۲۲۱ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے رول جزا دیا نہیں
۲۲۲ کوئی کہنے کہ شب بہر میں کیا برائی ہے
ملا سے آج اگر دن کہ ابرو باد نہیں
۲۲۳ جو آؤں مہمانے ان کے تو مرجھا لے کہیں
جو جاؤں ان سے کہیں کہ تو خیر باد نہیں

(۲۲۶) اس بات نہیں ہے کہ مجھے قیامت کا یقین نہیں میں وہاں
کا ان جزوہ آنے کا۔ لیکن وہ سر جزوہ کا روز میری اس شب تنہائی سے
نہا وہ کس نہیں ہوگا +

(۲۲۷) شرب خواہ عمر رانگت کا انتظار کرتے ہیں کہ خوب برسات
ہو تو شرب پیل + کبت ہے۔ گویا سے یعنی میں کیا پرواہ ہے۔ اگر آج
دن کے وقت سوا دو بارش دیتی ہیں یا تو چاندنی ہے۔ ہوا کسی میں
خوب پیٹ بھر کے شرب پی ہیں گے۔ یہی گروں کو جو بر باد ہوئے
کے نہیں لی تھی۔ (نواب خواہ چاندنی رات کو بھی نے کھی سکے نے بہت
پہنہ کیا کرتے ہیں) +

(۲۲۸) میں دوست کی ملاقات کو جاتا ہوں۔ تو وہ مرجھا کہہ کر
ہم جم آتے کہہ مجھے نہیں پہنچتے یعنی میری طرف متوجہ ہی نہیں ہونے لگے۔
اگر وہاں سے ٹھہر کر نہیں چلا جاؤں۔ تو خیر باد یعنی تو بخیر و سلامت
رہے نہیں کہتے۔ مجھ سے اس قدر لا پرواہی ہے +

انتباہ

کتاب ہذا موسوم بہ "مناقب مسلمان" دو ضخیم حصوں میں منقسم ہے
جس کے ہر حصہ میں صرف ایک ہزار شمار کی مسلسل شرح درج کی گئی ہے۔ مسند
کامل شرح اردو دروان صاحب رشتہ بنی ہزار شمار ہر دو حصہ علیحدہ حصوں
کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔ "فاکسار مولف"

۶۴۳ کسی جو یاد رکھتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
۶۴۴ علاوہ عید کے حتیٰ ہے اور دن بھی شہادت
گداشے کو چڑھنے خانہ تا مرد نہیں
۶۴۵ جہان میں تم کو دن دی بہم نہیں کیا کام
وہاں سے ہم کو خدا سے دو ان کہ شہ نہیں
۶۴۶ تم ان کے وعدے کا ذکر نہ سنے کیوں غائب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ نہیں کہ یاد نہیں

(۶۴۴) کبھی وہ محفل میں مجھے یاد بھی کیا کرتے ہیں تو یہ کہہ کر
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں ہے گویا میرا فتنہ و فساد محفل
کہہ کھا ہے +

(۶۴۵) حرام رمضان کے مہینے میں عیش و عشرت ترک کر کے
اکثر شراب نہیں پیا کرتے اب عید کو بہت مسرت ہو جاتے ہیں گیا
عید دن کے لئے - پیتا ہم شراب لاتی سے مگر ایک عادی نے عید
نور مسلمان کیا اور عید کیا ہر وقت کہ سنے کو چاہئے خانہ بند رہتا ہے تو
اسے کبھی شراب کی طرف سے نامرادی یعنی یہ ایک حاصل ہوتی ہے کہ صرف
عید کے دن ہی وہ شراب پی سکتا ہے - اس سے پیسے ہیں +
(۶۴۶) دیا میں سچ مداحیت ایک ساتھ رہتے ہیں تو میں

۶۴۷ سے کیا مطلب ہے بیکر کہ نہ سے میں وہ دل دیا سے کہ صرف سچ
وہم کا احساس کر سکتا ہے - لہذا خوش تو ہم کو نہیں حاصل میں شہ پر سکتی +
(۶۴۸) اسے خاصب جہاں تم کو دینا وعدہ یاد دے سنے
ان سے اس کا کچھ ذکر ہی کیوں کرو - کہوں کہ تم جو سنے ہو کہ وہ وعدہ دینی
نہیں سے تو پھر یہ - شہ کیا دینی ایسی غفلت بات کیوں کہ وہ تم
اس کے مشفق کچھ کہواؤ وہ کہیں کہ میں تو کوئی اسیا وعدہ دینا
سے + مراد یہ کہ محبوب وعدہ دلا ہیں تم ہی کو ذکر کچھ کیا کرو +

۶۴۸ تیرے توں گرو صاحب ہاندستے ہیں +
میں بھی محفلوں کی ہوا ہاندستے ہیں
۶۴۹ آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی ک اپنی ہوا ہاندستے ہیں
۶۵۰ تیری فرصت کے مقابل اسے عمر

برقی کو چاہئے ہاندستے ہیں +
(۶۴۸) توں ہاندستہ محفلوں کی ہوا ہاندستہ - کسی بات کو شہرت
دلانا مطلب شعر - ہم تیرے گھونڈ سے ہی تعریف میں اس کو صاحب
ہاندستہ کے گویا اپنے محفلوں یا شہری کو شہرت دلانا چاہتے ہیں -
مراد یہ کہ اکثر قصیدہ گو شعر - اپنے محفلوں کے گھونڈ سے ہی تعریف
ہیں ایک معمول سا خیال (مثلاً گھونڈ کو صاحب ہاندستہ - ہاندستہ
چاہتے ہیں کہ ان کو ان کی وفات کی تصویر دیا جائے اور ہاندستہ کو
اکثر عر ہوتے ہیں +

دوسرے معنی۔ یہاں مضمون گھونٹا ہے۔ دوسرا جو برا ہوتا ہے اس کی تشریح ہے تو گویا ہم مضمون کی جو باندھتے ہیں۔ لیکن جو اس کی کسی طرح بندھ نہیں سکتی لہذا تیسرے گھونڈے کی تشریح ضرورتاً سے پاس ہے۔

(۶۴۹) مہلا عاشق کی کہ و فریاد کا انگریز کہاں ہوتا ہے۔ لہذا ہم بھی ایک آہ کر کے اپنی جو باندھنے لگے ہیں۔ یعنی پڑتے ہیں کہ کہو جس فریاد و مہنوں کی طرح کا ایک عاشق تصور کیا جائے۔ اور کوئی ایسا یا شیریں ہم پر بھی مرنے لگے۔

دوسرے معنی۔ شعر کی آہ کا اثر کس نے دیکھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ سوتی ہے۔ تو پھر اس کو شعر میں باندھنا۔ گویا اپنی جو باندھنا ہے۔ یعنی اپنی جو و جس کا اظہار کرنا ہے۔ جو ایک فطور ہے اثرات ہے۔ یا محض پوشی کی بیکار۔

(۶۵۰) پاہ خا ہوتا۔ مراد قدر سے لڑکت کرنا۔ جیسے ہندی لگا کے چلنے پڑتے نہیں ہیں۔ اصل شعر۔ عمر تیری تیزی۔ لہذا اسے اس عمر ہی کو بھی جاتی تیزی قرار ہے۔ پاہ خا کہتے ہیں۔ یعنی وہ بھی کچھ وقت یہ صبر و کرتی ہے۔ حالانکہ تجھ میں اسے عمر اس قدر زلفت وصال ہی نہیں پڑتا ہے۔

۶۵۱ قید ہستی سے رہائی مسموم

۱ شک کہ ہے سرو پا باندھتے ہیں
۶۵۲ شہد رنگ سے ہے دامن گل
مست کب بند قبا باندھتے ہیں
۶۵۳ غلطی دے مضافین مست ہر چہ
لوگ تالے کو دسا باندھتے ہیں
۶۵۴ اہل تدبیر کی دا مائد گہاں نہ
آہوں پر بھی خا باندھتے ہیں
۶۵۵ سہ پہر کار ہیں غریب غائب
جم سے بچان دلا باندھتے ہیں

۶۵۶ ذہن سخت کم آزار ہے بجان اسد
دگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

(۶۵۱) جو کہ شہد شک یا آشوکو ہے سرو پا باندھا کرتے ہیں۔ اور جو چیز بندھ گئی ہو۔ وہ گویا آزار نہیں ہوا کرتی لہذا کسی کا قید ہستی سے برا ہونا۔ معلوم ہے۔ یعنی ظاہر ہے کہ ہمیں ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی یہاں آزار دہ سکے۔

(۶۵۲) شہد۔ خوش۔ رنگ۔ یہاں مراد شہد ناما حاصل کرنا (پہرہ عیاشی لہذا شہد رنگ یعنی شہد ناما کے خوش میں پھول کی مرسلہ ہول سے۔ یعنی وہ کھل گیا ہے۔ لہذا وہ لوگ جو مست ہوں۔ کبھی اپنے تئیں باندھا کرتے ہیں۔ لہذا پھر ساری

اگر ہمارے اسی طرح مست ہو کر غم کھد ہو اسے +
(۶۵۳) لوگ سے یہاں مراد شہر ہیں۔ نہایت ہے شہر آباد
کو رہا نہ صا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ وہاں کسی مسافینی کو روک ہی نہیں
کرتے۔ لہذا ان مسافین کی کثرت کا اس صفت پر چھوڑ دینا ہی منطقی ہے
کہ وہ رہا نہ صا کیا ہے۔
(۶۵۴) اہل تہذیب کسی دکان کا علاج کرنے والے سے عوامند کیا

مجھروں + علی شہر۔
اہل تہذیب کی یہ مجھروں دیکھو۔ کہ جب مجھ کو صحر فردی سے باز نہ
رکھ سکے۔ تو میرے پاؤں کے آبلوں پر بھی مہندی باندھ دی کہ یہ علی
بھرنہ سکے۔ بجائے کہیں اس طرح بھی مہندی لگا لی جاتی ہے۔ اور
کہ مہندی بچھے صحر فردی سے خارج آئے گی۔ (آبلوں پر مہندی اس
وقت میں صحر فردی باندھتے ہیں۔ کہ صحر فردی سوڑ نہ ہو۔ لیکن یہاں تو
جو اس کا قصد عشق و محبت کے ساتھ ہے۔ جو دوسرا مضمون

(۶۵۵) عجب اہل یعنی محبوب ہم سے وفا کا اقرار کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم
کوئی وقت ہیں۔ وہ بھی ایسا کہہ ہی نہیں سکتے۔ تو یہ سادہ پرکار ہو چکی ہیں
سے۔ یعنی اصلی حالات سے وہ پرکار یا چالاک تہذیب کی طرح واقف ہیں
مگر تاہم ہر سادہ یعنی مجھ سے بھلائے بن گئے ہم سے اس قسم کا وعدہ
کرتے ہیں +

(۶۵۶) بجا ہی اس سادہ اسد کی جان۔ وہ سر سے معنی اسد کی جان
کی قسم۔ علی شہر۔

زمانہ جوانی سے مسافر انا علم نہیں کہتا کہ جتن ہم اس سے متوقع رکھتے
ہیں۔ وہ سر سے معنی یہ کہ ہر سادگی جان کی قسم کھا کے کہتے ہیں۔ تاکہ سب
کو یقین چاہئے۔ کہ ہم کو زمانہ جوانی کو نہ پہنچا تا ہے۔ ہم اس سے کہیں
نفاذ ایذا رسائی کی اس سے خواہش نہیں کر سکتے ہیں۔ گویا بہت ایذا دوست
ہم +

۶۵۷ دالم بڑ ہوا تیرے۔ یہ نہیں ہوں میں

۶۵۸ خاک میں زندگی پر کہ بچہ نہیں ہوں میں

۶۵۹ کیوں گروہن ہمام سے مجھ پر جانتے دل

۶۶۰ انسان ہوں کہ بیابان و مسافر نہیں ہوں میں

۶۶۱ یاد ب زمانہ مجھ کو مٹا ہے کس سے

۶۶۲ روح جہان پر حرف مکر نہیں ہوں میں

۶۶۳ حد چاہتے سزا میں عقوبت کیواسے

۶۶۴ آخر حنا کا کار ہوں گافر ہیں ہوں میں

۶۶۵ کس واسے عزیز نہیں جانتے مجھے

۶۶۶ صل و زمرہ و زود گوہر نہیں ہوں میں

۶۶۷ رکھتے ہو تم قدم مری گھوڑوں سے کیوں دفع

۶۶۸ رتبہ ہی مہر واد سے کمتر نہیں ہوں میں

۶۶۹ کرتے ہو مجھ کو منع قدم ہوس گھس گئے

۶۷۰ کیا آسمان کے برابر نہیں ہوں میں

۶۷۱ غائب و عیض غار ہو دو شاہ کو دعا

۶۷۲ دن گئے کہ کہتے تھے دیکھو نہیں ہوں میں

(۶۵۷) میں تیرے دروازے پر (پتھر کی طرح) ہمیشہ پہنچا نہیں ہوں۔ (حالانکہ میں ایسا چاہتا ہوں) لہذا ایسی لاندگی پر (جو کہ بصورت انسان ہے) خاک کہ میں پتھر نہ ہوں۔ ورنہ تیرے در پہ پہنچتا رہتا +

(۶۵۸) میں عشق کی بدولت ہمیشہ گردش میں مبتلا ہوں۔ مگر کوئی انسان جب ہمیشہ گردش میں رہے۔ تو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ یہی میرا حال ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ میں کوئی شراب کا پیہر یا سحر تو نہیں ہوں۔ مگر سحر اثر گردش سے لگتا جاؤں گا +

(۶۵۹) یا رب نہ نہ مجھ کو اپنے گزرتے جانے سے ہٹا کیوں رہا ہے۔ یعنی میں ہر روز مسر کے گزرتے سے گویا حتماً جا رہا ہوں یہ کس لئے؟

اس دنیا کی روح یعنی شغف یا صفو دنیا پر میں کوئی دوبارہ لکھا ہوا حرفتہ نہیں ہوں کہ جس کو غلط یا خسیہ جزوری سمجھ کر سنا یا جا رہا ہے۔ (مردودہ کوئی دنیا میں ایک ہی قوم پر سبب فنا کس لئے ہے) +



(۶۶۰) (نرس سلا می) میں بھی کنا کی نسبت حکم ہے۔ کہ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔ لیکن گناہگار مسکن ایک جیسا ہو گئے وہاں رہ کر چہرہ دیتے چاہیں گے۔ کہتے ہیں کہ میں جہنم دنیا میں جہنم پر مبتلا سے رنج ہوں۔ اور وہاں گئے جہان میں گئے دوزخ ہی قرار ہے۔ یہ کہوں +

میں ایک گناہگار مسکن ہی تھا کہ زرتو نہیں ہوں۔ میرے لئے حکومت یعنی عاقبت میں سزا دینے کی کوئی حد مقرر نہ کی جا رہی۔ یعنی جب دنیا میں آئی تھیں کس نے انہی کو وہاں پھر گئے وہی سزا دی ہی نہیں چاہئے +

(۶۶۱) یہ نظم ایک اور کی ترتیب میں کہتا ہے۔ کہ آپ صلی و علیہ وسلم دو ہر کو عزت نہیں رکھتے۔ (یعنی آپ ایک دو بیش صفت بادشاہ ہیں۔ بادشاہ وہ شاہ قلعہ اتو کی جھو کہ بھی آپ عزیز نہیں جانتے۔ اس سے اگر ہم کوئی صلی و علیہ وسلم نہیں ہوں +

(۶۶۲) میں بصورت انسان۔ اور پھر ایک قابل انسان کی حیثیت سے ہر دماغ سے ہرگز کم نہیں ہوں۔ تو کیا آپ میری آنکھوں پر بھی ایسا قدم نہیں رکھتے۔ یعنی میرے ہاں تشریف نہیں لاتے۔ (یعنی آپ کی شان اتنی اعلیٰ و ارفع ہے۔ کہ ہر دماغ پر قدم رکھتا ہی آپ کو گوارہ نہیں ہے) +

(۶۶۳) آپ مجھ کو اپنے قدم جوئے سے کہوں منع کرتے ہیں اس لئے کہ میں آسمان کے برابر بھی نہیں ہوں (اور آپ کی شان ایسی اعلیٰ ہے۔ کہ کم از کم آسمان آپ کی قدم پر ہی کسے۔ یا آسمان قدم پر ہی کرتا ہے) +

ہے اور بے رخ کرتے ہیں +

(۶۶۴) اسے غالب : یہ باتیں ارشاد کی ہے ، غنائی پر وال ہیں جو پرہیزگار ہیں ۔ ان کو چھوڑو ، آپ تو تم بادشاہ کے وفیقہ خواہ ہو ۔ اس کے سر کو دھاوا ۔ اب وہ دن ملے گا کہ تم کہا کرتے تھے کہ اسے یہاں بادشاہ کا ذکر نہیں ہوں +

غزل

۶۶۵ سب کہاں کچھ اور مل میں کیا ہر گز نہیں

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ نہیں ہر گز نہیں

۶۶۶ یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم نہ نیال

نیکن اب نقش و نگار خاک میں ہر گز نہیں

۶۶۷ تھیں بنات و تنش گردوں دن کو پرست ہیں نہاں

شب کو ان کے ہی میں کیا کی کہ مرزا ہر گز نہیں

(۶۶۵) کیا جانیں کیسی کیسی صورتیں تھی کہ خاک میں ہیں گسبیں ۔ اور وہاں سے سب تو کہاں کچھ تھوڑی سی لاء (پوست کے خوشامیہوں) اور گل (کتاب کے خوش و صبح پہوں) کی صورت میں یہاں پھر لایا ہوا ہے

(۶۶۶) ہم کو بھی (عالم شباب میں) طرح طرح کی عینیں سکانا ملے ان سے لطف حاصل کرتا تھا ۔ نیکن وہ بایں اب بھول چکے تھے

خاک کی نقش و نگار بن گئیں ۔ یہی سب کی سب بھول بھریں (گورہ) انقلاب نہاد و صبح ہو +

(۶۶۷) نہایت شعل ۔ وہ سات ستار سے ہیں ۔ جس میں سے

چار ستار سے توڑا جلا رہا ہے ۔ وہ تین ستار سے جن کو زور دیا +

۶۶۸ اب ہستہ ان کو سات سیوں کا جھک کہا کرتے ہیں ۔ یہ سب شعر

۶۶۹ کہ سات سیوں کا جھک یعنی نہایت شعل وں کو تو آسمان پر ہر

۶۷۰ میں ہاں تھیں ۔ پھر ست کوٹ کے ہی ہیں کیا کیا کہ ہر شعل ہو گئے

۶۷۱ تھیں ۔ مرزا یہ کہ ۔ ت کا وقت اب کھڑک لڑا بات ہے کہ اسٹن تر نہا

۶۷۲ تار سے بھی زندگی کی طرٹ مال ہو جاتے ہیں +

۶۷۳ قد میں یہ توب نے کی گز و سفت کی خبر

۶۷۴ نیکن آنکھیں روون دیوہ زندان ہو گئیں

۶۷۵ سب یہ قیوں سے ہیں ناخوش جہان کسے

۶۷۶ ہے زلفا جھڑک کہ کو مار کھٹان ہو گئیں

۶۷۷ جو سے خون آگہوں سے پہنے دو کہ ہے شعل وں

۶۷۸ میں یہ بھوں کا کہ قصین دو مردان ہو گئیں

۶۷۹ ان پریر دول سے بیٹے خلد میں ہوا خفت ام

۶۸۰ قدرت حق سے یہی جو ہیں اگر و ان ہو گئیں

۶۸۱ نیند اسکی ہے دہان اس کا ہے راتیں اسکی ہیں

۶۸۲ قری زمین جس کے زور پر پڑن ہو گئیں

۶۸۳ میں جن میں کہا گیا گویا دبستان کھل گیا

۶۸۴ ہلچیں سکر مرے ناسے مرزا کوں ہو گئیں

۴۶۴ وہ تھا ہی کیوں بولی مالتی آپ باہر سے دل کے پار
 ۴۶۵ چمکے کو تابی قسمت سے ملا گلاب جو ہیں
 ۴۶۶ جس کے چمکے ہیں نے اور بندہ میں ابھری ہے پہلے
 ۴۶۷ میری آپس مجھ جاکر عمر بیت ہو گئیں
 ۴۶۸ وہی جیسا جو توفیق ان کاموں کا کیا جواب
 ۴۶۹ یاد نہیں جتنی رہا میں صرف وہی ہو گئیں
 ۴۷۰ جائز است باد جس کے ہاتھ میں جام یحییٰ
 ۴۷۱ سب کیسے فانی ہو گیا رب حاکم ہو گئیں
 ۴۷۲ ہم موجد میں ہمارے کیش ہے شکستہ سو ہم
 ۴۷۳ عیش جب مٹ گئیں جز سے پاؤں گئیں
 ۴۷۴ رنج سے غم جو الٹا ہو مٹ جاتا ہے رنج
 ۴۷۵ شکستیں مجھ پر ہیں جتنی کہ اسات ہو گئیں
 ۴۷۶ یوں ہی غم کو دوتا رہا غالب تو اسے ال جہاں
 ۴۷۷ دیکھنا ان سستیوں کو تم کو دیر ہو گئیں

عشق میں جہم کہا تھا اس نے ایک صدیوں میں
 ایک ایک جگہ بٹھا دیں اور ان سے کہا کہ جب
 سے کہیں تو وہ یوں کاٹا ضرور کروں۔ جب حضرت
 نے اس سے کہا کہ میں نے کہا کہ اس نے کہا کہ
 نے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے اور اس طرح
 کاٹ ڈالا۔

مطلب شعر۔ ایک روایت سے وضع ہے کہ جو
 ہمت کو دیکھ کر اس پر عشق کھائیں گئیں۔ وہ
 گویا دین کی حریت و قیوبت کا پتہ دے گا۔
 ہمت کو دیکھ کر اس پر عشق کھائیں گئیں۔ وہ
 گویا دین کی حریت و قیوبت کا پتہ دے گا۔

(۴۶۰) یہ فراق کی شام ہے ۱۰ جب کہ قیام
 جاتی ہیں۔ ۱۰ جب کہ قیام جاتی ہیں۔ ۱۰
 جب کہ قیام جاتی ہیں۔ ۱۰ جب کہ قیام
 جاتی ہیں۔ ۱۰ جب کہ قیام جاتی ہیں۔ ۱۰

(۴۶۱) اگر ہی پر ہی نہیں ہیں عاشق ہیں۔ تو
 بہشت میں عرب بن گئی۔ تو ہم ان کو ہاں
 ایسے نے ایک کہ جسے نہیں ہے کہ انہوں
 نے دنیا میں ہم پر کیا کیا قسطن رو

(۴۶۸) حضرت یوسف جب وہ رہی تپہ ہوئے۔ تو حضرت
 یعقوب (وہ دو بیٹے کے) ان کی خبر نہ لے سکے۔ لیکن ان کو انہوں
 اپنے بیٹے کی طرف اس طرح کی بولی گئیں کہ گویا کسی قید خانے کی
 کی طرف کی گئی تھیں۔ لیکن اتنا۔ یوسف میں شب و روز کھل رہی
 تھی۔ (۴۶۹) روایت ہے کہ یوسف خود تو نے دیکھا کہ یوسف کے

دے + (۶۵۲) جس شخص کے ہاں پر تیری نہیں ہے تو تیرا دل حاصل ہوا۔ جس کی فیند ہے یعنی وہی خوشی سے سوسکتا ہے۔ اور اسی کا دہرا ہے۔ یعنی تیری زلفوں کی خوشبو سے کسی کا دماغ متغیر ہو سکتا ہے۔ یا وہ اس بات کا بجا ہو کر سکتا ہے۔ وہ نہیں بھی اس کی خبر کہ وہ نوب میں ادا ہو گا +

(۶۵۳) میں بھی میں یہ گیا۔ گویا دلناں یعنی کتب جاری ہو گیا۔ میںیں میرے دے یعنی پر سوز و غم و شوق سے مسکرا کر لیں پڑ گئے۔ یہ میری تیرے میں عزلی سران کر سکتے تھیں +
مردودہ کشت و خون کر رہا ہے کہ بہل سے تیرے رانی میں میری نصیحت کرتی ہے +

(۶۵۴) انا میں کہیں نہ جاؤں کہ ا۔ ہوائی جاتی ہیں اس کا اصل مطلب یہ کہ میں مشفق کی آنکھ سے کل کے جیشہ میرے دل میں نکال کر لیتی تھی۔ اب وہ دل کے باہر آیا دیکھوں وہ جاتی ہیں۔ حل اثر یا مہبہ (یا دہکت ہے) کہ یہ ایک عجیب و غریب اور دلگیر ہے (دوست کی روئے میں کھول میرے دل میں نہیں تیری۔ اور اس کے بارے میں) ہر ہوائی جاتی ہیں (جو ہمیشہ میرے دل کو زخمی کیا کرتی تھیں) اس کا سبب یقیناً میری شوقی قسمت ہے کہ وہ تھا میں۔ دوست کی بھی نظر نہ شرم کھانے کی وجہ سے اس کی گھول میں ایک تیرے شوق میں گئی تھی۔ وہ تیرے دل سے بھی باہر نہ رہتی +

دوست سے معنی ا۔ ایک باوجود کہ مشفق نے ہر نظر خفا کے نہیں کیا۔ نہ عاشق کو اس کے من دیبلی کل کی امید ہو سکتی۔ جو ہم میں مل لیں عاشق کی کوتاہی قسمت سے گھول ہی میں ایک کر رہا تھیں۔ اور اس پر بھی اس کے تیرے نظر کا یہ اثر ہو کہ دل عاشق سے پار ہو گئیں۔ اور اس کو زخمی کر گئیں +
(۶۵۵) جو کہ میں اپنی نہیں کو گھنے سے روکتا رہا۔ وہ میرے سینے میں ہے وہ ہے میری۔ میں نے گھنے سے روکتا رہا۔ وہ میری ہے۔ میری میں ایک گھول میں گویا بھڑکی ہوئی تھیں۔ جس کے تیرے دل پاس پاس ہوتے ہیں۔ ہر گھڑت ہو کر تے ہیں۔ ہر وہ کہ میں۔ یہ تیرے گھول میں رہتا ہے۔ اسے خوب تیرے ہوتا رہا +

(۶۵۶) میں اگر دوست کے دل میں بھی (یعنی اول تو میں جا رہی نہیں) کہ نہ صرف میں بھی۔ تو ان کی گھول کے جواب میں جو میں انہیں دہاتیں دیا۔ کہ وہ ہوں۔ اب ان کو کہ دہاتیں دوں گا۔ کہ تیرے عشق و محبت سے یاد میں وہ میں کے وہاں کر رہے چکا ہوں۔ مراد یہ کہ اس کا وہاں میں کسی طرح کر رہے خوش نہ ہوا۔ تو پھر وہ بچے دوست کے گھر میں داخل نہ ہوئے دے گا۔ اور جو دوست کے دل میں بھی تو میں ہے کہ اس کی گھول میں کھانے کے وہاں دوں گا۔ تو میری دہاتیں دل میں یہاں کر سکتی ہیں بہتر ہے کہ نہ جاؤں +

(۶۵۷) انا میں کسی کے ہاتھ میں خراب کو پال لیا۔ گویا اس کی زندگی بھر میں یاد میں حاکم و حوالہ نہ ہوا ہو گئی۔ اور جس ہاتھ میں اس نے جام خراب نہ کر سکیا۔ اس کے ہاتھ کی سب بکریں ملک میں ہو گئیں۔ جس ہاتھ کی گھول میں نہ ان کی قسمت نکلی ہوئی ہے۔ ہذا اس کی تحصیل پر ملک میں ان کی گھول میں اس کی خرابی نہ لگی کا باعث ہو گئیں +

(۶۷۸) ہم کو حدیثی خالص خدا کو ماننے والے توحید پرست ہیں۔
 اس سے پہلے ایک نشت اقوم اور خدا کو خالص طور پر نہیں مانتی یعنی توحید
 کے ساتھ شرک یا نور اور مذہبی اگر ہم بھی اس میں ملا سکے تو حید کو مانتی ہے
 ہمارا کیش یا دستور ہے کہ ہم ان رسوم کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ کاری تقید پر
 جب وہ سب تو ہیں خالص توحید ہی کو ماننے لگیں تو اس وہ سب تو ہم ایک
 ہو جائیں اور سب کی سب ایک ہی ایمان کی خاص ارکان بن جائیں
 (۶۷۹) تو یہ ہے کہ مشکل سے مشکل کام کی ہم عادت ہو
 جاتے۔ تو وہ کام کو مشکل نہیں رہتا۔ کہتا ہے کہ اگر انسان سچ کا ادراک
 بن جائے۔ تو سچ کو یا جاتا رہتا ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق لکھتا
 ہے کہ مجھے اتنی حقیقتیں پیش آئیں۔ تو میں ان کا فکر ہوا کہ وہ سب
 حقیقتیں اب میرے لئے باطل آسان ہو گئی ہیں
 (۶۸۰) اگر غالب اسی طرح دیکھا کہ خود سے بہتر دیکھا۔ تو اسے
 تو دیکھنا کہ اس کے طوفان گریہ سے یہ سب شہرِ گل بن جائیں گے۔ روشنی
 کے حلق مباح کیا ہے

غزل

۶۸۱ دیوانگی سے دوش و زنا رہی ہیں
 یعنی ہماری جیب میں ایک تار بھی نہیں
 ۶۸۲ دل کو نیازِ حسرت دیدار کر سکے
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 ۶۸۳ مٹا لڑا لڑ نہیں آسان تو نہیں ہے
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

(۶۸۱) دیوانگی یا جنوں کے ہم نے اپنے جسم پر زنا رہی
 بھی نہیں لکھائی اس کو لڑا لڑ نہیں کیا ہے۔ اور اب ہمارے گریہ
 یعنی جیب گریہاں میں ایک تار تک باقی نہیں ہے۔ مراد یہ کہ گریہ تو
 اپنی باتوں سے مرگ رہا ہے۔ جیب جسم پر جیب تک رکھ کر اور
 زنا۔ تو پھر کسی قسم کا کوئی کیزا جو کہ دھماکے ہی سے ہوتے ہیں۔ وہ کیسے
 زیب دل رہتا۔ دیوانی میں اب ننگے ننگے ہی پھر رہے ہیں۔ اور زنا
 تک بھی نہیں رکھتے جو کہ علامتِ عشق ہے

(۶۸۲) نیازِ حسرت۔ دل کی نذر ہم ایسے دل کو جس حسرت
 یعنی دل پر قربان کر چکے جو کہ اس کا دیدار جیب ہونے کی بدولت ہمیں
 حق غنا۔ اب اس سے نہیں دیدار دیا تو دیکھا کہ ہمیں اتنی قوتِ دل
 باقی نہیں رہی کہ اس کا دیدار بھی کر سکیں یعنی اس نے جس و جمال کا جو
 رہا ہے اسے گواہی اس کے ہواشت کر سکیں

(۶۸۳) اگر نیازِ آسان نہیں ہے۔ تو دشوار ہے۔ اس نے
 پہلے محسوس ہے۔ کیونکہ ایک دشوار بات کو شش سے سہن ہو جاتا
 ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ وہ دشوار بھی نہیں ہے۔ یہی دشواری کی حد سے
 گزرا ہے۔ مراد اس نذرِ دشوار کہ ناکھن ہو گئی ہے

۶۸۴ بے عشقِ حرمت نہیں سکتی سے اور پاں
 طاقتِ بندِ لذت آزاد بھی نہیں
 ۶۸۵ شوہرِ دل کے لڑنے سے جو سروبالِ دوش

۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰

۱۶۴ (۴) عشق میں کسی چیز کی محبت ایک ایسی چیز ہے۔ کہ زندگی کیلئے نہ کر یا ایک لازمی امر ہے۔ مگر اس محبت میں توازن تکلیفیں بھی پیش پاتھ ہیں۔ کہتا ہے۔ بغیر محبت کے حرکت نہیں سکتی اور یہاں (۴م میں) اسی طاقت ہی نہیں رہی کہ جہد لذت لذت یعنی محبت کی لذت میں تکلیفیں کو قوت پر کرتی ہیں۔ جن کی برداشت کر سکیں۔ مگر یہ کہ شوق تو ہے مگر اس راہ میں جو تعامیت واقع ہوں ان کے تحمل نہیں ہو سکتے +

۱۶۵ (۵) شوریدگی یا جنون کے انداز سے میرا سر میرے کندھوں کے سے ٹکرایا وہاں یا ہر جہاں گیا ہے۔ اسے خاک کیا۔ جنگل میں کوئی دروازہ بھی نہیں ہے جس سے سر نکلا کے میں اس کا خانہ کروں +

(۶۸۶) میرے وہ ہیں خیروں کی عداوت سماتا تو وہ کہنا نہ صفت
سے خود چوس یاد تک بھی ہاتی نہیں +

(۶۸۷) میرے زاد زاد روئے سے تو ابد خدا کو مانا۔ کیا میری
گرہ و زادی آخر یک قبری جاؤں گی زیاد کے برابر بھی نہیں جس پر
سب قریں کدیا کرتے ہیں +

(۶۸۸) روکشی۔ منڈا۔ بھ کو در دست کی پلکوں کی فرج کے
مٹانے کا شوق تو ہے۔ لیکن ایک کاٹنا چھ قریں کی برداشت نہیں
کر سکتا۔ یعنی ادوہ تر عظیم نشان ہے۔ مگر محبت عداوت +

(۶۸۹) جنگ میں دشمن کے مارے کو قیر تلوار چاہئے مگر مشوق
کی تیز نظریں یہ کام کر سکتی ہے۔ تو چوس کی سادگی یعنی بے سرو سامانی پر
اس خدا کو ن زبان نہ ہو گا۔ یعنی وہ مشوق ہم۔ یہ برسر جنگ ہے
(مراد جاری طرف دیکھ رہا اور گویا جس قتل کر رہا ہے) مگر اس کے
ہاتھ میں تلوار تک بھی نہیں ہے +

(۶۹۰) حسد کو تنہائی اور مجلس و دور حالتوں میں بار بار دیکھا
وہ اگرچہ جنتی نہیں تو کچھ یہ جوشت یا یہ چاراک بھی نہیں ہے۔ مرزا احمدی
آوی ہے +

فصل

۶۹۱ نہیں ہے نہ خیم کوئی بجز کے درخوردے تھیں
جوا ہے نہ راجک پاس رشتہ چشم سوزن میں

۴۹۶ ہوتی ہے ماح ذوق تن نشا خانہ پہاڑی
 کب سیلاب آتی ہے ہرنگ چٹاؤ نہیں
 ۴۹۷ دوست خانہ پیدا کا دلہن شہر کا ہون
 یقین نام شہر سے مراد قطرہ خون تن میں
 ۴۹۸ بیان کس سے ہر فطرت گسٹری میری طبیعت کی
 شب ہر جو کہ دن چہ دیو دے رو نہا میں
 ۴۹۹ خوش ماح ہے رنجو شہر جنوں آن
 ہما ہے خندہ احباب بجز جیب و دامن میں
 ۵۰۰ ہوشے اس مہر شہر کے چہرہ لڑکوں کے آگے
 پریشان جو ہر آئینہ میں لعل درہ روزان میں
 ۵۰۱ نیاں نیکس ہوں یاد ہوں پر صحبت نیک سے
 جو نیک ہوں تو ہوں نیک میں خوش ہوں تو ہوں خوش میں
 ۵۰۲ ہزاروں دل دے جو جن جنوں عشق سے محروم
 میر جو کہ سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں
 ۵۰۳ استاد زہدانی تاثیر لکھتا ہے عریان ہوں
 فم دوست لڑائی ہو گیا ہے طوق گردن میں

(۴۹۱) چونکہ میرے جسم میں کئی زخم ہیں جانے لایق نہیں ہے
 گیا، استفہ مدی حالت میں ہے، میری دیوی کے استفہ کا آکا میری
 زخم سینے دلی سولی کی جہنم یعنی آکے کا آکا بن گیا ہے۔ مراد صحت حالت
 اس ہے۔

(۴۹۲) میری خانہ پہاڑی ابو جہل و ن گریہ کے استفہ جو نیک سے
 کہ میرے گھر کی کھڑکیوں تک اپن چہرہ کے اس آب طہون کی جھلک گیا
 ہوا کا لالچے رہ گئی ہے۔ اور گئے اپنی خانہ پہاڑی کے نظار۔ یہ کمال طبع
 نہیں اٹھنے دیتی۔

(۴۹۳) میں دوستوں پلوں کی کاوش کے ظلم و دوست شہر دینی
 لانت داد ہوں۔ اور میر ہر قطرہ خوش گویا یہ نیک سے کہ جس پر نام نہ
 جی گواہی دینے کے کا نام لکبت ہے۔ مراد۔ پیری پلوں سے گھٹ کر
 میرے جسم کے لہو کی ہر پندہ نہیں سے ظلم کی شہادت دیتی ہے۔

(۴۹۴) میرے بدن میرے پر جو تاریکی چھائی ہوئی ہے اس
 کا بیان کروں۔ خلافت گسٹری تاریکی چھائی ہوئی تاریکی کی طبیعت سے
 میری دیواروں کے لنگے ہیں روئی رکھ دو لوگوں جانندی لانت جو جانندی۔

(۴۹۵) دوستوں کی محنت طاقت میرے جوش جنوں کے سے
 و صفائیں کی روک خدائے کریموں و قلع ہوئی چہ چہ ان دوستوں کی محنت
 دینے ہوئے) گریہ درو من میں بیکر کا کام کر گئی۔ یعنی میں سے گریہ
 بھانا چھوڑ دیا۔

(۴۹۶) اس حین محبوب کی تصویر کے عکس کے آگے آئینہ کے
 خطوط جو ہر اس طرح پر نشان ہوئے یعنی آؤ سنے گئے۔ جیسے کہ شاعر آتی
 ہے کسی کھڑکی میں آؤ سنے (دندہ میر کر سنے سے) آؤ تے دیکھتی دیتے ہیں
 مراد۔ وہ محبوب کس جیسے ست۔

(۴۹۷) میں نہیں چٹا رنیک ہوں یا ہر گھر میری صحبت میری
 طبع کے خلاف ہے۔ خندہ اگر عیول ہوں تو بہا تہا بھی میں ہوں (جو میں)

بن چاہتا اور اگر گھاس چوٹس تو اٹھ میں کہ جہاں میری کچھ نہ رہیں

۶۴۸

(۶۹۸) جنون عشق کے جوش نے مجھ کو ہزار اول دیتے دگیا
بہت دیر پہلے اس قدر بڑھ چکا کہ میرا سر لٹو خون جسم میں (بوجہ جنون)
۶۴۹ سو کے سید بن گیا + مراد تو مٹون سودا زوہ ہو کے سزا پارین
ذاتی بن گیا +

(۶۹۹) استادین حسینوں کی تاثیر محبت کا تو گر مویں - لہذا میرے
دوست نے از روہ زاد میں جب میرے گئے میں باہیں ان تو وہ میری
مدن کا طوق (نہ بکیر بن نہیں - اور میں اسیر محبت ہو گیا +

غزل

۶۰۰ مزے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سواتے خون جگر سو جگہ میں خاک نہیں
۶۰۱ مگر حنا دھوئے پر ہوا اٹا لے جا لے
وگر نہ تاب و توڑاں ہال دیر میں خاک نہیں
۶۰۲ یہ کس بہشت شمال کی آہ آہ سے
کہ خیر جہنم گل رہ گندہ میں خاک نہیں +
۶۰۳ بھلا اسے نہ سہی کچھ بھی کہہ رہم آتا +
اگر میرے نفس بے اثر ہیں خاک نہیں

۶۰۰ حال جہنم گل سے خواب دین سے کن
شراب لٹا کے کے دیوارہ لادیں خاک نہیں
۶۰۱ جو ہوں عشق کی غامہ بگڑی سے شرمندہ
سو اسے حسرت تعمیر نہیں خاک نہیں
۶۰۲ جہاں سے شکر ہیں آب صحت دل کی آئندہ
کھلا کہ فائدہ مرغن حشر میں خاک نہیں

۶۰۰ ۱ / ادب کے مزے مہر نظر ہیں یعنی میرے نزدیک
کچھ چیز ہی نہیں ہیں - سواتے اس کے کہ نالی بدولت خون جگر نہیں
۶۰۱ / تم و درج گریں اسو ب جگر بھی خالی ہو گیا تو خون جگر کیونکر نہیں
مراد - مطلق دیر سے ہے +

(۶۰۱) مرغ انیس کی طرح ب ہروں میں اسے کی طاقت
ہی نہیں رہی شاہد مر جاؤں تو ہوڑا کے بچے جن میں سے جا لے +
(۶۰۲) چونکہ بہشت میں خاک و حصوں نہیں پانی بجالی - کہتا ہے
کہ یہ کس بہشت شمال (دیر جنٹ کیسے آراستہ پیراستہ حسین) کی
آہ آہ سے کہ اس کی راہ گز رہیں بھی بیوہوں کے جوتے کے سوا
خاک بھی نہیں سے یعنی صحت جہنم گل ہی پایا جاتا ہے +
(۶۰۳) نفس - یہاں مراد آہ و فزاؤ + بھلا دہشت کو تو مجھ
جہنم نہیں آتا - مجھ ہی کو اپنے پروردگار + کہ جب بار بار میں
کیجیج ہوں - تو کھو کر تکلیف ہوتی ہے - اور پھر میری ہے اثر اجوں
میں خاک بھی اثر نہیں رہا اس لئے کہ دوست ان کی طرف کبھی توجہ

ہی ہیں ہوتا) +
 (۴۰-۶) گل سے مراد یہاں محبوب حسین سے + شرابی اس معین
 محبوب کے جلو سے کی یادیں غراب ہیں یعنی لٹکے ہوئے ہیں + وہ
 شراب خانے کی دیوار دور میں تیرے کچھ بھی دھڑکیں سے + یعنی شراب
 نہ جی ہم اس کی یاد میں مست ہیں +
 (۵۰-۵) میں عشق کی غارتگری سے ٹھنڈے ہوں کہ میرے گھر
 ہیں سو اسے گھر کو سرور تعمیر کرنے کی حسرت کے اور کچھ بھی باقی
 نہیں رہے +
 (۶۰-۶) اسے اسد جاد سے شراب اور گل کے مصرب کے ہو
 گئے ہیں + معلوم ہوا کہ عرض ہنرینی پنکھاں پیش حرم کر سنے میں کچھ
 فائدہ نہیں ہوتا + غالب ابتدائیں + عام شعر اسے ایک جدا گانہ طرز
 ہیں غزل نگار یہ تھا کہ اسنے اس طرز پر مرثیہ پہنچایا اتنی حالت نہیں +

غزل

۶۰۶ دل ہی تو ہے نہ سنگ خشک نہ درخت بھرے کیوں
 روئیختے ہم ہزار بار گلی نہیں سنائے کیوں
 ۶۰۸ چرخیں حرم نہیں دور نہیں آستان نہیں
 نیمختے ہیں وہ گنزد ہم غیر ہیں اٹھائے کیوں
 ۶۰۹ جب و جمال دل فرد صورت ہر نیم روز

آپ ہی جو لعلہ سوز پروے میں چھپائے کیوں
 ۶۱۰ دلشہ عزیزہ جانتاں نادک تازے سینہ
 چیل ہی عکس رخا سہی سائے تیرے آنے کیوں
 ۶۱۱ قید حیات و بند غم اصل میں وہوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
 ۶۱۲ حسن اور سبب حسن گل رو کسی بواہوں کی شرم
 ایسے پہ اٹھا ہے خسیار کو آواز سے کیوں
 ۶۱۳ دن وہ فرد غزل ناناں یہ حجاب پاس وضع
 ماہ ہیں ہم ہیں کہیں ہدم میں وہ بلائے کیوں
 ۶۱۴ ہاں وہ نہیں وہ پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو جو دیں وہ عزیز اس کی گلی میں جا کیوں
 ۶۱۵ غالب غم کے پیر کوں سے کام بند ہیں
 دوسرے زار زار کیا کیجئے ہائے آنے کیوں

(۷۰-۷) میرا یہ دل دل ہی تو ہے کچھ پھر یا نیست نہیں ہے کہ
 آئی کو وہ یاد رکھ پیچھے اور میرا دل بھر دے آنے میں ہیں اکھبوں میں آنسو
 بھراؤں + اچھا ہم ہزار بار گلی نہیں سنائے کیوں
 اس میں مزاحمت کیوں کر ہے (کیا وہ کو دور پیچھے تو کوئی روئے ہی تا)
 (۸۰-۸) ہم سرور اچھے ہیں + رقیب ہم کو یہاں سے اٹھائے
 کیوں + یہ تو کسی کا دروازہ نہیں + دلیر نہیں اور نہ یہاں کوئی بت خانہ
 سے یا خانہ کجہ + مطلب ہے لالہ دخل دیتا ہے +

(۷۰۹) جب دوست کا وہ اپنے دل کو لہر دے گا تو پہچانے والے
 ہمارے وہ پہرے چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح خود ہی اندھ سونہ سے یعنی
 اس قدر جلدہ، لگن کو ہمیں اسے دیکھیں نہیں تو پھر وہ دوست بددعا
 ہے۔ وہ میں اپنا منہ کیوں چھپا سکے گا۔ کیا پر اسے میں سے اس کا چھپکر
 ہر نہیں ملے گا۔ اس شرمی خدا کی جنت اٹھارہ ہے کہ قاتل تو اس
 کا ظہور دکھا رہی ہے۔ پھر وہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ کیوں ہے ؟
 (۷۱۰) حینوں کا دشمن غصہ یعنی آنکھوں کے اشاموں کا
 خیر جان ہی ہے کے چھوڑتا ہے اور ان کے نازہ ادا کیسے ہے بنا
 جو کرتا ہے۔ فرض کیا یہ تیرے ہی ہونے کے وصف ہیں۔ تو
 ہر کوئی اپنی جان کو نہ لے کے لئے تیرے سامنے ہی کھڑی کیا
 اس کو اپنی جان نہیں چاہئے ؟

(۷۱۱) زندگی کی قید اور غم کی قید، صں دو ایک ہی چیز ہیں۔
 یعنی جب تک انسان زندہ ہے وہ جتنا غم ہی رہے گا، لہذا
 انسان موت سے پہلے غم سے نجات میوں کر پا سکتا ہے ؟

(۷۱۲) ایک تو اس محبوب کو حسن خدا نے عطا کیا ہے اس پر
 حسن ظن کر جو شخص اسے دیکھتا ہے۔ اسی پر وہ منتوں پر مانتا ہے۔ لہذا جب
 وہ اس کے اسے دیکھا تو اس نے مجھ کو میرے حسن پر وہ پرکھ کر فریشتہ ہے۔
 (۷۱۳) لہذا وہ اس کو عشق و فریشتہ سے کیا مطلب؟ تاہم دوست کو اپنے
 اس خیال پر کہ ہر شخص اس کا جسے دل سے عاشق ہو جاتا ہے اور پورا
 اشتہار ہو گیا۔ تو وہ ریشہ کی محبت کی آدائیں کیوں کرتا۔ لہذا ریشہ کی اس
 طرح شرم رہی وہ اس کا عشق کا ثابت نہیں ہو سکتا ؟

(۷۱۳) دل میں دوست کو اپنے غور و عزت کا خیال اور ناز کا
 محسوس ہے۔ وہ اس میں محفل میں نہیں جاتا اور یہ دل میں اس کی رعایت
 کے احتیاط سے ہر شرم سے جاتی ہے۔ کہ ہم کہاں نہیں رہتے ہیں
 یہ کام تو شرم کا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ کہ ہم سے وہ سے نہ وہ ہیں
 بلا سکتے) +

(۷۱۴) اچھا وہ (ہمارا دوست) خدا پرست نہیں ہے یہی کار
 ہے۔ اور یہ بھی مانا کہ وہ کسی سے وفا نہیں کیا کرتا تو پھر جو شخص اپنا دین
 اور دل عزیز رکھتا ہے، (یعنی عشق میں ان کو کھوٹ نہیں چاہتا) وہ
 اس کی گلی میں کیوں جاتے، (اصل یہ کہ عشق میں جذبہ اور اپنی جان
 کا اس نہیں کیا جاتا) +

(۷۱۵) نصیحت حال غایت کے بغیر بھلا ہمارے کچھ کام بند ہو
 گئے ہیں۔ یعنی کوئی تکلیف پیش نہیں کی۔ تو پھر اس کے لئے نہ مانا
 کیا دیکھیں، اور اسے اسے کیوں کریں ؟

غزل

۱۱۴۔ فخریہ شگفتہ کو دور سے مت دیکھا کہ یوں
 بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے بجے تاکہ یوں
 ۱۱۵۔ پسند ہر دہری کیسے کیا کہ بن سکے تو
 اس کے ہر اک اشارہ سے بچے ہے یہ انا کہ یوں

- ۱۸ رات کی وقت سے ہے ساتھ رقیب کو لے
آئے وہ بان خدا کرے پر نگہ خدا کہ یوں
۱۹ غیر سے رات کیا جی پر جو کہ تو دیکھتے
ساتھ آن جتن اسی دیکھتا کہ یوں
۲۰ بزم میں اس کے رہو کیوں ماحول میں
اس کی تو خاموشی میں بھی ہے دعا کہ یوں
۲۱ میں نے کہا کہ بزم ناہا ہے حسرت نہی
میں کہ ستم ظریف نے لہ کو اٹھا دیا کہ یوں
۲۲ مجھ سے کہا جادوئے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بے خودی چھینے لگی ہو کہ یوں
۲۳ کب مجھ کو سنے یا رہیں رہنے کی وضع یا وہی
نہینہ راز بن گئی حیرت نفس یا کہ یوں
۲۴ گر تیرے دل میں جو خیال وصل میں شوق کا دوا
کونج عجب آب میں دے سے دست دیا کہ یوں
۲۵ جو یہ کہے کہ دیکھتے کیوں کہ ہو شک فارسی
گفتہ غائب ایک بار ہر دو کے اُسے سنا کہ یوں

(۱۶) غنچہ ناشگفتہ جب گوب کا بھول نہ کھد ہو۔ تو وہ پھر ہز
ہز چہیوں کے اندر چھپا رہتا ہے۔ ایسے ہی جب انسان کسی کا ہر د
ہت ہو۔ تو اس کا منہ گویا غنچہ کی طرح بند ہو کر رہتا ہے۔ مگر جب وہ ہر د
لے۔ تو غنچے کے کھلنے کی طرح کھل جاتا ہے۔ کہتا ہے۔ میں تم سے

میں نے اپنے کی نسبت پوچھتا ہوں۔ تو اس طرح غنچہ ناشگفتہ (پھول کی بند
گلی) کو دہرے دیکھا کہ بوسے کا نگار دکھ کر۔ اور میرے پاس آ کر
میں نے چوڑا ہوا ہے سر کو (کھوٹا) بتا کہ کیا کہتا ہے۔ یا یہ بتا کہ
پرسہ دین نہیں پڑتا +

(۱۷) ہم س سے ابھی رول بیٹے اکی طرز کا دل کیا وہیں
بغیر اس کے تہ سے ہی کے س کے ہر ایک ساتھ مرگنا سے غم ہر
ہے کہ (طرز دہرے) دیوں ہو کرتی ہے +

(۱۸) وہ رات کے وقت شراب پئے ہوئے۔ اور رقیب کو
ساتھ لیکر خدا کرے آئے تو بھی۔ مگر اس طرح کہ اب تو ہر وہی ہو۔
میں خدا کرے کہ وہ رقیب اس کے ساتھ نہ ہو۔ وہی شعر کی ترقی

خدا کرے وہ ہیں رات کے وقت سے ہے آئے۔ پر نہ خدا کرے
میں رقیب کو ساتھ لے

(۱۹) میں نے اس سے جب پوچھا کہ رات رقیب کے ساتھ
تھاری کہ طرح گدڑی۔ تو دیکھنا وہ کس طرح میرے ساتھ آ رہی۔
اس طرح دھننے میں بھر کے دیکھنے لگا۔ (گویا اس کا مدعا تھا
کہ میں اس سے رقیب کے بارے میں کچھ پوچھتا ہی کیوں ہوں۔)
(۲۰) وہ مجلس میں چپ ہو کے بیٹھ رہا۔ تو اس کی خاموشی میں
اچانک اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ سب چپ ہوئے بیٹھیں۔ تو ہم
اس کے بعد بزم میں فخر شہسوار کیوں نہ بیٹھیں +
(۲۱) جب میں نے کہا کہ آپ کی بزم کا دوا (جو مرت

پنوں ہی سے لئے مخصوص ہوتی ہاں تھے (۲۵۵) حیرے خالی ہو کر بہت سے
ہاں تھے اس ستم ظریف سے بچدیں کہ اپنی حلق سے اٹھ دیا جو دم
ظریف سے مراد ایسا شخص کہ جس کی ہنسی یا ہنسنوں میں کوئی اعلیت لازم
کا پہلو بھی نہ تھا (۲۵۶)

(۲۵۷) جب مجھ سے دوست سے پوچھا کہ ہوش کس طرح جاتے
ہیں تو میں تو مجھ سے خودی و سبے ہوشی چپ رہا۔ مگر ہوش چلنے لگے۔
اور سنے بتا دیا کہ ہوش و حواس ہوا کرتے ہیں (۲۵۸)

(۲۵۹) حسرت فتن پا۔ پاؤں کے قدم کا نشان اس طرح
زمین پر بھلا رہتا ہے۔ کہ جیسے کسی بیہوش آدمی کا چہرہ۔ گردہ
جبرلی کی سی حالت میں ہے (۲۶۰) آئینہ کو رکھنے والا۔ یعنی شکل
دیکھنے والا۔ بلکہ کو دوست کے کہ ہے ہیں رہنے کی وضع کب یاد دلائی
یعنی جبرلی جی کا تھا۔ کہ دیکھنے پاؤں کے فتن پاؤں کے آئینہ دار ہیں کے
اسی حیرت دکھائی کہ میں سمجھ گیا کہ اس کے کہ ہے میں اس طرح رہا
مرد یہ اس کے فتن پاؤں میں محو ہو گیا (۲۶۱)

(۲۶۲) اس شعر کا مطلب یہ ہے۔ اگر تیرے دس میں اس
ہاں کے دریافت کرنے کا شوق ہو۔ تو دھل کے بعد عاشق کا
شوق کس طرح زوال پذیر ہو گیا ہے۔ تو دیکھ کہ سورت محیط دسمی
کی جہر (۲۶۳) پانی میں کس طرح اپنے (۲۶۴) پاؤں داری ہے۔ اور پھر
نہ ہو جاتی ہے۔ یعنی پانی کی لہر سندر کے ساتھ دھل دھل کر کے پھر
کیونکہ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اور اس کا شوق نہ کل ہو جاتا
ہے (۲۶۵)

(۲۵۵) یہ کہے کہ ریختہ (یعنی قدیم وضع کا دور ریختہ) کیوں کر
نکری جیسے اعلیٰ ترین علم اب کیسے ہاں تھے رشک ہو۔ تو اس کو غالب
کا کہہ ہو گئی شعر ہر کہ سنا دے۔ تو وہ قائل ہو جاتے گا (کیوں کہ ریختہ
غالب ہی تو قومی فارسی ہو گئی ہے) (۲۵۶)

غزل

۴۶۱ حمد نے رگراشہ ہے گرم فتن ہو
کہ چشم تنگ شاید کثرت نظر سے داہو
۴۶۲ بقدر حسرت دل پاسختہ ذوق معاصی بھی
بہرہاں یک گوشہ دین گر آب جنت دریا ہو
۴۶۳ اگر وہ سرور گرم غلام تاز آ جاوے
کھٹ ہر خاک گلشن فکل قری نالہ فرسا ہو

(۲۶۴) اگر تیرے حمد کے سبب مجھ سا رہتا ہے داود
اس سے تو کچھ تنگ دل ہو گیا ہے۔ تو سرور گرم تھا شاہو۔ می میں
پھر دنیا کو دیکھ۔ کہ پھر لگن ہے قری تنگ تنگ کثرت نظار (یعنی
طرح طرح کے اپنے سے بھی گندے لوگوں کے دیکھنے) اسے
کل جیسے۔ اور تنگ نظر ہے (۲۶۵)
(۲۶۶) لگ ہوں کا شوق میں دریا کی حسرت کے انداز سے کے

معدنی ہو ناچا ہے۔ چنانچہ (معاویہ کے) سات دریاؤں کا پانی جو
 تو میں اس کو چنے واس کے ایک گولے ہی میں سے لوں +
 (۷۲۸) اگر میرا وہ سرو قد۔ ناز کے ساتھ جھوٹا جھوٹا چلا
 آئے۔ تو بارگ کی مٹی کی ہر کھٹ بھی صحنی صحنی جیسے کہ نثری ایک کھٹ
 خاک ہوئی ہے۔ (جو جو اپنی منہاں دلالت کے) ہمارے حسد کے آہیں
 جھرنے لگے +

غزل

۷۲۹ کہہ میں جا رہا ہوں تو نہ دو عینہ کی کہیں
 بھول ہوں حق صحبت اہل کشت نگر
 ۷۳۰ طاقت میں تار سے نہ سے و چھین کی لاگ
 روزخ میں ذل دو کوئی سے کہ بہشت کو
 ۷۳۱ ہوں صوف نہ کیوں رہ و رسم تو اس سے
 شیر ما لگا ہے قلم سر نوشت کو
 ۷۳۲ غالب بکھ اپنی سسی سے اہنا نہیں مجھے
 خرم بنے اگر دہ رخ کھانے کشت نگر

(۷۲۹) گرین کہے ہیں جکے رہت ہو تو مجھے معنی مست کہ وہ
 کیا ہیں اہل کشت و بت خانے لوں کا حق صحبت کہیں بھول سکتا

ہوں یعنی میری فہوں سے غریب مداریات کی نفی۔ یا کہ غام کہہ بھی تو پہلے
 اہل کشت ہی کی صحبت میں۔ (یعنی سے متعلق تھا +)
 (۷۳۰) اہل شرع قوم کو تحریک دلایا کرتے ہیں۔ کہ عبادت
 کرو تاکہ بہشت میں شراب اور شہد نصیب ہو۔ لہذا خدا عز و جل کہتے ہیں
 کہ عبادت کرتے وقت تاکہ شراب اور شہد کا کوئی تعلق پانی نہ رہے
 یعنی یہ خیال کہ عبادت محض شراب و شہد کے لئے کی جاتے ہو فاصل
 خدا کے لئے نہ ہو) کوئی بہشت ہی کو پیچے اور رخ میں دلد سے تاکہ نہ بہشت
 ہوگا۔ اور نہ محض شراب و شہد کا لہجہ دلا کے کسی سے خدا کی عبادت کا غلط
 کیا جائے گا +

(۷۳۱) میں تو بکجا رہا دو عینہ کی دوست راستے پر چنے سے لگے
 طرح صوف نہ ہوں۔ بہری تو سر نوشت (چیشانی) کے قلم ہی کو جس سے
 میری تقدیر پانچے پر لکھی گئی تھی۔ نیز عاقبت لگا یا گیا تھا (تو ایسا قلم ہمیشہ
 شیر ما ہی لکھے گا۔ مرد یہ کہ بہ راہی میری قسمت میں نہیں ہوتی ہے۔ تو
 یہ دور کس طرح ہو +)

(۷۳۲) غالب مجھے اپنی کوشش سے کچھ سے کا نہیں۔ شہد بہر
 کلیاں کو اگر نثری نہیں کہنے کی۔ تو برقی خرم سے ضرور یہ مل جائیگا
 (بہر حال میرے لئے وہی بیکار کوشش کرتا ہے) +

غزل

۷۳۳ وار ستہ اس سے ہیں کہ صحبت ہی کیوں نہ ہو

کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
 ۳۳۔ چھوڑنا مجھ میں ضعف نے رنگ اختیار کا
 ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
 ۳۵۔ ہے جھگوڑے سے تذکرہ غیر کا کلمہ نہ ہو
 ہر چند ہر سہیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
 ۳۶۔ پیدا ہوئی ہے بکھتے میں ہر درد کی دوا
 چل ہو تو جاوے کلمہ اُخت ہی کیوں نہ ہو
 ۳۷۔ ڈالا نہ بیگنی نے کسی سے معاملہ
 اپنے سے گھینپت جوں غبار ہی کیوں نہ ہو
 ۳۸۔ ہے آدمی بچائے خود آبِ حشر غبار
 ہم بچن بکھتے ہیں غبار ہی کیوں نہ ہو
 ۳۹۔ ہنگامہ دہوئی ہمت سزا الفت نہ ہو
 حاصل نہ کیجے دہر سے جہت ہی کیوں نہ ہو
 ۴۰۔ دوسری بہادری بیگانگی نہیں ہے
 اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
 ۴۱۔ شتا ہے قوت فرصت ہستی کا غم کوئی نہ ہو
 عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
 ۴۲۔ اس فتنہ غم کے در سے اب اٹھتے نہیں رہ
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

(۴۳۔ ہم دروست یعنی اس خیال سے آزاد ہیں کہ کچھ

ہمارے ساتھ کیا وجہ ہے کہ محبت نہ ہو ہم تو کہتے ہیں کہ اگر محبت ہمارے
 ساتھ نہیں کرتے تو عداوت ہی کیجئے۔ غویا ہے
 قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 (۳۴۔) مجھ سے جو ضعف عشق یا محبت کا خیال جاتے رہتے
 سے دوست کے جذبات نہ کھنکھائے کاشکول ہی جاتا رہا۔ خود دل پر محبت کا
 نقش ماکول اثر ہی کیوں نہ ہو اب یہ کچھ کو ہمارے معلوم ہوتا ہے
 (۳۵۔) مجھ کو کچھ سے ہر کچھ شکر ہے کہ تو نے دلِ قریب کا ذکر میرے
 سامنے کیوں کیا۔ (تو کہتے کہ یہ محض شکایت کے طور پر تھا۔) تو ہر چند یہ
 شکایت ہی کے طور پر تھا۔ مگر مجھے تو اس کا کام نیک دوستی بھی گوارا نہیں
 ہے۔ جو جانے کہ اگر اس کا
 (۳۶۔) کہتے ہیں کہ ہر درد کا علاج دریافت کو لیا گیا ہے۔ اگر
 جیسا ہو۔ تو پھر کسی دیکھ علاج سے کیوں غمِ الفت کو جو ایک روغن ہے
 اچھا نیک ہونے کا۔ (یعنی عشق کے صرغ کا کوئی علاج ہی نہیں کبھی
 دریافت ہوا)
 (۳۷۔) ہے کسی سے ہر درد و ہمتوں یا نصیحتوں وغیرہ کا کسی کے ساتھ
 کچھ درد ہی نہ کرنا۔ کہہ سکتے ہیں بیگنی کے ہاں محبت جب کوئی چیز میرے
 پاس نہ آئے۔ تو کو یا مجھ کو کسی سے معاملہ نہ پڑا۔ لہذا۔ میں اب تنہا ہوں۔
 اور اگر محبت یعنی رسوائی بھی اٹھاتا ہوں۔ تو اپنے ہی سے کہہ سکتا ہوں کہ
 اپنے آپ کو کو سا کرتا ہوں کہ میں نے کیا کیا جو اس قدر بڑی حالت کو
 پہنچایا

سے ہم اسے اسد اب اٹھنے کے ہیں۔ اس بات میں حمار سے سر
پر وہ لپٹا ہوا نکلا کہہ رہا ہے۔ (یعنی اب ہم بھی۔ مادہ ۱۰
نہ دو ہیں۔ اس کی سب تکلیفیں اٹھا پاکیں گے۔ اور کہیں بھی
جائیں گے نہیں) ۲۶۷

غزل

- ۲۶۳ غلبہ میں ہوں گر چہ میں نہ جانیں سے شیون کو
مر ہو تا بڑ کیا ہے تو اس سب خان کھنکھن کو
۲۶۴ نہیں گر جلدی آسوں نہ ہو یہ رشک کیا تم سے
بدی ہوئی خدا بہ رز دوست دوست دشمن کو
۲۶۵ نہ نکلا آنگاہ سے پیر سے اک آنسو اس چراغت پر
کیا سینہ میں جس نے خون چکان مشکان سوز کو
۲۶۶ خدا شرانے آفتون کو کہہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریبان کو کبھی جان کے دامن کو
۲۶۷ ابھی ہم قتل گاہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں
نہیں دیکھنا درجہ خون میں تیرے آسن کو
۲۶۸ ہو چہ چاہو میرے پاؤں کی نہ خیر بیٹے کا
کہا بیت بکان میں جنہیں جو ہر نے اپن کو
۲۶۹ غرضی کہ کیت پر میرے اگر سو باد ابرو سے

(۲۶۸) آدمی اگر کید میں جیٹا ہو تو طرح طرح کے خیالات اس کے
دل میں گزرتے رہتے ہیں۔ گو یہ وہ ان کی ایک نہیں ہے۔ اسی طرح
کہتا ہے کہ آدمی داوروں سے ٹوکھا، بکا سے خود ہی ایک خیالات
آنے جانے کی مشین بنی جو م خیالات کا ایک وسیع میدان ہے۔ اگر
پر غارت (تنہائی) میں ہیں جو۔ تو ہم اس کو ایک (خیالات کی) مصل
تصور کرتے ہیں +

(۲۶۹) خیالیں کہ حاصل کرنے کے ہے۔ محنت و ہنگامہ اڑاتی
کرتی پڑتی ہے۔ مگر شعرا اس کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ دنیا سے بیزار
ہوتے ہیں +

غالب فرماتے ہیں کہ بہت ہی دینی دنیا میں ہشت کر کے کچھ
حاصل کرنا اس کی اذیت کا نذر ہو گا۔ انفعالیان شریعہ سے جو ہم کو دنیا
کوئی مقصد حاصل کر کے اٹھتی پڑتی ہے۔ (مراد یہ کہ کثرت کا کلی ہی
حاصل ہو کر رہے) لہذا دنیا سے کچھ حاصل ہی نہ کیجئے۔ یعنی عبرت
کا یہ بھی نہیں بھگوانا کہ سب کہا کرتے ہیں کہ حالت دنیا سے
عبرت حاصل کرو +

(۲۷۰) عمر خواہ کسی طرح سے کئے (پکلی) رہی ہیں اس کے
جانے کا غم مزدور ہو کرتا ہے۔ کہتے ہیں۔ زندگی کی فرصت یا (اعانت)
کے جاتے رہنے مراد عمر کے گزرنے کا غم کبھی مست ہی نہیں
سیکتا۔ خواہ عمر عزیز عبادت (جیسے ایک کام) ہی میں صرف
ہوئی جو +

(۲۷۱) اس دنیا کی شخص (مرد منسلوق) کے دروازہ سے

۱۵۰ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان سے
 مرے تھانہ میں کچھ عین قلم کا زور بہن کو
 ۱۵۱ شہزادی میری قسمت میں جودی تھی یہ فوج کو
 جہان تلوار کو دیکھا جھکا ریت نغا گردن کو
 ۱۵۲ نہ لٹا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
 رہا کھنک نہ جودی کا دھب دیتا ہوں دہن کو
 ۱۵۳ سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ چوہا ہوں جاہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کو دین جا کے صدمہ کو
 ۱۵۴ مرے شاہو سیماں جاہ سے نسبت نہیں ثابت
 فریادوں و جہم و کھسرو و اداب و بہن کو

(۳۴) ۱۔ تو سخاوت بخش . ہر میں گانے والے جانور ۔ قاعدہ ہے کہ کسی کا شور شرکونی پسند نہیں کرتا . اسی طرح مرغ باغ اندوہجو کرتا ہے ۔ وہ قفس کو دیکھ کے ناخوش ہوتا ہے ۔ تو کہتا ہے کہ ڈاسنجان قفس (باغ میں گانے والے جانور) ایک ڈالے قفس میں دیکھ کر (گویا میرے قفس سے) ناخوش ہیں ۔ دوسرے اگر وہ میرے شور و شر کو بھی اچھا نہیں جانتے ۔ تو میر کیا تصور کیا مر کے میں پیچڑی خاں کردوں یعنی کیا اب میرا بڑا بی بی کو نہ گوارا ہے ؟

۲۔ یہ حالت جو مذکورہ ہے میرے پس کی نہیں ہے ۔ پھر گویا اس کا بڑا بی بی کو نہ گوارا ہے ؟

(۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

ہیں + مراد - یہ میرے ہاتھ مجھے کشمکش میں رکھتے ہیں۔ خدا یا بہت مذموم۔
مردو مشنق پاس رہے۔ زیریں بیانی جانوں زیادہ کا دامن +
(۴۷) بھی ہم قتل (یا قتل گاہ) کو دیکھنا کچھ معمولی بات سمجھتے ہو
ہیں۔ کیونکہ یہ قبل از وقت ہے۔ اور ہزار عاشق کا قتل ہوئے والا
ہے ہلور ہم نے ابھی طون کی نہ می تیرے کھوڑے کو تیرے جوئے

نہیں دیکھا +

(۷۴۸) میرے پاؤں کی رنجش نے کاچر چھو۔ تو وہ میرے پاؤں کی رنجش نے
کے خاص یا مواد نے یہ تحریک دلائی کہ وہ میرے پاؤں کی رنجش نے
کے سے جیتا ب ہو گیا۔ یعنی وہ شوق سے ایسے کام پر مہم مند ہو گیا۔
مراد یہ کہ وہ جو بے جان تھے۔ وہ بھی بھڑک اٹھے اور اسے کو مقید دیکھنا

یا بت ہے +

(۷۴۹) اگر میری کھیتی پیدا ہو گئی ہے۔ تو اس سے مجھے کیا خوشی
خود سو بار اس پر ابرنودار ہو۔ (کہ جس سے ہارن کی امید بند سے نہیں
تو اس پر کا نتیجہ یہ نکال کیا کرتا ہوں۔ کہ ابھی سے بھی میرے کھیتیاں یا اس
کھیتی کے حاصل کو ڈھونڈ رہی ہے۔ مراد یہ کہ مجھے اپنی طرف سے دنیا میں
کچھ ملے نہیں ہوئے گا +

(۷۵۰) اگر کوئی شخص اپنی ولی داری پر خود وہ بت پرستی
پس کے شوق میں چلا استواری (یعنی مضبوطی) کے ساتھ قائم رہے۔
تو بے شخص مراد یہ بت پرست کو وہ جب مرے تو (وہ جو استحکام مت)
کو وہ بت قلعے میں مرسا ہے۔ وہاں سے نہ نکل سکے ہیں لے جا کے
گازن چاہئے۔ (کہو کہ اس میں وفاداری یا استحکام مت جیسی باتیں
کوئی ایمان کو جو دے +

(۷۵۱) میری تقدیر میں دوست کے ہاتھ سے شہادت پائی گئی
تھی۔ اس نے مجھ کو خود ہی قتل کر دیا۔ کہ جہاں کہیں تلواریں دیکھتے ہیں۔
۱۲ خود ہی اپنی گردن تل کے لئے جھکا دیتا تھا +
(۷۵۲) اگر میں دن کو کسی یڑے کے ہاتھ سے نہ ٹوٹا جاتا تو

بل لٹا کر۔۔۔ یوں رات کو درہوش ہو کے نہ سوتا۔ اب چوری کا خوف
اور وہ مال پاس نہ ہونے کے (جہاں رہا تو اس نے اپنے یڑے کے
حق میں دعا کرتا ہوں کہ وہ سادھ رہے) +

(۷۵۳) سن کہ کہہ نہیں سکتے +

یعنی کیا ہم شعر نہیں کہہ سکتے۔ کہ جو ہرات کی تلاش کریں۔ (گو یہ
شعار ہی ہمارے سے ہے جو ہرات جس اسی طرح) کیا ہم جگہ نہیں رکھتے
کسی کان کو جا کے کھودیں (یعنی یہی ہمارا جگہ وہ خون جمع رکھتے ہے۔
کوس سے طرف جگہ کہ کے ہم شعر کہتے ہیں) اور یہ ہمارا جگہ کان جواہر
ہے +

(۷۵۴) میرا وارث وہ جو سلیمان کے مرتبے والا ہے۔ (میں
اس نے کہا کہ حضرت سلیمان اور سب بادشاہوں پر درج فضیلت رکھتے
تھے۔ اور ہمارا وارث وہ ظفر جس کی یہاں تعریف کی گئی ہے۔ وہ بھی ایک
وہوش صفت آدمی تھا) اس کو اسے غائب۔ فریادوں۔ جستیدہ۔
بکسرو اور داراب و بہمن و بکسرو ایرانی بادشاہوں سے کیا ضابطہ ہے
یعنی وہ تو غرض دینوی بادشاہ تھے۔ اور ظفر دینی بادشاہ بھی
ہے +

غزل

۷۵۵۔ دہوتا ہوں جب جن چہنے کو اس ستم جن کے پاؤ

دکھتا ہے منہ سے پہنچ کے پھر گھن کے پاؤں
 ۴۵۶ دی سادگی سے جان بڑھن کو گھن کے پاؤں
 ہجرت کیوں نہ کرت گئے پیرزن کے پاؤں
 ۴۵۷ جاتے تھے ہم بہت سوامی کی منزلت یہ
 ہو کر سیر و اسے ہیں رہزن کے پاؤں
 ۴۵۸ مریم کی جنت و جہنم پھل ہوں جو دور دور
 تن سے سوا نگاہیں اس غنہ کن کے پاؤں
 ۴۵۹ اللہ سے ذوق دولت نرودی کہ بعد مرگ
 پہنچتے ہیں خود بخود مرے نام گھن کے پاؤں
 ۴۶۰ سے جوئی گل بہار میں یونہی کہ بہر طوف
 اڑتے ہوئے اٹھتے ہیں مرے جس کے پاؤں
 ۴۶۱ شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 دیکھتے ہیں آج اس بت تازک بدن کے پاؤں
 ۴۶۲ غالب مرے کلام میں کیوں کر ملا نہ ہو
 چیتا ہوں دھوکے خسرا شیریں سخن کے پاؤں

(۴۵۵) اس چاندی کے ایسے بدن رکھنے والے محبوب کے پاؤں
 جو میں اس کے پاؤں کا دھوون چیتے کے لئے دھوتا ہوں۔ تو میری
 منہ سے گھن کے باہر پاؤں نکالنے دھوتا ہے اس لئے کہ اس کے
 پاؤں کا دھوون میرے لئے گھن ہیں جس نہ ہو بلکہ زمین پر ہی بہہ جاتا ہے
 حاصل شعر یہ کہ وہ میرا اعلیٰ لٹ ہے +

(۴۵۶) مرزا غائب کے زمانے میں کسی سلوک کو بتانے کیلئے
 نہ کہ میں کہا کرتے تھے۔ آپ کے پاؤں پر لٹنے یا بالفاظ دیگر آپ کے
 پاؤں پر ہونے کے چیلے سادہ تھے ہیں۔ اس کا پایاں ہاں کیلئے نہ صحت کہت
 ہے کہ فراد سے مرستے انت ایک میں رہی کو پیرزن کے جان دے، کی تھی
 لہذا لڑکے کے پاؤں پڑے یعنی اس کو طوب بنا چاہئے۔ مگر اس میں اس پیرزن
 کی کے پاؤں کے پاس آن تھی۔ کیوں پاؤں نہ لٹ گئے۔ کہ وہ فراد سے
 پاس تکر سے فریب نہ دے سکتی۔ یہ قصہ ہوں ہے۔ کہ فراد سے وہاں شہنشاہ
 کے عامل کہنے کو حسب وعدہ نہر کھودوانی تو ایک مرد دھسورت پیرزن
 فراد کے پاس آیا۔ اور رو رو کہ کہا کہ شہرین کو چاہیے کہ مٹنی۔ فراد سے صبر
 نہ ہو سکا اور اپنا تہیشہ سر پہ مار کے فراد میں +

(۴۵۷) ہم رہزن سے بہت جا گئے تھے۔ داس میں نے مجھ کو
 لوہی کی مڑا ہی ہے کہ قید ہو کر رہرن کے پاؤں دھارے ہیں۔ یعنی ہم تھے
 لٹے سے تھے۔ چاہئے تھا کہ کوئی ہمارے پاؤں کو دھارے۔ آپ اس میرے
 کے پاؤں دھارے پڑے۔ مگر پھر اس کے ہمیں لی کہ ہم نے میرے کو بہت
 نہ لٹا۔ فریضہ محنت سے ہیں دھارے +

(۴۵۸) میں مریم کی تلون میں جو اس قدر دور دور پھرا ہوں۔ اس
 نے اس خستہ تن کے پاؤں اپنے زخمی بدن سے بھی زیادہ لگا دیں۔ یہی چھٹ
 پٹا گئے ہیں + مراد یہ کہ ہم پہلے وہ دھارہ کرتے ہیں۔ تو ہمارا دھارہ
 لینے نہ جاتا ہے +

(۴۵۹) اللہ سے یعنی دالہ تعجب ہے۔ جہاں وہ صومرا گودی۔ وہی
 زمین کو مرے کے بعد گھن میں ہی ہمارے پاؤں غور کوئی۔ ہے ہی +

جب تک کہ تیرے کسی غمیر دشکار کی آنکھوں کا نہ بنایا ہو تو اپنا یہ غم تو دیکھ
کس قدر کا شے +

غزل

۷۷۵ دان پہنکا کر جو غم آتا ہے جم ہے جم کو
صدر آہنگ دین ہوش قدم ہے جم کو
۷۷۶ دل کو نہیں اور مجھے دل جو وفا دکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتار ہے جم ہے جم کو
۷۷۷ صنعت سے نقش بیٹے مورست طوق گردن
تیرے کو ہے سے کہاں طاقوت دم ہے جم کو
۷۷۸ جان کر کیے تغافل کو کچھ ایسا بھی ہو
پہ نگاہ غنہ انداز و سسم ہے جم کو
۷۷۹ رشک ہمطرقی درد واژہ بانگ حنین
نالا مرغ ہجر رخ دو دم ہے جم کو
۷۸۰ سر اڑانے کے جو وعدہ کو نگر جاہان
جس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے جم کو
۷۸۱ دل کے خون کرنے کی کیا وجہ و یکن ناچار
پاس ہے روٹتی دیدہ اہم ہے جم کو
۷۸۲ تم وہ نالک کہ غموشی کو نشان نہتے ہو

۷۷۰ (۷۷۰) فصل بہار میں پھول اس کثرت سے اٹھ پڑے باہر طرقت
آگے کو نہیں گئے ہیں کہ کوئی جانور ہانگ کا کہیں اڑتا ہے تو اس کے پاؤں
ان پھولوں میں الجھ پڑتے ہیں +
۷۷۱ (۷۷۱) وہ رات کو غم کے پاس کہیں غم میں جلیں نہ آیا ہو کہ غم
نالک بدلتی بت کے تاج پاؤں کو کھتے ہیں + دھجیب سب مذکیا ہے +
۷۷۲ (۷۷۲) غالب میر سے کلام میں ایک خاص لطفت کیوں نہ ہو کہ
ایک شیریں سخن بادشاہ کے پاؤں دھو کر پیت ہوں - دہلی میں کاؤ کر دہر جان
نثار ہوں جب اس کے پاؤں کا دھوون پیتا ہوں تو اس کی شیریں گنج گو
میر سے کلام پہنچی ایک اثر ہوتا ہے +

غزل

۷۷۳ دن اس کو ہر دل ہے تو یان جن ہوں شرم سار
مینے یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو کہ
۷۷۴ اپنے کو دیکھتا ہیں ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدہ غمیر سے نہ ہو

(۷۷۵) دوست کو دل کی دھڑکن سے تکلیف ہوتی تو میں شرم
ہوں کہ کہیں میری آہ ہی کی یہ تاثیر نہ ہو +
(۷۷۶) تو اپنے آپ کو نہیں دیکھتا یعنی آئینے میں مد نہیں ہو کہ

ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
۴۴۱ لکھنا آنے کا باعث نہیں کھلتا ایسے
ہوس سیر و نشتا سو وہ حکم ہے ہم کو
۴۴۲ قطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ ظہیر
عزم سیر بخت و طوف عدم ہے ہم کو
۴۴۳ لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غائب
بادۂ وہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

(۴۴۵) چہ ہم - یا ہم - متواترہ دان سے مراد دوست کی
مجلس دوست کی گلی ہوا کرتی ہے +
کہتے ہیں - دوست کے وسیع میں پہنچ کر ہیں جو بار بار غشی آتی
ہے - اور اس سے زمین پر سرسبز ہو جاتے ہیں (تو اس کا مطلب
ہے کہ دوست ایسے کو ہے میں صدرہ یعنی سینکڑوں طرف کو
نکل کر رہتا ہے - اب ہم اسی طرح صدرہ (ہر طرف) زمین
پس قدم - یعنی اس کے ایک ایک قدم کے نشان پر چڑھاں نظر
آتا ہے - یہ آہستہ زمین ہوس کرتے یعنی اس کی زمین قدم چرتے
کا ارادہ رکھتے ہیں - یہ ارادہ ہماری متواتر غشی اور سرسبز ہونے کا
سے پورا ہو سکتا ہے - (قدم کے معنی لٹن قدم کے بھی ہیں) +
عام شاعرین غالب نے اس شعر کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ہم
کو کوچہ پار میں غشی اس لئے لگتی ہے کہ زمین پر گر کر ان پاؤں کو
جو میں کہ نہیں لے ہم کو کوچہ پار تک پہنچا دیا +

سوال - ہے کہ شعر میں جب کسی کے نقش قدم کا اشارہ نہیں
ہے تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قدم سے مراد عاشق ہی کے نقش
قدم ہیں - حالانکہ کوئے پار میں عاشق سے قبل صد ہا مرتبہ معشوق
کی ہر طرف آیا جا کر تا ہے - لہذا نقش قدم محبوب ہے +

(۴۴۶) ہم - بہ معنی ساتھ +

میں ایسے دل کو ادھیر دل مجھ کو اس کی دہائیں جو تیرے مبتلا رکھتا ہے
ہم دوڑوں کو ایک ساتھ گرفتار یا مبتلا رہتے کہ سقد - شوق ہے +
(۴۴۶) نقش چہ سورہ چویتی کے پاؤں کا نقش یعنی اس کا
نقش قدم +

اب مصنف سے چویتی کا نقش قدم میں میرے لئے طوق گردن ہے
(یعنی کمزور ہو کر اس قدر تحلیل ہو گیا ہوں) بھلا مجھ کو تیرے کہ چہ سے
بھاگ جانے کی طاقت کہاں حاصل ہے +
(۴۴۸) جان کر تغافل کرنا - غاوت کرنا - جب کوئی حرمت یہ
مجھ کے کہ فلاں آدمی اس کے ساتھ عشق و محبت کر سکتا ہے - اس
سے انہی انہیں دانستہ پھیرے - تو یہ گویا ایک چیلنج ہوتا ہے کہ وہ
فلاں اس کی طرف مائل ہو - لیکن اگر وہ دیدہ چاک کر کے کسی آدمی کی
طرف دیکھے یا ایک غلط مذاق نظر سے تو یہ نظر کہ افسانہ نہیں ہو اگر تیرے
لہذا مصنف کہتا ہے کہ تم جا کر مجھ سے اگر تغافل کر دینی دانستہ
یعنی انہیں پھیرو - تو مجھے تم سے کسی چیز کی امید بھی ہو - لہذا یہ فعلی سے
انگاہا قہقاریہ نظر مجھ پر چڑھا تو میرے لئے ایک ذہر کا حکم رکھتے ہیں
گویا میری فتح کے ایک غلات بات ہے +

(۷۶۹) جھڑی - ہم زونی - ایک طرح کے گیت گانا
 تیغ دو دم - دو دھار کی تنویر - چروٹ ۲۲۵ لکھو ۲
 صبح سویرا صبح کے وقت میرا ہم نہ ہونا جی میری ہی طرح شہر
 بکا کرنا - میرے لئے باعث رشک ہے - میری کی تم ناک ایک
 (تو نہ) کے اثر سے ایک در پیدا ہونا جیبتہ گزیری فریاد سے
 پیدا ہوتا ہے - وہ بھی مجھ کو رشک دلانا ہے - تو گویا اس طرح ہوا
 نار میرے لئے رشک کی ایک دو دھاروں کی تھوڑی ہے
 یعنی جس اس سے سخت رشک کھاتا ہوں ۲

(۷۷۰) میں نے ان سے اپنے سر کے تم گئے جانے کے
 دھڑکے متعلق (بغرض تصدیق) اور وہ پوچھا - تو انہوں نے جس
 کہ لہا کہ تیرے سر کی ہم کو قسم ہے - یعنی میں جسے کا ایک تو یہ مطلب
 - وہ قسم کھا کر پھر کہتے گئے - کہ مزور سر نہ کر رہے گئے - وہ سر سے
 یعنی یہ کہ ان کو اس بات کی قسم ہے - یعنی وہ میرے پاس نہیں کر گئے
 دوست کا جتنا ایسی بات میرے لئے یہاں لکھا ہے - کہ اس
 سے ایک ذوق منی جواب دے دیا کہ - سننے والا خوش ہو گیا
 اور خوش بھی ۲

(۷۷۱) شعرا خوں کو دوس - شمع کی طرح بھڑکت ہوا اور
 رونق بتایا کرتے ہیں - لہذا کہن ہے - ہم نے اپنے دل کو جھڑی
 کر دیا ہے - تو اس کی وجہ چاری یہ ہے - کہ ہم کو اپنی رشک
 بودہ - چرخ آنکھ کی ہے - رونق کا پہیلیاں ہے - کہ آنسو تو میری
 یاں کی طرح ہے رنگ دسبہ رونق ہو کہتے ہیں - اہل ہیں

لڑکھن حاصل جاسے گا - تو رونق سی نظر آئے گی - (ہم مرزا مرزا) ۲
 (۷۷۲) تم وہ نازک صبح آؤں ہو کہ ایک ذرا سی بات ہو جس پر
 سکتے - خطا ہم روئے روئے چپ ہو گئے - تو بھی وہ ہمارا دور - تم
 داغ میں مسایا ہوا ہے - وہ اس ساری خاموشی کو بھی روٹا ہوتا ہے
 ہر صبح ایسے عاجز - کہ تم تو ستم تیار اب تھا لکھتے ہیں - وہ کی ہے
 لڑکی میں جس سے لے ایک ستم کا پند میں لکھتے ہیں - تو اٹھان پکھتے

(۷۷۳) مرزا غالب جب گانے گاتے تھے - تو بی درخت نہ
 جھڑے میں سخت پریشان ہو رہے تھے - لہذا جب چپ رہتے ہیں
 لکھنا اتر پڑے - تو مجبور اس شعر میں اپنی اسوئت کی پٹیاں جان کر
 قلم کرتا پڑا - یعنی ۲

لکھنا آنے کا - علت نہیں ٹھٹھتی
 جوں سیر و نماشا سو وہ کہتے ہم کو

۲
 کچھ چھوڑا دل جب سے بر باد ہوئی اور اس کی بیاد ہی نہ رہا کہ
 چوٹی شاعر نے ایک دردناک مرقعہ لکھا - تو غالب کا دل میں اس
 واقع سے ہمیشہ متاثر رہا کرتا تھا - لیکن چونکہ لکھنا یا مقرر کے بعد
 لکھ ہی ایک بار دین مشہور ہو گیا تھا - آہی دلی زیادہ تر وہ سیر و
 نماشا کے لئے آیا جا کر رہتے تھے - خصوصاً آخر عید مبارک میں
 جاہد علی شاہ کا زمانہ تو وہاں دن عید و رات شہزادہ داساں
 یہاں اس کی طریت غالب کا ایک شاعر ساگر دین کو ایک تاریکی
 واقع ہے اور شعر اعلیٰ صاف ہوا ہے - زیادہ تر شاعر کی یہ حالت

نہیں ہے +

(۷۷۴) میرا اس شعر میں جو ادب کے دردناک شعر کے ہمد لکھا ہے
مرزا غالب فرماتے ہیں کہ کہنوں میں تو میں شوق سیر سے کب تھا کہ جیسے
ہوت ہوا۔ مگر وہ ادب کا سطر قطع سلسلہ شوق نہیں ہے۔ یعنی ابھی تک
دور مقامات کی سیر کا ہی شوق ہے۔ لہذا سیر بھٹ کر بڑا جانے اور طوب
حرم یا خانہ کعبہ کے گرد پھرنے کا بھی راہ رکھتے ہیں اور اصل ایک
سلمان حب ایسی دنیوی ناکامی سے باطلر اکتا جاتا ہے۔ تو پھر وہ کعبہ
یا کرم کا حرم کی گزرتا ہے۔ لہذا یہ شعر بھی سی سلسلے میں مرزا صاحب
کی پیشانیں عالی کا اظہار کرتا ہے، قطع سلسلہ شوق یعنی شوق سیر کا خاتمہ
ہیں ہوا ابھی اور مقامات کی سیر میں کرتا ہے +

(۷۷۵) اسے غالب ہیں ایک توقع د امید کہیں کہیں کہیں
سے جاتی ہے۔ لہذا کرم کے غنڈہ کاٹ ہمارے سے شوق کے وسیع تھے
کی ایک پکڑ نڈی ہے۔ مراد یہ کہ کرم کے غنڈہ ہیں اگر کاٹ نہ جو۔ تو
نہ سیرم وہ جاتے تو تو یا وہ رک۔ ہی مرزا صاحب کو لگتے
ن طرف سے پہنچے سے جا رہا ہے + (جیسا کہ ادب شریک کی گئی ہے)۔ حد
کرم کا رزم تو آپ کو یہ تحریک دلائے کہ مابقی۔ اس معانی سے دوری
بھاگن اچھا اور اصل دیر راتے کے نیسے کے سے مرزا غالب لکھتے
گئے تھے۔ یہ اسی توقع کرم کا قصد ہے +

غزل

(۷۷۶) تم کو قلم کو طیر سے جو رسم و راہ ہو
بھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں ترا خذو روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گمراہ ہو
کب وہ بھی بے گناہ کش و حق ناشناس ہیں
ناک کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
ابرا ہو غالب ہیں بے ان کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ کسی کی نچوہ ہو
جب بیکدہ چھنڈا تو پھر اب کیا جگہ کی تہ
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہیں جو ہشت کی تعریف سب مست
لیکن خدا کرے کہ تیری جلوہ گاہ ہو
غالب بھی گر نہ ہو تو کبھی سے ہزار نہیں
دنیا ہو پادشہ اور میرزا بادشاہ ہو

(۷۷۷) تم کو رقیب سے جو رسم و راہ ہو۔ اس کی بابت تو تم ہی جانتے
ہو گئے اس سے کیا نقص ۱۱ بھ کو بھی اگر تم خذو بہت پوچھتے رہو
یعنی تم سے بھی ذرا تعلق خاطر رکھو تو اس میں کیا گناہ ہو گا میں تو ہی نہیں
انت نہیں۔

(۷۷۷) سواختہ یہاں مراد جواب دہی *

بزمِ تانگِ رقیب ہے، اور تم اس کے شہادت دینے والے ہو۔
دیکھو گے کہ تانگِ موصوف نے مجھے قتل نہیں کیا۔ تو پھر تم بھی جواب دہی سے
میں طرح نہیں پوچھے۔ یعنی ثابت کرنا پڑے گا۔ مگر رقیب نے مجھے
قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا۔ (میں کو فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ تو رقیب نے
قتل کیا یا تم نے یا تم دونوں نے مگر تو پھر تم ان سب صورتوں میں ضرور
اعتراف دہرے جاؤ گے) +

(۷۷۸) میں نے مانا کہ ظاہری اوصاف کے لحاظ سے تم بشر نہیں
ہو۔ بلکہ جاندار اور سورج ہو۔ تو کہو بھی لادنی اوصاف وہ بھی یہی ماہ
آفتاب بھی بیگنہ (عاشق) کے مارنے والے اور اس (عاشق) کا حق نہ
پہچاننے والے ہیں +

(۷۷۹) ان کے نقاب سے ایک تار باہر نکلا ہوا ہے۔ لیکن یہ
رنگ یا بدگمانی سے مڑتا ہوں۔ کہ کہیں یہ کسی رقیب کی نظر کا مار تو نہیں
ہے۔ کہ ان کے نقاب میں جا کر رہ گیا ہے +

(۷۸۰) جب بیکدہ ہم سے جھٹ گیا۔ جی نے کشی کے لئے یہ
برواہ نہ رہی۔ کہ ضرور شراب خانے ہی میں جا کر شراب پیتا۔ دگر
ہم اس قدر بے ہوش رہے کہ تو پھر کسی خاص جگہ میں سے نوشی کی
تذکیہ جہاں جا رہی لی۔ حتیٰ کہ سہرہ۔ بدرہہ۔ اور خاندہ کو بھی نہ چھوڑا
وہاں بھی شراب پی کے اٹھے۔

مراویہ کہ کھانا ڈالا تو می رندی کرنے میں تنہا سے لیا دے پکڑا
ہو کرتا ہے +

(۷۸۱) بہشت کی جو سب سے آہستہ تقریبیں ہم سمیٹتے ہیں۔ وہ سب
بجا و درست نہیں خدا کرے کہ وہاں تو ہی موجود ہو۔ اور بہشت کو
پھر سے ہی جلوے دکھانے کی ایک جگہ مقرر کی گئی ہو۔ تاکہ وہاں ہم
جا کے تیار رہا کر سکیں +

(۷۸۲) اگر غالب بھی وہاں نہیں نہ رہے۔ تو اس سے کچھ یوں
تقصان یہاں واقع نہیں ہوگا۔ بنتے۔ دنیا جب تک موجود ہے۔
(اس کے فائدے کے لئے) سے خدا۔ میرا بادشاہ ضرور زندہ و
سلامت رہے۔ اپنی کسوف و روادش کی عظمت کا اظہار کہ

ہے

غزل

۷۸۳ گئی وہ بات کہ ہو گشتگو تو کیوں کر ہو
کے ستارے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو
۷۸۴ ہمارے ذہن میں اس قدر کہ ہے نام و ص
کہ نہ ہو کہ بول جائیں جو تو کیوں کر ہو
۷۸۵ اب ہے وہی سنگش تو کب کیسے
حسب ہے اور یہی کہ ہو تو کیوں کر ہو
۷۸۶ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے ہستم پرستوں کا
بتوں کی ہوا کہ ایسی ہی ہو تو کیوں کر ہو

- ۷۸۷۔ اچھے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں چون ایک دو تکر کر ہو
۷۸۸۔ جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کیے رات کو تو کہو نگر ہو
۷۸۹۔ ہمیں پھران سے امید اور انہیں ہماری قدر
برائی بات ہی چھیں نہ وہ تو کہو نگر ہو
۷۹۰۔ غلط نہ تھا جس خط پر تم گن تستی کا کہ
نہ مائیں دیدہ دیدار تو کیوں کہ ہو
۷۹۱۔ بتاؤ اس مشہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرہ
نیشتر ہو رگ جان میں فرد تو کہو نگر ہو
۷۹۲۔ مجھے جیون نہیں غائب دے بقول حضور
فرق یار میں تسکین ہو تو کیوں کہ ہو

(۷۸۳) اب وہ بات نہیں رہی میں وہ حالات جانتے رہے
کہ جب ہم ان سے گفتگو کا موقع نہیں پاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان
سے ایسے دیکھ رہے کو کیوں کر روئیں۔ اب ہم نے ایک بار ان سے
ساڈ اپنا حال کہہ دیا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تو اگر دوبارہ دہی کہیں تو کیا
خالک نتیجہ برآمد ہوگا۔ مراد۔ نہ سننے دے پراثر کیا ہو۔

(۷۸۴) ہمارے دماغ میں "وصال" اس فکر کا نام ہے
کہ میں میں ہمیشے ہونے سے سوچا کرتے ہیں۔ کہ آہ۔ اس سے وصال
ہو تو کیوں کر ہو۔ اور اگر یہ وصال حاصل نہیں ہو گا۔ تو ہم کہاں جائیں گے

آؤ وہ دن صورتوں میں دیو سی ہی دیو سی ہے) + مشغول کرنے
(۷۸۵) حصول وصال کے لئے ہم ان سے مشغول کرنے
یعنی ان کی طرف ۲ خطہ ہر صا سے کا قصد تو کرتے ہیں۔ مگر ادب مانع
نہا ہے۔ کہنے کیا کریں۔ اس طرح اور صرور محبوب بھی اقراء وصال کے
مشتعل ہو کر گوسے کام بیٹھا ہے۔ دینی بھی نقرہ بیسی نکادے کیونکہ اس کو
جہان مانع ہے۔ تو کہتے کہ اس سے میں کیا کیا جاؤں۔ ہر طرح مشکل
ہے +

(۷۸۶) مشغول سے کہتے ہیں۔ کہ مگر تمام جوں یعنی مشغولوں
کی فوج متبار سے ہی جیسی ہو۔ تو نہیں (اضافات سے) کہو کہ پھر ہم
پرستوں (جنوں کے عاشقوں) کا گزارہ کیوں کر چلے گا +

(۷۸۷) تم اگر بیٹہ دیکھتے ہو۔ تو اس میں اپنا عکس یعنی اپنے ہی
جیسا کنجین دیکھ کر رشک سے (اپنے ہی ساتھ الجھ پڑتے ہو
فرق کر نہیں جیسے دو ایک عین اُسر شہر ہیں اور مرد و عورتوں تو کیوں کر
ہو۔ یعنی تو پھر کیا کرو۔ اگر بیٹے کیا۔ بس خوب دنگا فساد ہوگا +

(۷۸۸) جس شخص کو میر سے جیسا روز سیاہ خلیب ہو۔ تو
جہاں رات لڑتا سیاہ ہوا کرتی ہے۔ (اس کا دن اور رات دونوں
برابر ہو جائیں گے)۔ ہذا وہ اگر رات کو دن ہی نہ تصور کرے تو اور کیا
اس کو کہئے +

(۷۸۹) طنز سے کہتا ہے۔ کہ ہمیں پھران سے کوئی امید ہو۔
لہذا ان کو ہماری قدر ہو۔ + دونوں غلط باتیں ہیں۔ کیونکہ جب وہ ہماری
بات تک کہ نہیں پوچھتے۔ تو پھر بھلا ان سے کوئی امید۔ اور ان کو

۷۸۵ وہ اپنی طرف چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیا چھوڑیں
 سبک سرینے کیا تو چھین کہ ہم سے سرگران کیوں ہو
 ۷۸۶ کیا تم خوار نے رسوئے آگ اس محبت کو
 نہ لاد سے تاب جو کلم کی وہ میرا داد دان کیوں ہو
 ۷۸۷ وہا کیسی کہاں کا عشق جب سر بیوڑا خبر
 تو پیر سے سنگدل تیر ہی سنگ آستان کیوں ہو
 ۷۸۸ قفس میں مجھ سے رو دو چہن کہتے نہ ڈر ہم
 مگر می سے حسب کل بگل وہ میرا آشیان کیوں ہو
 ۷۸۹ یہ کہہ سکتے ہو ہم اس میں نہیں ہیں پر یہ بتاؤ
 کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہا کیوں ہو
 ۷۹۰ خط سے جد دل کا شکوہ لکھو جو کہ کہے
 نہ کہیں جو کہم اپنے کو کشاکش وہ میان کیوں ہو
 ۸۰۰ یہ نقد دی کی طرہ دیرانی کو کیا کہ سے
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا سنا کیوں ہو
 ۸۰۱ یہی سے آدانا تو سستا کس کو کہتے ہیں
 عدد کے ہوئے حسب تم تو میرا امتحان کیوں ہو
 ۸۰۲ کہا نہیں کہ کیوں ہو غصہ کے طعنے میں رسوا
 بجا کہتے ہو پر کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو
 ۸۰۳ نکالا چاشنا ہے کام کیا طعنوں سے کتاب
 تر سے بے ہر کہنے سے وہ چہرہ ہرانی کیوں ہو

جس کی قدر کس طرح ہو سکتی ہے۔ مراد یہ کہ وہ ہمارے قدر و دان نہیں
 تو یہ نہیں کہے +

(۷۹۰) ان کا خط آیا اس خط پر ہیں ایسے دل کی تسلی کا گمان
 رکھنا کہ عطف نہ تھا۔ بلکہ قرائن سے باطل قبیح تھا۔ مگر ہمدردی و دیدار
 جو دینی اس کا دیدار طلب کرنے والی ہے، انہیں پاک اتنی ہی بات
 سے مطمئن نہ ہوں تو کیا کیا جائے آخر ان کا دیدار ہی کہہ کے اب ہمارا
 آنکھیں متلی نہ مس کر لیں گی +

(۷۹۱) کوئی بتائے کہ اس پاک کو دیکھ کر مجھے کیوں سر قرار
 جب کہ وہ ایک نہیں ہے۔ بلکہ شہر ہے کہ رگب جو میں گزرا ہوا ہے
 گویا اس کی نظر قبر سے تسکین کب ہوگی +

(۷۹۲) غالب مجھے کچھ جنون تو نہیں ہے کہ ہے قرہ ہوں بلکہ
 جنون حقد و دہنی ببادرتہ طغر کے س مصری کے مطابق، قرانی
 پار میں شکین ہو تو کہوں کہ ہو +

آؤ کہ مصر طغر کی ایک منزل سے لیا گیا ہے۔ غالباً یہی مصر
 صرح ہو گا کہ جس پر مصنف نے بھی طبع آزمائی کی ہے +

غزل

۷۹۳ کسی کو دیکھے دل کوئی نہ اسچ فغان کیوں ہو
 نہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر نہ میں زمان کیوں ہو

(۷۹۳) کسی کو دل دے کے کوئی عینی و شوق ہو کر خواہ مخواہ
یعنی شور و فغان کی آواز نہ کھائے والا کیوں ہو؟
مراد یہ کہ عشق میں رہنا چلانا نہیں چاہئے۔ لہذا جب دل ہی
میں نہ رہے۔ تو پھر زبان نہ میں نہ رہے۔ کیونکہ عشق میں دل کھو کے
زبان بھی گویا ٹھوکر بنی جاتا ہے۔ (کیونکہ کہ عاشق صبر طلب ہے)۔ اس
میں ٹھوکر مٹنا سبب نہیں ہے۔

(۷۹۴) وہ اپنی عادت (خود کی) نہ چھوڑے۔ ہم ہمارے شگ
کیوں ترک کریں۔ اور سب سرین کے یعنی ہمارے اختیار کر کے
سے یہ کہیں پرچیں کہ تم ہم سے ناراض کیوں ہو۔ (گویا اپنی خود راہی کو
قائم رکھنا چاہئے)۔

(۷۹۵) میرے علم فراموشی کے رسوا کر دیا۔ خدا کرے کہ اس
جست کو ترک نہ کرے۔ کیونکہ جو شخص علم کی تاب ہی نہیں دے سکتا۔ وہ میرا
راز دان یعنی رفیق علم و علم خود کیسے بن گیا۔ (کہ وہ ہر علم دیکھ کر وہ
بڑے تو میرے عشق کا عمل سب کو سداوم ہو گیا۔ اور اس سے مجھے سوائی
حاصل ہوئی)۔

(۷۹۶) جب ہم اس عشق میں بجز سر پہونے کے اور کچھ حاصل
ہی نہیں ہونے کا۔ تو پھر اسے سنگدل تیرے ساتھ یہ دیکھیں اور یہ
کہاں کہ عشق کہ حرف تیرے ہی رنگ آستان یعنی دلیلیں پاتا سر پہونے کی۔
مطلب یہ کہ ہم جہاں جاویں بات کہ اپنا سر پہونیں ہر جگہ حاصل ہو سکتی ہے
(۷۹۷) اسے ہر دم۔ یعنی دوست۔ تو کچھ سے جب کہ نفس میں
جد ہوں اور اپنے آشیانے اور چمن سے بہت دور (چمن کی سرگزشت

کہنے ہونے کیوں اتنا دور ہے۔ ہاں جس آشیانے پر کہتا ہے کہ کل کبھی
گرمی تھی۔ یہ کیا ضرور ہے۔ کہ وہ میرا ہی ٹھکانہ ہو۔ (مطلب یہ کہ
ایک قیدی جلاوطن کا آشیانہ باغ میں کھن سے بن گیا ہے۔ کوئی اور مرغ
اس کے پاس آکر بھیجتے ہوئے یہ خبر سنا چاہتا ہے۔ مگر رک جاتا ہے
تو مرغ اس پر اپنے ٹھکانے کے تار کھینچنے کا شک کر کے
کہتا ہے۔ اسے دوست۔ گرمی ہے جس پر کل کبھی۔ (الحق)۔

(۷۹۸) یہ کہہ سکتے ہو۔ اس پر زور دے کے بڑھو۔ (مطلب
شعبہ ہو گا۔ کہ یہ تم یہ بات کہہ سکتے ہو کہ ہم دل میں نہیں ہیں۔ (یعنی مراد
ہو) تو پھر وہ بات کہ جب ہمارے دل میں تم ہی تم سمجھتے ہو۔ تو پھر
انگوں سے پیچے ہوئے کیوں ہو۔ اس شعر میں اسی محبوب حقیقی کی طرف
متاثر ہے۔ مگر جو سب سے نہیں ہے۔ سب کے دل میں بھی موجود
ہے۔

(۷۹۹) تم یہ شکایت مجھ سے کہتے ہو۔ کہ تیرا جذبہ دل ہم کو کھینچتا
ہے۔ تو بات غلط ہے۔ ذرا سوچا۔ فیصد دو کہ اس میں جس کا جوہر ہے۔
یعنی تم اگر ایسے کو نہ کھینچو۔ مراد ہم سے تم کو نہ کھینچو (یعنی ایک شگ
بہا اپنے نہ کرو) تو پھر یہ کن کن کیوں ہو۔ (کہ اوہ صرف تم کھینچ رہے ہوتے
اور ہم جذبہ دل کی کمی رات سے کام لیتے ہیں۔ یہ دونوں کششیں بڑے
ہوتی ہیں۔ پھر تصور کس کا در شکوہ کیا)۔

(۸۰۰) دوست کو فتنہ فراہ دے کے کہتا ہے۔ کہ تم جس کے
دوست ہوئے۔ پھر اس کی فتنہ بہاوی کے لئے آستان اس کا دش
من بن گئے۔ تمہارے جیسا فتنہ پرور اس شخص کی مانتا تھا جس کے لئے

اور اگر مر جائیے تو لاخوت خان کوئی نہ ہو

(۸۰۴) یہ تلو بند دنیا سے بیزار ہو کے کہیں نکل جائے اور
اپنی تہہ رہنے پہنے کے متعلق سے ۔ دراصل مر جانے کا ارادہ کر یا
جئے کہ کہتا ہے ۔ ب ۔ یہی جگہ جا کر رہے ۔ جہاں کوئی نہ ہو ۔ اور نہ
کوئی جماد جم نہاں ہو رہم سے کوئی بات تک کرنے والا ہو ۔ د ۔ پیسے
نہیں ۔
(۸۰۵) ایک گھر ایسا بناں کہ بے درد دیوار ہو دگوا جنگل میں
غار میں کہ جان نہ در نہ دیوار (اور نہ کوئی ہمارا ہمسایہ ہو اور نہ یہاں
کوئی کہ جب گھر ہی نہیں ہو گا ۔ تو یہاں کسی کا بیوگا ۔
(۸۰۶) اگر یہ ریڑیں تو کوئی تیمار داری نہ کرے ۔ اور اگر مر جائے
تو کوئی ہمیں روئے پیٹے کو نہ سے ۔ دینی عالم ہم میں ہوں ۔

غزل

۸۰۴ در ہر تاپ زرد دل و دل سے آسینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

(۸۰۶) دل و دل ایک ناری ہو رہے جس کے معنی میٹھاری
یا نظرب کی سی حالت میں ہوتا ہے ۔ بھڑکائی سے

کچھ کم نہیں ہے ۔
(۸۰۱) اگر ہی آزمائے ۔ تو پرست نام کے کہتے ہیں ۔ یہ کہ جب
میر سے دشمن کے تم دوست بن گئے تو پھر میرا دشمن تم نہیں کرتے جو مزاح
اس کے کہیوں سستا منظور ہے ۔
(۸۰۷) تم سے کہہ کر عزیز کے لئے میں رسوائی کی سب سے نہیں کہتا
ہو کہ دل ۔ کچھ رسوائی نہیں ہے ۔ تم ہی کہتے ہو ۔ چ کہتے ہو ۔ ذرا پھر
تو بہت ۔ کہ دل رسوائی کیوں ہو ۔ (یہ نڈا نہ کام سن کے دوست شک
میں پتہ نہ تاسے ۔ کہ شاید یہ سب کچھ نہ تاسے ۔ اور وہ آؤ جا آئے
کہ میرا اصلی مطلب یہ ہے ۔ کہ عزیز کے لئے میں رسوائی نہیں ہے ۔
(۸۰۸) اسے غائب کہا تو طے دے دیکر نہ کام نہ مانا جاتا
ہے ۔ دیکھ ۔ میرا وہ دوست ۔ تیرے سے ہر (یہ عالم) کہنے
سے بچہ پر ہر مان کبھی نہ ہو گا ۔

غزل

۸۰۴ رہنے اب ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہواد ہم زبان کوئی نہ ہو
۸۰۵ بے درد دیوار سال گھر بنا پا چاہتے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاساں کوئی نہ ہو
۸۰۶ پتہ پتہ گریساں تو کوئی نہ ہو ہیرو داہ

و نیال چشم او دل و دل کردہ ایم ما
و زگرے راہ را ہر گل کردہ ایم ما
یعنی اس کی آنکھوں کے پیچھے ہم اضطراب و بے قراری کی حالت
میں ہیں جتنا بچہ اپنے آنسوؤں سے رستے کو تزکیہ کے ہم نے اس کو بھی بچہ
بنا دیا ہے ۔

آنہ کے ایک سنی تو حیاں اور ظہر ہونے کے ہیں ۔ دوسرے
آنہ پر سنی حیرانی ۔ طوطی سے مراد ۔ انسان سے ۔ اور یہاں طوطی کا
استعارہ وہ لحاظ آنہ کے کیا گیا ہے ۔ جیسا کہ اس مشہور فارسی
شعر میں استعارہ کیا گیا ہے ۔

در پس آنہ طوطی صفتم و ششم اند

انجہ استاد اذل گفت جہاں میگونم

مصنف کہتے ہیں کہ از ہر کام ذرہ یعنی قدرت کی ہر ایک چیز ۔
دل و دل ہے ۔ یعنی گردش یا اضطراب و بے قراری کی حالت میں ہے
اور یہ آنہ ہے ۔ یعنی صاف حیاں ہو رہا ہے ۔ لہذا ۔ طوطی یعنی انسان
کو چھٹیوں طرت (شش جہت) اور پر پیکے ۔ شمال ۔ جنوب ۔ مشرق ۔
مغرب ۔) سے ایک آنہ یعنی سامانی حیرت و پریشانی و پریشانی حال
ہو رہا ہے ۔

چونکہ انسان بھی قدرت میں شامل ہے ۔ و جب ذرہ ۔ ذرہ قدر
کا بے قراری ہے ۔ یعنی ہر وقت گردش میں ہے ۔ جیسے کہ صاف ظاہر ہے
تو گویا انسان خود بھی سادہ سامانی حیرت میں گہرا ہوا ہے ۔
دوسرے معنی یہ کہ ہر سے ذرہ سے تنگ در ہے ۔ اور دل ہے ۔

یعنی آنہ سے مراد وہی جاتی ہے ۔ تو گویا از ہر کام ذرہ آنہ ہے ۔ لہذا
دل کو بر طرف سے آنہ ہی مقابل نظر آتا ہے ۔ پس وہ بر طرف ہونا ہی جہوہ
منکس یا نا ہے ۔ یعنی دنیا میں جو کچھ اسے نظر آتا ہے ۔ وہ گویا اس کے خیال
کا منکس برہ کرنا ہے ۔ یا جیسے اس کا دل ہوتا ہے ۔ ویسی ہی دنیا اسے دکھائی
دیتی ہے ۔

غزل

۸۰۸ سے سبزہ ناز ہر دو دلوں غم کردہ

جن کی بہاریہ ہو پھر اس کی خزاں ہو

۸۰۹ ایام بیکسی کی بھی حسرت اٹھائے

دشواری رہ کو ستم سم راں نہ بد چسہ

(۸۰۸) میرے غم کردہ بھی گھر کی ہر دو دلوں جو تباہی اور بربادی
کے ذریعہ بنی ہے ۔ اور اس پر سبزہ ناز پیدا ہو گیا ہے ۔ اب جس بزم سے
بانگ کی بہاریہ ہو ۔ پھر اس کی خزاں کا کیک پر جتنا وہ توجہ دیا ہوگی تباہ
حال ۔

(۸۰۹) رستہ کی دشواری اور اس پر اپنے ہمراہیوں کے ظلم کا حال
بہتر ہے ۔ یہی ہی چاہتا ہے ۔ مگر ایسے ہمراہیوں کو چھوڑ دوں ۔ ایام حسرت
اٹھاؤں کہ آہ میں بیس ہوں ۔ اور اس ماہ (یعنی وہاں) میرا کوئی ساتھی

ہی نہیں سے ۱۰ جوں حالت سے بہتر ہے کہ ساقی ظلم کرے والے اور
نیرت جوں) بیکس سے مراد وہ شخص جس کا کوئی غم خوار یا ساقی نہ ہو +

غزل

- ۸۱۰ صد جلوہ رو ہو رہے جو رنگان لقا ہے
فاقت کہیں کہ وید کا حسن عجایب
۸۱ ہے رنگ پر برات سداش جوں عشق کو
یعنی منوہ منت غفلتوں سے
۸۱۶ دیوار باد منت مزدور سے ہے علم
اُسے حاتیاں خواب نہ حسان نشا ہے
۸۱۷ یا مجھ پر زخم رشک کو رسو نہ کیجئے
یا پر وہ تبسم جب ل لقا ہے

(۸۱۰) اگر کلیں اٹھائیں مین نظر اٹھائے دیکھیں ترسیک زون
ہر سے سا بیٹے آجائیں مگر یہ فاقہ ہی کہاں ہے کہ اس کے جلوے
کا حسان اٹھائے یعنی خدا ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کے جلوے
کو دیکھنے کی تاب کون لائے ہو یہ احوال اٹھائے یہ سمجھتے ہو
۸۱۱ (۸۱۱) برات وہ صلی یا کا غلہ جس سے کسی کی تزاہ دی جاتی
ہے۔ ریت ساش۔ گزراں کی تزاہ کی چٹنی +

جو کہ جنون عشق کے گزراں کی تزاہ پتھر پر مخصوص ہے۔ یعنی رنگوں کا یہ
احسان اٹھائے کہ وہ پتھر مادہ کرے۔ اور وہ اس کے گزراہات جو
طلب یہ کہ حالت جوں میں کچھ دوز اور رنگوں سے پتھر کھائے +
(۸۱۲) دیوار جوشی یعنی لٹری ہے تو اس کا اٹھت ہے
کہ مزدور کے احسان کے مجھ سے دس کر غم کھا گئی ہے۔ اسے قاد
قرب کسی کا دنیا میں احسان نہیں اٹھانا چاہئے۔ گویا دیوار نہ بنی
تو مزدور کی سمون احسان نہ ہوئی کہ جس سے وہ غم ہو گئی +
(۸۱۳) کوئی شخص خود بخود جہنم نہیں سکتا کہتا ہے۔
یا قریب کے سلف کی جگہ پر چھپ چھپ کے جتنا چھوڑ دیں۔ یا مختصر
یہ کہ قریب سے زیادہ نپاک سے فکر میرے زخم و فاقہ کو بڑھاتا۔
تو میری سے فکر میری کھلی اڑانا کہ جس سے میرے زخم و فاقہ کی
روانی ہو۔ چھوڑ دیجئے +

غزل

- ۸۱۴ مسجد کے زبر سایہ خوبات چاہئے
بھون پاس آنکھ قبد عجایب چاہئے
۸۱۵ عاشق جوئے میں آپ بھی آگے نہیں بر
آخر ستم کی کچھ تمکانات چاہئے
۸۱۶ دے واداسے فلک دل حشر ریت کی
اُس کچھ نہ کچھ تدنی مافات چاہئے

- ۸۱۷ ایکے میں مردوں کے لئے ہم معنوی
تقریب کچھ تو بہر طرقات چاہئے
۸۱۸ مے سے عرض نشاط ہے کس روسیہ کو
نک گوئی خودی مجھے دن رات چاہئے
۸۱۹ سے رنگ لالہ و گل نسیرین جدا جدا
ہر رنگ میں بیمار کا اثبات چاہئے
۸۲۰ سراپے نظم چاہئے جنگام بے خودی
دوسرے لہر وقت مناجات چاہئے
۸۲۱ یعنی بحسب گردش پیمانہ صفات کو
عارف ہمیشہ مست سے ذات چاہئے
۸۲۲ نشود مٹا ہے اصل سے غائب فروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے جو بات چاہئے

(۸۱۴) مرد و شراب خور تھے۔ ایک مسجد کے پاس گھر
کے رہنے لگے تھے۔ لہذا کہتے ہیں کہ مسجد کے زیر سایہ شراب
خانہ ضرور چاہئے۔ جس طرح اسے قیام حاجات یعنی اسے بیخ یا
واظظ۔ جہودان کے پاس آنکھ ہوا کرتی ہے۔ بھون سے طاق کج
مزد سے۔ اور آنکھ کو خرابات سے نسبت دی کہ سبک بدلت کسی
کو دیکھ کر انسانی مشق و خرابات میں مبتلا ہو کرتا ہے۔ یا آنکھ بدست ہو
کرتا ہے۔
(۸۱۵) آپ بھی ایک اور شخص پر عاشق ہو گئے اور میری

کی مجلس اٹھائے ہیں، آخر اس ظلم کا جواب مجھ پر کرتے ہیں۔ کچھ بدلتو آپ
کہنا چاہئے ظلم کا لفظ۔ (۸۱۶)
(۸۱۶) مافات۔ فوت ہو چکا۔ پالہ رکھا ہو۔ اسے آسمان اب میرے
ای صحت پسند دل سے جو امید کیا کرتا ہے۔ کچھ تو افضا کر
آخر کو چکا ہوں۔ تو افسس کی تھوڑی بہت تلائی
کر۔

(۸۱۷) تم سے ان صہنوں کے سے مصوری یعنی تصویر کشی کا کام سیکھا
ہے۔ کیونکہ ان سے مذاقات کے لئے کچھ تو ذریعہ ہونا چاہئے۔ (یعنی تصویر کھینچنے
کے ہائے ان کے دل چاہا کریں گے۔ درون کی وہ چہ آسانی کریں
کریں گے)

(۸۱۸) کس روسیہ (گھٹاڑ) کی شراب پینے سے عرض نشاط یعنی خوشی
کا حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مجھے تو اس سے جو ایک مرض کی جا بخوشی اور خود فراموشی
کی ہو جاتی ہے۔ وہ مقصود ہے۔ یعنی شراب نوشی کا دغیہ کیلئے۔
(۸۱۹) لالہ۔ پوست کا پھول۔ گل۔ گلاب کا پھول۔ اور نسیر۔ بیوتی
لاہول۔ ان سب کے رنگ ہوا ہوا ہیں۔ ذیہ پھول چونکہ ہمارے سمجھتے ہیں،
لہذا ہر طرح سے ہمارے ہونے کا ثبوت مل چاہئے۔ یعنی ہر پھول کی کیفیت
ہوا ہوا ہے۔ اور یہی ہمارے۔

(۸۲۰) جب شراب کا منہ چڑھ جائے۔ تو شرابی کو اپنا سر شراب کے
ٹپکے کا تول پر رکھ دینا چاہئے۔ جیسے کہ معافیات یا خدا سے دعا مانگتے وقت
سجے کی طرف کر پھا کرتے ہیں۔ (مجموع شراب گویا قلم و کعبہ ہے) مراد شرابی

کو غم شرب کا احسان اور شکر گزار ہونا چاہئے۔

(۸۲۱) مجسب گردش۔ مطابق گردش یا تبدیلی کے۔ پیمانہ صفات۔ صفتوں کا اندازہ۔ مختلف پسند و صفات یا درجہ کم ہو۔ پھر تند رنج بڑھتا چلا جائے۔ زت۔ یہاں مراد خدا کی ذات۔ عارف کو ہمیشہ خدا کی ذات و صفات پر مست ہونا چاہئے۔ اور یہ مستی خدا کے پیمانہ او صفات کی گردش کے حسب حال ہونا چاہئے۔ کہ جس قدر اس کے او صفات کا وقت یا اس پر وہ جہان حاصل ہو۔ اسی قدر اس کی ذات پر مست و بخود ہونا چاہئے۔

(۸۲۲) خائب اصل ہی سے فروغ کو نشود نما ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جو باطن پیدا ہو۔ اس کو خاموشی ہی سے نکل یعنی نشود نما حاصل کرنا چاہئے۔ (اصل) مثل زج کے اور فروغ مانند درخت کے تصور کرنا چاہئے۔

غزل

(۸۲۳) بساط مجز میں تھا ایک دل یک نظر وہ بھی

سور ہنسا ہے انداز یکیدن سرنگوں وہ بھی

(۸۲۴) رہے اس خوف سے آرزو وہ ہم چہ سے نکلتے سے

تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

(۸۲۵) خیال مرگ کب تسکین دل آرزو وہ کو بچنے

مرے دام تما میں ہے یکسید بول وہ بھی

۸۲۶ نہ کرتا کاش نالہ بگو کیا معلوم تھا ہمد

کہ ہو گا عاف اغراض در و در وہ بھی

۸۲۷ نہ اتنا بر شش تیغ جفا پر ناز نسراؤ

مرے دریا کے مینابی میں ہے یک صبح قوس وہ بھی

۸۲۸ سے عشرت کی خواہش سالی گردوں سے کیا کیجے

سنے میں ہے کہ دوپہر پر مہر ز کوں وہ بھی

۸۲۹ مرے دل میں ہے خائب شوق وصل و تنگہ بچوں

قد وہ دن کرے جو اس سے ہیں یہ بھی کوں وہ بھی

(۸۲۳) میری طریقا نہ بساط (میشین و صحت) میں صرف ایک دل

پیدا وہ بھی ایک نون کا قطرہ تھا۔ پس اب وہ بھی انداز یکیدن (چنگ کی صورت)

میں اپنے سر کو (لوہ غم) بھلائے ہوئے رکھتا ہے۔ گویا اس قدر عاجز

ہوں۔

(۸۲۴) تکلف بر طرف۔ مخفف حال ہے۔ اصل حال ہے۔

ہم اس شوق سے کچھ عرصہ کے لئے محض ب تکلف (اور پرستہ دل سے)

آرزو رہے۔ (حالانکہ ہمارے دل یہ نہیں چاہتا تھا) اب تکلف بر طرف پائی

حقیقت ہے کہ ہمارا اس دوست سے ناراضی ہونا بھی گویا ایک فرح کا جنوں تھا

کیونکہ ایک عاشق معشوق سے ناراضی کیسے ہو سکتا ہے۔ جو تکیہ و تراضی نہ ہو۔

(۸۲۵) میرے دم تما میں ہیں در بہت سی تما میں جو میرے دل

میں مقید ہیں۔ ایک موت کی خواہش بھی ہے۔ جو یک خراب حال شکار کی طرح

ہے۔ (یعنی اس سے آرزو چھی تمنائیں اور بھی رکھنا ہوں کہ جن کے ساتھ یہ

خود و خستہ حالت میں ہے۔) پس نہ ہر ہے کہ میرے آرزو دل کو ایک ایسی

خستہ حال (خواہش مرگ کی تسکین) دے سکتی ہے۔ گویا موت سے بھی زیادہ

زاجوں کی آرزو رکھتا ہوں۔

(۸۲۶) کاش میں نلکہ و فرادہ کرتا۔ اسے ہمد۔ بگے کیا معلوم تھا۔ کہ وہ نامہ بگی میرے دل کے اندر رکے اور دل کی زیادتی کا باعث ہو گا۔

(۸۲۷) اپنے علم کی حوا رک کاش پر اس قدر فخر نہ کرو۔ کیونکہ میری بزرگوں و حیلہ کے دریا میں وہ بھی ایک خون کی مہر ہے۔ یعنی عشق میں بگے لیسے لیسے رنج میروں پہنچ چکے ہیں۔ ایک آپ کی غور کی کاش کیا۔ یہ تلوار ایسی ہے جیسے ایک دریا کی لاکھوں لہروں میں سے ایک ہو۔

(۸۲۸) آسمان کی نسبت شراب گہا کرتے ہیں۔ کہ وہی انسان کی بد قسمتی کا زمرہ وار ہے۔ کیونکہ جفا شعار ہے۔ لہذا کہتے ہیں۔ کہ عین و عشرت کی شراب کی اس آسمان کے ساقی سے کیا آرزو کیجئے۔ چنانچہ ایک قوم دارگوں (شائے ہوسے) سے شراب کے وہ نئے بیٹھے۔ رور و چونگ جامہ ڈالوں ہیں۔ جن آسمان کے نئے ہوسے وہ بھی غالی ہیں (مراوے کہ ہماری قسمت میں عیش کی شراب ہی نہیں تو عیش کی آرزو کیا کریں۔)

(۸۲۹) اسے غائب میرے دل میں دھال کی آرزو کی ہے۔ و فرقت کا فکر بھی۔ خداوند دل کرے کہ دوست سے تقرب حاصل ہو۔ تو میں اس سے دھال کی آرزو بیان کروں اور فراق کا کلمہ شکوہ بھی پیش کروں۔

غزل

۸۲۰ ہے بزمِ جان میں سخن آرزو ہوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشادھبوں سے
۸۳۱ ہے دورِ قسح و جہ پریشانی صہب
یکبار خداوند غم سے میرے لبوں سے

۸۳۲ زندان در مسکندہ گستاخ ہیں تو ہر
ز شمارہ ہوتا طرف ان بے ادبوں سے
۸۳۳ ہیں دو فادہ بگے ہائی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تیار رہوں سے

(۸۳۴) تبوں کی محفل میں ہماری بات چیت ہمارے ہونٹوں سے گھبرا
نہاوری ہے۔ (یعنی ہم بونٹ چاہتے ہیں تو ہونٹ کام نہیں دیتے۔) لہذا
وہ بے فادہ غلبوں سے رہیں کہ ہمارے ہونٹ ہیں کہ رعب من کی وجہ
سے خطر سے ہو گئے ہیں۔ تاہم سب تنگ آ گئے ہیں۔

دوسرے معنی۔ خوشادھب معشوق جو ناز کیا کرتے ہیں ان کی خوشادھ
ر کے گئے ہم عاجز ہو گئے۔ بزمِ حبیبوں میں ہے زبردلیوں میں لگی سے باہر کرتے ہیں۔
قیصر سے معنی یہ کہ معشوقوں کی محفل میں وہ کیسے اپنے آرزو لبوں سے
بگے۔ بزمِ محفل ویناری یہ بات کہتے ہیں کہ تنگ آئے ہیں ہم۔ ایسے خوشادھ
لبوں سے۔ مراد یہ کہ ان کے سو دوسرے معشوق ان سے بھی کچھ زیادہ طالب
نظر کرتے۔ تو وہ رشک سے تھکا ہو گئے ان سے لبوں کہنے لگے کہ ایسے خوشادھ طلب
جان ہیں بڑے معصوم ہوتے ہیں۔

(۸۳۱) دورِ قسح و جہ پریشانی صہب
۸۳۲ ہے بزمِ جان میں سخن آرزو ہوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشادھبوں سے
۸۳۱ ہے دورِ قسح و جہ پریشانی صہب
یکبار خداوند غم سے میرے لبوں سے

(۸۳۲) طرف ہوتا۔ یہاں مرد منہ لگن۔ اسے زاہد شراب فہم سے

ان کا ذکر نہیں ہے۔

۸۳۹ گھر میں تھا ایک کہڑ، علم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکتے تھے ہم ایک حسرتِ تعمیر کو ہے

۸۳۹ (۸۳۹) ہمارے گھر میں پہلے ہی تباہی ہو چکی تھی۔ پھر تھراؤم یعنی علم و شوق
تھراؤم بادی گیا کرتا، ہم اپنے گھر کو سرو تعمیر یعنی ساز و سامان کے آراستہ
کونٹائی جو حسرتِ دل میں رکھتے تھے۔ وہی اب بھی دل میں موجود ہے۔

غزل

۸۳۸ غم دنیا سے گرہائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریبِ ترسے یا دُعا سننے کی
۸۳۸ گھٹے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
قسم کہ فی ہے کس کا ترسے کا اندھے جلاسنے کی
۸۳۸ پشیمانیاں میں متحدہ آتش کا پسوں سے
وے مشکل ہے حکمتِ دل میں کوزِ غم جھیلنے کی
۸۳۸ اچھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اُسے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوقِ بے سارے کی
۸۳۸ ہماری سادگی کی امتیازاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا تھا فی لم مگر تمہیں جاسنے کی

سکے دروازے کے رخِ بہشت گستاخ ہوتے ہیں۔ خبرِ دران ہے دلوں کے منہ
گنہ۔ ورنہ غراب ہو گا۔ یا طرفِ جہ کے سنی ان کی مخالفت کر کے تکلیف میں
نہ پڑنا۔

(۸۳۳) ہال کو بھول سے رہ رہ ہونا۔ مراد ہال ہمیشہ بھول پر رہنے
سے ان کے ساتھ، محنت رکھنے لگی۔ ہر چند میری جان بھول پر رہتے رہتے ان
سے محبت رکھنے لگی تھی۔ لیکن تیرے پیدا و فنا (یعنی ہم و قاتل) کے تھے اور تم
'علم اس' کو دیکھ کر ہماری جان بھائی رہی۔ مراد یہ کہ جان گرچہ بھول پر رہی
تھی۔ یعنی یہ حالتِ نزع اور اس کی تکلیف کو وہ برداشت کئے ہوئے تھے۔
مگر تیرے پیدا و فنا سے قدر زبردست تھا۔ کہ بس جان کا فائدہ ہی
کر دیا۔

۸۳۷ تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے
میں سینے میں گویا ذکرِ ہمارا نہیں گھڑے
۸۳۵ غالب تو احوالِ سناویں گے ہم ان کو
وہ سنسن کے بلا میں یہ اجارا نہیں کرتے

(۸۳۴) وہ ہماری نسبت کو ذکر جب کہیں ہوتا ہے۔ خوش تویتے ہیں
"کہ ہمیں ان سے یہ شکایت نہ ہو کہ وہ بات بھی نہیں سنتے۔ لیکن ہر سکرور
کو ہمارے ذکر نہیں کرتے۔ گویا ان کا منہ نہ منہ برابر ہے۔"
(۸۳۵) غالب تیرا حال ہم کو سننا دے گئے۔ وہ (ایسا قابلِ
رم و مل سکر) تجھ سے اپنے پاس جاسے۔ یہ امر (ٹھیکہ) نہیں کرتے یا

۸۴۵ لکھ کوہ چادرف کا قتل کر نہیں سکتی
مری طاقت کو خدا من حق بنو گئے ناز اٹھانے کی
۸۴۶ کہوں کیا غولی اور ضاع بنائے نازاں غالب
ہدی کی اُس نے جس سے ہم سے کی تھی بارانگی

(۸۴۵) سرانجام کی فرصت پاتا۔ ایسی ہی ایک جہارت ہے۔ جیسے کہ ہر
لکھنے کی فرصت پاتا۔ مراد۔ بہت کم فرصت آرام کرنے کو حاصل ہوتا۔ فلک
مرد عالم۔ جفا شعار۔ دیکھتا۔ کسی طرح سے کسی کی طرف متوجہ کرنا۔ فلک کا رشتہ
اُس کا علم و دستہ کرنے کی نیت سے متوجہ ہونا تقریب۔ موقع یا آواز۔ وصل پڑا
دنیا کے کاروبار کے شے اگر کسی وقت تھوڑی سی فرصت ملی بھی (یعنی اور تو
ملتی ہی نہیں) تو تیرا دھیان پڑنا۔ تو جفا شعار آسمان کے بھرپور دشمن ہو کر
طرف متوجہ ہوئے گا ایک موقع تھا۔ حاصل شعرا کہ دنیا کے کاموں سے فرصت
ہوتی۔ تو تیری طرف جو متوجہ ہو (یعنی حسن و عشق کے معاملات میں پڑنا) تو
آسمان کو مجھ پر ظلم کرنے کا موقع پاتے ہیں۔ اور اُس سے سبے انتہا
خام کرتے۔

(۸۴۶) اُس کا فریاد اب قسم کرتی ہے۔ کہ جو کائنات کی نظر پڑے گا۔
فوراں جلادیا۔ تو پھر میرا خط وہ کبھی نہ ملے گا۔ وہ تو سے بھی خوشامد دیا۔
معلوم۔ سو کیونکر معلوم ہو گا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔
(۸۴۷) پریناں۔ دیبا۔ یک ریشی کپڑا۔ آگ کے شمع کا دریا جیسا ہے
جانا آسمان سے۔ لیکن دل میں غم عشق کی جہن چپ لائی عکاس بہت مشکل
ہیز ہے۔ جگہ گئے ہیں کہ عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتے

(۸۴۳) انہیں اپنے زلفی عاشقوں کو دیکھنا منظور تھا۔ اسی سے وہ
کب کے دل دل بھولوں کی سیر کرنے کو گھر سے نکلے تھے اس بسائے میں جو پہاڑ کی
بوسے پر تھی ہے لہذا اُس کو دیکھنا تو۔

(۸۴۴) اختلاف۔ ہرمانی۔ ناز یعنی ادا۔ یہاں اختلاف ناز و دراصل
جو اختلاف ہے یعنی ہرمانی کی ادا۔ وہ ایک معشوق کا اپنے عاشق کے پاس آنا۔
حلق۔ ہادی یہ سادگی تھی کہ ہم تیری (نشریف آوری کی)
پہرہ پہنے۔ وہ تیرا آنا۔ کچھ آنا تھا۔ بلکہ فوراً ہی چلا جاتا (تمید جائے گی
پڑھانے کا آغاز کرتا ہی آتے ہی چل دیتا)۔

(۸۴۵) لکھ لالت۔ لکھ کوہ۔ لالت کی شوکر۔ مراد شوکر۔
حلق۔ میری طاقت جو تمام معشوقوں کے ناز اٹھانے کی ضمانت
دیتی تھی۔ اب وہ ربات زمانہ کی شوکر کی برداشت نہیں کر سکتی۔ یعنی ہم
عشق کا فہم اٹھانے ہوئے تھے۔ اب معمول عادات کے متحمل نہیں رہ سکتے
(۸۴۶) اوضاع۔ جمع وضع۔ دستور۔ طریقے۔ انہائے نازاں
کے لوگ۔ غولی سے یہاں مراد ہدی ہے۔ اور طرز سے غولی لکھا ہے۔

حلق۔ اسے غالب ہم زبانی کے لوگوں کے طریقوں کی غولی دیاں
دور تائی۔ کیا بیان کہیں۔ جس کسی سے ہم سے نیکی کی۔ اور بارانگی
یہی ہے ہمارے ساتھ ہدی کی۔

غزل

۸۴۸ حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ۔ سے آرزو خیرای
دل بوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی ادا کی

۸۴۸ اُس شمع کی طرح جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی جلتے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

(۸۴۷) آرزو فرامی۔ کسی آرزو کو وہ میں نے کسے کوشش کرنا
حاصل پیدا اور، ڈھونڈی ہوئی اسامی۔ وہ کاشتکار جس سے لگان بیکار ہو
ہوئے کی بھی امید نہ رہے۔

حاصل۔ اسے آرزو فرامی (یا کسی نفع کی خاطر کوشش کرنا تو حاصل
یعنی اصل پیداوار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھ۔ کیونکہ میروں پر، فراہ گزرتے
ایک ڈھونڈی ہوئی اسامی ہے۔ کہ جس کے سبب پیداوار تو کیا لگان بیکار
وصول ہو تا ناکمل ہے۔ یعنی حوش گریہ دل ہی کو بہا دیتا۔ تو پھر دل کی
آرزو کیا بار آور ہوگی۔

(۸۴۸) لغت۔ داغِ ناتمامی۔ شمع جب خود بخود جل کے بج جائے
تو گواہ تمام ہوگئی۔ اور اگر کوئی اُس کو بجھا دے تو "ناتمام" رہی۔ لہذا
"داغِ ناتمامی" سے مراد ناقص یا کسی، مر میں ناتمام وغیرہ کہیں رہنے کا داغ ہے۔
حاصل۔ میں بھی اُس شمع کی طرح کہ جسے کوئی بجھا دے اُن دل بے
لوگوں میں سے ہوں۔ کہ جن میں ناتمامی کا داغ ہو۔ یعنی وہ حد تک
بھگ نہ پہنچے ہوں۔

غزل

کیا تنگ ہم حتم زرداں کا جب نہ ہے
جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذبے ہیں ہاں ہے
۸۵۱ جاں آنکھ ہے یہ سیلِ غار سے لار رنگ
خافل کو میرے شیشہ پر سے لگناں ہے

کی اُس سے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
۸۵۳ ایک خوب تم سے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چُپ رہ جو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بُٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں
فرمانِ رد سے کشورِ ہندوستان ہے
۸۵۴ ہستی کا اعتبار بھی تم سے مشا دیا
کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے

سے بارِ امتداد و فاری اس قدر
غالب ہم س میں خوش ہیں کہ نہ مریاں ہے

(۸۴۹) لغت۔ بیضہ مور چھوٹی کاندہ۔ جو بہت ہی چھوٹا ہوا کرتا
ہم مخلوقوں کی دنیا کس قدر تنگ ہے۔ کہ جس کا آسمان ایک چھوٹی
ٹپ ہے۔ یعنی ہمیں کسی طرح کی کوئی دھست یہاں حاصل نہیں ہے۔
گزشتہ پائیکس۔ چھوٹی کاندہ بھی ہیں آسمان جن کے سستا

(۸۵۰) لغت۔ یک مشوریت ہے۔ (لا تحولت ذرتہ

الا باذن اللہ یعنی خدا کے حکم کے سوا، ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ حل ضحور۔ گل کائنات (دنیہ و دایمہ)۔ تحریک ہی ذوق و شوق میں حرکت کر رہی ہے۔ جس طرح کہ آفتاب ہی کے گیس کے ذرے میں ہاں یعنی حرکت و زندگی کے آثار ہائے جاتے ہیں۔

(۸۵۱) لغت۔ سبیل۔ ضرب۔ غار۔ ملک غار۔ سخت چھر کا۔ سخت چھر کی چوٹ یا حودثات۔ بیشک یا شراب کے پیلے کو اپنا دریا ہاذا درجہ خمر کر کے کہتا ہے۔ کہ میرا شیشہ خالی ہے۔ مگر خالی وہاں کوہ و ہم اٹھا ہے۔ کہ میں اس میں لار رنگ (سرخ رنگت کی) شراب بھر کے پیا رہا ہوں۔ غار کہ شیشہ مذکور سخت چھر کی چوٹ یا حودثات سے لار قائم یعنی زخمی ہو رہا ہے۔ اور جب شیشہ ہی پکن ہو رہا ہو تو اس میں شراب کماں۔

(۸۵۲) لغت۔ کی گرم ہ۔ یعنی جگہ خیر کے اس میں منہم ہوں۔ کیونکہ شیشے ہی کے کوئی جگہ گرم ہوتی ہے۔

حل۔ اس سے اہل ہوس کے سینہ میں جگر لی۔ مگر لی ہوس کے دل میں عشق کی حقیقی تلک نہیں ہوتی۔ ہندہ اس دوست کو ایک ایسا شخص اٹکاں کیوں پسند نہ کرسے۔ مراد یہ ہمارا محبوب آتش عشق کے حقیقی جذبہ کی کچھ قدر نہیں کرتا۔ وہ رقیب سے مانوس ہے۔

(۸۵۳) لغت۔ منہ میں زبان بکنا۔ مراد خوب جلی کی ستم لگی کسی کی خوب غصی کھوٹا۔ مراد امان سے اس شخص سے منہ میں زبان بکنا ہے۔

سلی کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم اس قدر سادہ ہیں کہ تم کو فائدہ کر سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم اپنی زبان سے جو کہ کوئی کہہ سکتے ہیں۔ بیشک زبان ہر ایک جی کر دیتی ہے۔ لیکن کسی محبوب کی گونہ پر ہوسہ دیا ہوتے تو کسی جب کوئی لذت و آسٹے چپک کر نہیں داتی تو پھر اس ہونے کا چکنا چکی معنی رکھتا ہے۔ ظن ہے مولا نامہ صوفیہ کے دوسرے مسمی جو یاد گار ہے۔

حل۔ یہ کیا صریح خوب ہے۔ یہی کیا خوب تم سے رقیب کو پورے نہیں دلا۔ پس چہ ہر ہوا زبانی کہ زیادہ ضروری ذکر دیا ہمارے منہ میں کہ زبان ہے۔ کہ اس سے وہ تمام راز میناں کر دیں۔ کہ خیر کا پورے لینا پایا۔

(۸۵۴) لغت۔ دیو اور یار۔ یہاں بادشاہ ولی کو اپنا دوست در ہم بندہ مستحق کا تاجدار بن کر کھڑے کئے۔ اس کے تحریک دیوار کو کاالی و یار کہتا ہے۔ اور اس کی مدد کرنی کرتا ہے۔

حل۔ وہ جو دوست کی دیوار کے سایہ سے بیٹھتا ہے۔ (اور وہ دوست جو بادشاہ ہی ہے۔ اور وہ دیوار اس کے قدم ہی کے اندر کی دیوار ہے۔ اور وہ تمام ملک ہند کا حکمران ہے۔)

(۸۵۵) دوسرے مسمی جو شخص دوست کی دیوار کے سایہ سے بیٹھتا ہے۔ ہندہ ہی گویا ساہو بڑے حال ہو کے دروازے بند بن گیا۔ مراد دوست کے دیوار ہی ہمارے ایسے۔ وصاف رکھتا ہے۔

(۸۵۶) لغت۔ بہشتی کا اقتدار مٹا۔ یعنی ذکر ناگہ یہ بات حقیقت کی طرح ہے۔ یعنی موجود کو خیر موجود بنانا۔

حلی۔ تہے غول جگر ہیں اس درد کدوا ہر جگہ می جگہ طرف
 کایہ سے صفت ہو گیا۔ اگر ذرا سار۔ تو مثل داس کے جو اس جگر
 کا پتہ دیتا ہے۔ مگر جو کہ تم بہت جہاد کار ہو اگر تلبے۔ اس سے موجود کوئی
 تباہ نہ پڑتا ہے۔ اب کون یقین کرے کہ وہ جو ایک ٹکڑا ہلکا کارہ کیلے
 وہ دریا غابہ۔ وہ دریا نہیں ہے بلکہ جگہی ہے۔

(۸۵۶) حل۔ غاب ہم اس بات سے پوش ہیں۔ کہ وہ دست
 ہم پر نامہ ران ہے۔ (یعنی ظلم کرتا ہے) اور جبکہ وہ ظلم کرتا ہے۔ تو ہم کو
 اس کے ظلم سے کامو قح ملتا ہے۔ تو یہ وقاداری ہے۔ نہ جاسد
 ہو کہ وہ ہم پر ضرر۔ ظلم کرے گا۔ اور ہم اس کے بالمقابل و فائدہ تو کوئی
 نہیں احتیاد وقاداری خود اس قصد ہو گیا۔ یعنی پختہ یقین ہو گیا ہے کہ
 ہم اس کے ساتھ بکثرت وقاداری کرنے کے موقع ملے رہیں گے۔
 و دست کو ہر اپنے قیمتی ظلم کے ہماری اس سے وقاداری کا پورا پورا قہر
 و میں قائم ہو گیا ہے۔

غزل

درد سے میرے سب جگو بقراری ہائے
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت شکاری ہائے
 ۸۵۸ تیرے دل میں گزرتا آخوب ظلم کا موسم
 تو نے ہر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے
 ۸۵۹ کیوں مری غم خواری کا جو کو آیتا تھیں
 دشمنی اپنی تھی میری وہ ستداری ہائے

۸۶۰ عمر جو کا تو ہے بیون وقابانہ حاقو کب
 عمر کو بھی تو نہیں ہے پانداری ہائے
 ۸۶۱ زہر لگتی ہے بچے آب و ہوا سے زہر کی
 یعنی تجھ سے تھی اسے تاسلزاری ہائے

۸۶۲ گلشنانی ہائے تازہ ہوا کو یک ہو گیا
 خاک پر ہوتی ہے تیری دلکاری ہائے
 ۸۶۳ حرم رسوائی سے چاہیہا نقاب خاک میں
 ختم ہے الفت کی تجھ پر یہ داری ہائے
 ۸۶۴ خاک میں ناموس ہیمنہ محبت مل گئی
 آٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم پیری ہائے

۸۶۵ اتنی ہی تیخ آزما کا کام سے جاتا رہا
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم گاری ہائے
 ۸۶۶ کس طرح لائے کوئی شبہات تار برشمال
 ہے فکر و کردہ اختر شماری ہائے
 ۸۶۷ گوش مجور پیام و چشم محروم جمال
 تیرا ایک دل تھیرے تا ہمید داری ہائے
 ۸۶۸ علقن سے پڑا نہ تھا خالق بھی جنت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے

(۸۶۹) اسنا ہے کہ یہ غزل مصنف نے اپنی کسی مشق کی وفات
 پر لکھا تھا۔

صفت۔ تمہید ابتدائے عشق کی حالت بیان کرنے کو پہلے چند اشعار میں اپنی محبوبہ سے اسی مضمون پر قیاس کیا ہے۔

حاصل۔ اسے ظالم تیری پہلی صفت شکاری کیا ہوئی۔ جب میں تجھ پر عاشق ہوا تھا۔ تو کولا پرواہی کیا کرتا تھا (اب میرے دروید اور عشق سے مجھ کو اس قدر بیقرار ہی ہو رہی ہے کہ افسوس افسوس۔ درد سے مروہ مصنف کا اپنی معشوقہ کی حالت نزع پر سرخ کرنا)۔

(۸۵۸) لغت۔ آشوب غم۔ غم میں ڈوب جانا۔ غم گساری کسی کا غم بٹالین۔ حاصل۔ جب تیرے دل میں میرے درد عشق کو دیکھ کے آشوب غم یعنی ہار ہار غم، شامہ کی طاقت نہ تھی۔ تو پھر تو نے میرا غم بٹانے کا ارادہ ہی کیوں کیا تھا۔ (جو حالت ہوئی) افسوس۔

(۸۵۹) تجھ کو میری غم خواری کا خیال ہی کیوں بندھا تھا۔ افسوس میرے ساتھ دو سستواری کرتا گویا اپنی دشمنی تھی۔

(۸۶۰) تو نے ابتدائے عشق میں، ظالم عمر میرے ساتھ وفا کرنے کا قرار کیا تھا۔ لیکن اس سے کیا ہوا۔ جبکہ افسوس (اب ثابت ہوا کہ) عمر ہی کو پائیداری نہیں ہے۔ تو ایمان وفا کب تک بٹھ سکتا تھا۔

(۸۶۱) زندگی سے تجھ سے ناسازگاری کی۔ یعنی وفائے نہ کی۔ افسوس افسوس۔ اب مجھ کو بھی اپنی زندگی کی آب و ہوا اس کا سب سا زور بان زہر لگتا ہے۔

(۸۶۲) گل نشانی اسے ناز جلوہ۔ تیرے ناز و انداز کے جلوے یعنی غور سے دیکھنے والوں پر گویا بھول جھڑکتے تھے۔

حاصل۔ وہ تیرے ناز و انداز کے بھول جھڑکتے ہیں۔ اب تو

میری خاک پر لالہ کاری ہوئی ہے۔ یعنی گل لالہ (پوست کا خوشنما پہل تیری تیرے ہوا یک جہا ہے۔ افسوس افسوس۔

(۸۶۳) ہمارا دور مختلرا عشق جب زمانے پر ظاہر ہو گیا۔ تو مختلرا اس و سوائی سے شرم کھانے مر جانا اور خاک میں چھپ جانا سخت افسوسناک ہے۔ تاہم صحت و محبت کی اس طرح پروردہ دہی کرنا۔ گویا تجھ ہی پر ختم ہے۔

(۸۶۴) لغت۔ ناموس۔ بہان محبت۔ محبت کے اقرار کی عزت۔ اس کا بہرم۔ حاصل۔ اب یہ دیکھ کر کہ بہان محبت کبھی ورا نہیں ہو کر محبت کے کٹر دھار کا بہرم کھل گیا۔ یعنی اس کی وقعت خاک میں مل گئی۔ اسے اسے دوستی کے رولور سم دیا سے مٹ گئی۔

(۸۶۵) لغت۔ متغیر۔ تنویر کو نما کر دیکھنے والا۔ کرسنی کات کرتی ہے مراد ظالم۔ حاصل۔ افسوس میں نیلے آتما (ظالم محبوبہ) کا اتھ ہی کا ہے جاتا رہا۔ لیکن وہ گدگد رہا۔ ابھی اس کے ہاتھ سے ہمارے دل پر ایک کاری زخم نہیں لگنے پیا تھا۔ یعنی اس کی حسرت ہی دل میں باقی رہ گئی۔

(۸۶۶) اختر ظہری کسی کے انتظار میں تارے سے جہاں تارہ بر حلال کاٹا۔ قمر ہے۔ کہ رست کی اندھیری راتوں میں تنہائی صفت سستائی ہے۔ اور اس وقت اپنے عزیز معمول سے زیادہ یاد آتا کرتے ہیں۔ حاصل۔ میری نظر تو تیرے انتظار میں رات کو تارے گھٹنے کی خوشگ

ہے۔ اب تیرے فراق میں رست کی تار پک راتیں کاٹنی پڑیں۔ (جس میں تو زیادہ یاد آتا ہے۔ اور تنہائی بھی سخت تر محسوس ہوتی ہے۔ افسوس یہ کس طرح نہیں گی۔

(۸۷۶) حل - افسوس میرے کان اب تیری چٹی کے جس حوالے سے محروم ہو گئے۔ اور میری آنکھ بھی تیرے جہاں کو دیکھنے سے محروم رہ گئی۔ میرا ایک دل اس پر ہے وہ دو تو میدی دلاوی سے صدمے۔ افسوس افسوس۔

(۸۷۸) قالب اب بھی مجھے عشق نے وحشت کا رنگ نہیں پکڑا تھا یعنی ہم کسی طرح کے دواۓ عشق میں بنے تھے۔ (کہ زمانے میں رسوا ہوتا تھا کہ وہ ذوق خواری (رسوائی) اب دل ہی میں رہ گیا۔ یعنی محبوب کے مرنے کے بعد اب کسی کے عشق میں رسوا ہوں گے)

غزل

۸۷۹ سرگشتگی میں عالم ہستی سے اس ہے
تسلیم کو دے تو یہ کہ مرنے کی اس ہے

۸۸۰ لیتا نہیں مرنے دل آوارہ کی غمیر

اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

۸۸۱ بکے بیان سرور تپ ہم کہاں تلک

ہر عوہے ہلک چ زبان بہاں ہے

۸۸۲ ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ و ف

ہر چند اس کے پاس دل حق شناس ہے

۸۸۳ بی جس قدر ہے شب متاب میں سحر اب

اس بلخی مزاج کو گری ہی راہیں ہے

۸۸۴ ہر اک مکان کو ہے کہیں کثرت آمد
بجوں جو مر گیا تو جنگل آگاس ہے

(۸۸۵) لغت - سرگشتگی - سر ہڑا۔ جنون۔ حل - جنوں میں عالم

ہستی (دینا و مافیا) سے مایوسی ہو گیا ہے۔ (اب مرکز ہی چین آ گیا۔ لہذا) شکی کو فوہ (مہار کباد) دے کہ بکے مرنے کی توقع ہے۔

(۸۸۶) وہ میرے آوارہ یعنی مجھ سے برگشتہ دل کی کچھ خبر نہیں لیتا۔ کیونکہ ابھی تک وہ یہی جانتا ہے کہ میرا دل میرے ہی پاس ہے۔ (آوارہ دل کی خبر لینا۔ مران میری پریشان حالی جو وہ محبت ہے۔ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا)۔

(۸۸۷) لغت - سرور تپ ظم - عشق کی پیش کامزایا سرور۔

حل - عشق کی پیش کامزایاں کہاں تک بیان کرتا رہا ہوں۔ میرے چلن کا ہر ایک رد و حرکت گویا زبان فکر ہے۔ بن گئی ہے۔ مراد یہ کہ اس قدر خارج اور گرتا ہے۔ کہ جسم کے بے حد و حساب ہل اس کے اندر کرنے کے لئے مصروف کار ہوتے پاتھیں۔

(۸۸۸) لغت - وہ بیگانہ و ف ہے۔ کسی کی وفاداری کی بے وفائی نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کے پاس حق شناس (منصف) یا ہر کسی کا حق پہچاننے والا دل موجود ہے۔

(۸۸۹) لغت - شب متاب - ہانہ فی رات جو شندھی ہوتی ہے اور بلخی مزاج بھی سرور ہوتا ہے حل - چاند فی رات میں جھنڈا شراب شہنی جا۔ کیونکہ اس بلخی مزاج کو (یعنی شب بے کو بھرہ سرور مزاج کے

ایسا کہ اسے (گرمی یعنی شراب کی گرمی) ہی موافق پڑتی ہے۔ (مکمل یعنی مزاج کا علاج گرم دواؤں سے کیا کرتے ہیں)

(۸۷۲) لغت - شرف - عزت - رونق - حل - اسے اسد ہر ایک مکان کی یکنی مکان میں رہنے والے ہی سے رونق ہوا کرتی ہے۔ جنوں جو مر گیا ہے تو جیل آگاس پڑا ہے۔ یعنی سونا ہے۔

عزل

۸۷۵ اگر قحط موسمی سے فائدہ اٹھائے حال ہے

خوشیوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

۸۷۶ کس کو سناؤں حسرت اظہار کا گلہ
دل خود جمع و خرق زب نہا کے لال ہے

۸۷۷ کس پر وہ میں ہے آئینہ پرواز اسے خدا

رحمت کہ خذر خواہ لب ہے سوال ہے

۸۷۸ ہے سے خدا غواستہ وہ اور دشمنی

اسے شوق منغل پر تجھے کیا خیال ہے

۸۷۹ مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان

ثاق زمین ہے نہ کہ ثاق عزال ہے

۸۸۰ وحشت پیری عرصہ آفاق تنگ ہے

دریا زمین کو عرق انفعال ہے

۸۸۱ ہستی کے مت فریب میں جایو اسدل

عالم متام حلقہ دام خیال ہے

(۸۷۵) لغت - خفا سے عزل - حال کا چھپانا - حل - اگر چپ کا فائدہ ہے کہ اس سے اپنا حال چھپا رہتا ہے۔ یعنی کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ تو میں خوش ہوں کہ مجھے یہ فائدہ بغیر خاموشی ہی کے حاصل ہے۔ لیکن میری بات کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

(۸۷۶) لغت - زبان بول - سبکی زبان - حسرت اظہار - پنے دل کا حال نہ بیان کر سکنے کا رنج - جمع و خرق - یعنی آمدنی اور خرچ - یہاں پر وہ کہ ہر ایک اور لوگوں کی ایک سادہ ہو گیت ہیں۔ لہذا ہر ایک میں کھسائی نہیں دیا کرتا۔ تو دوسروں کے خیالات بجمع نہیں کئے ہو سکتے اور ہر گنگاہ میں زبان کا صرف نہیں ہو سکتا۔ تو سنا اور بولنا جب غیر ممکن ہوا۔ تو اس طرح نہ آمد ہوئی نہ خرچ۔ تو گویا یہ گنگاہ بالکل کی فرد و خرچ ہے۔ کہ جس سے مراد سگنے کی لول چل ہے۔ اور میرا یہ حال ہے اس سے کہ اظہار مضامین نہیں ہو سکتا۔ تو محنت حسرت آتی ہے۔ اب اس کے شوق کس سے شکایت کی جاسے۔

(۸۷۷) آئینہ پرواز - آئینے میں منہ دیکھنے اور بناؤ منکار کر کے میں مصروف - حل - سے خدا تیری اور محنت اب کس پر وہ میں آئینہ گردی ہے۔ (یعنی کہاں اپنے بناؤ سنگھریں مصروف ہے) یہ کہ ایک لب بے سوال یعنی اس شخص کو جو اپنی بخشش طلب نہیں کرتا۔ معذرت کیا کرتی ہے۔ تاکہ وہ بے سوال ہی بھٹا جائے۔ (خذر خواہ سے یہاں مراد کسی کو معذور رکھنا۔ دیکھو فیثات اللغات خذر خواہ یعنی جسے را معذور و اشقین)

(۸۷۸) منت اسے شوق منغل - یہاں لفظ ہو "معذرت ہے"

غزل

۸۸۴ ایک جا حرف و قال کا سا جو مٹ گیا

ظاہر کا خد ترسے خط کا غلط برد رسبے

۸۸۵ جی سبے ذوق فن کی ناتامی پر نہ کیوں

ہم نہیں جیتے غش ہر چہد آتش بر سبے

۸۸۶ آگ سے پانی میں بجھتے وقت کشتی سبے صدا

ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے ناچار سبے

۸۸۷ سہاوی بد مستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوے سے زمیں و آسمان سرشار ہے

۸۸۸ مجھ سے مت کہہ تو نہیں کہت تھا اپنی زندگی

زندگی سے بھی مر اجماعی نہ قول ہزار سبے

۸۸۹ آگ کی تصویر سر نہ مہ چمک رہی ہے کہ تپا

تجہ پہ کھل چادے کہ کس کو حسرت دیدار سبے

۸۸۴ (نعت) غلط بردار۔ اس کا خد کو کہتے ہیں کہ جس پر غلط

حرف ہر سانی کرا لگ و غیرہ سے ارٹ سکے۔ اور کا خد پر اس کا نشان پال

۸۸۵ (نعت) جس کا خد پر نہیں خط لکھا تھا۔ صاف ہوا

ہوتا ہے۔ کہ وہ کا خد غلط بردار تھا۔ کیونکہ ایک جگہ تو سنے و خا کا غلط لک

تھا۔ وہی اس کا خد پر مٹ گیا۔ (تو صاف ظاہر ہے کہ کا خد غلط بردار

تھا۔ کیونکہ لفظ و قاف تو سنے قصداً ایسے لکے تھا۔ بلکہ غلطی کے سبب

۸۸۴ (نعت) اس سے وہ غلطی پائی ثبوت کو پہنچ گئی۔

۸۸۵ (نعت) ناتامی۔ ناقص حالت۔ جیسے کوئی چیز پوری نہ ہو۔

۸۸۶ (نعت) ہر قدر رخصت ہل کے رہ جائے۔ حلال۔ ہمارا فنا و برد

۸۸۷ (نعت) اس کی ناتامی (نقص حالت) پر ہمارا دل کیوں نہ بجے کہ ہاویو

۸۸۸ (نعت) ہر چہد آتش بر سبے۔ مگر ہم جیل نہیں

۸۸۹ (نعت) در ماندگی۔ در ماندہ یا عاجزانہ حالت میں ہونا۔ نالہ

۸۹۰ (نعت) مجبور آہ فریاد کرنا۔ حلال۔ دیکھتے کوٹوں پر پانی ڈالو تو آگ

۸۹۱ (نعت) لیکن سانچہ ہی ساتھ نالہ یعنی آہ و فریاد بھی کرتی جائیگی۔ یہی آگ

۸۹۲ (نعت) اور آہ کا بدھوں بھی اٹھتا جائیگا۔ ہذا وہ اپنی اس عاجزانہ

۸۹۳ (نعت) تار کرتے پر فطرتاً مجبور ہوتی ہے۔ یہی طرح انسان بھی اپنی فستہ

۸۹۴ (نعت) عذر خواہ۔ عذر کے معنی معذور یا سستہ بھی ہے۔ جیسے کہ

۸۹۵ (نعت) عذر خواہ یعنی معذور رہنے والا

۸۹۶ (نعت) خدا جس کے جلوے سے زمین سے لیکر آسمان

۸۹۷ (نعت) یعنی ہر چیز پر مست ہو رہی ہے۔ یعنی ہر جگہ دست کے مسنے کے مطابق ذرہ

۸۹۸ (نعت) تو وہی ہر ایک ذرے کی مستی کو معذور رکھنے والا ہے

۸۹۹ (نعت) انسان جو یہاں خدا سے قائل ہے۔ تو مذہبی اس کا موجب ہے

۹۰۰ (نعت) اس خلقت کا بھٹکا والا بھی ہے۔

۹۰۱ (نعت) یہ بات مجھ سے تم نہ کہو کہ "تو میں اپنی زندگی

۹۰۲ (نعت) حلال۔ یہ بات مجھ سے تم نہ کہو کہ "تو میں اپنی زندگی

۹۰۳ (نعت) حلال۔ یہ بات مجھ سے تم نہ کہو کہ "تو میں اپنی زندگی

۸۹۷۔ ذوقی شوقی اندیشہ تاب رخ نویدی
گفت افسوس حنا حسد تہد پر تنہا ہے

اہتا (کچھ گنت تھا۔ یہی زندگی کا ذکر کر رہا کرتا تھا۔ اب کچھ اور ہی عالم ہے
یعنی میری خود زندگی ہی سے بیزار ہو گیا ہے۔ تو اب اس کا ذکر اذکار کیا
(۸۹۹) گفت۔ سرنامہ خط کی پیشانی۔ عنوان خط۔

(۸۹۱) گفت۔ خضائے لغوی سے فراغ زمین اور ملک کی کشمکش
ذوقی کسی چیز کا گرد و فراغ یا اس کے آس پاس کی حالت۔ حیرت وہ چینی
حیرت کی چیز کی ہر شخص نہیں رہتی۔ گویا گم شمع ہو جاتا۔ حیرت آباد کنند
اہل کے گم شمع ہو جائے کا مقام۔ تالہ۔ سہاگسی ہمد سے روئے فریاد کرنا
رہے۔ غنائیک ہاؤر ہے۔ کہ بس نام ہی نام مستند کھائی کیس جس دیتا
حل۔ میری زندگی کا گرد و فراغ حیرت آباد کنند ہے۔ یعنی ایک
یہ مقام یا علم کہ جس میں امید گویا گم شمع ہو چکی ہے۔ اس سے میرا تالہ

حل۔ ہم نے اپنی آنکھ کی تصویر عنوان خط پر کھینچ دی ہے۔ تاکہ
تجھ کو صاف معلوم ہو جائے۔ کہ اس خط کے لکھنے والے کو (مرد ہم کو) تیرے
دہار کی بڑی حسرت ہے۔

۸۹۰۔ جنس پہ گزرتے ہیں کوچے سے دامیر
کند حاجی کسار دل کو بدستے نہیں دیتے

یہ مقام یا علم کہ جس میں امید گویا گم شمع ہو چکی ہے۔ اس سے میرا تالہ
یہ مقام یا علم کہ جس میں امید گویا گم شمع ہو چکی ہے۔ اس سے میرا تالہ
یہ مقام یا علم کہ جس میں امید گویا گم شمع ہو چکی ہے۔ اس سے میرا تالہ
یہ مقام یا علم کہ جس میں امید گویا گم شمع ہو چکی ہے۔ اس سے میرا تالہ

(۸۹۱) حل۔ وہ میرے کوچے سے نہیں میں گزرتے ہیں۔ تو کس کو
وہاں کند حاجی بدستے نہیں دیتے۔ کہ کہیں ان کو میرے کوچے میں ذرا ٹھہرنا
پڑ جائے۔ تو مجھ سے ملے کا اتفاق نہ ہو۔

غزل

۸۹۱۔ مری سہتی خضائے حیرت آباد تنہا ہے
جسے سنتے ہیں تالہ وہ اسی عالم کا خضائے

(۸۹۲) خزاں کیا فصل گل گتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قص ہے اور ہم بال و پر کا ہے
(۸۹۳) دلفریبوں کا عشق سے وفا کرتا۔ محض ایک اطفال بات
ہے۔ (۸۹۴) کسی نہ بہت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ہمدوم ان معشوقوں کے ہم
ہیں۔ لیکن دلوں کے آہ و فریاد کرے گا۔ شریکی کیا کسی نے دیکھا ہے؟ ہرگز
نہیں۔ تو پھر دلفریبوں کی ہمت کیا پر مختصر ہے۔

۸۹۲۔ خزاں کیا فصل گل گتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قص ہے اور ہم بال و پر کا ہے
۸۹۳۔ دلفریبوں کا عشق سے وفا کرتا۔ محض ایک اطفال بات
ہے۔ (۸۹۴) کسی نہ بہت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ہمدوم ان معشوقوں کے ہم
ہیں۔ لیکن دلوں کے آہ و فریاد کرے گا۔ شریکی کیا کسی نے دیکھا ہے؟ ہرگز
نہیں۔ تو پھر دلفریبوں کی ہمت کیا پر مختصر ہے۔

(۸۹۵) گفت۔ شوقی اندیشہ۔ حرارت فکر۔ یا غم دوبارہ ابھرنا

اسی فکر سے مطلوب نہ ہوتا۔ تاب ریح تو میدی لانا۔ بابوی کو صبر سے
اشت کرنا۔ عہدہ تہذیب و تمدن کے اقرار کا سر نہ تازہ کرنا۔
حل۔ جب دوست سے ہماری امید کو ٹھکرا دیا۔ تو ہماری جرأت
بصر سے اس بابوی کو پروا اشت نہ کر سکی۔ بلکہ ہم افسوس سے اپنے ہاتھ
ٹٹکے۔ (اور وہ نگر کی اقرار کے وقت بھی ہاتھ میں ہاتھ دیر لٹکتے ہیں)
ان کو افسوس سے ہاتھ ملنا نہیں کنا چاہئے۔ بلکہ ہم نے اپنے امید کو
اقرار کو سر نہ تازہ کرنے کے لئے یہ ہاتھ سے ہاتھ لٹکتے ہیں۔ (مراد یہ کہ ہم بوس
ہیں ہوتے۔ وہ صبر سے بہ ستور امید رکھتے ہیں جرأت۔ مگر ہمیں اشت نہ کرنا چاہئے)

۸۹۷ ریم کر ظلم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے
بعض بیمار و خاد و د چراغ کشتہ ہے
۸۹۷ دل قلی کی آرزو ہے چین رکنتی ہے نہیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

(۸۹۵) دوزخ و دوزخ۔ دوزخ کشتہ۔ چراغ کشتہ ہے
تو جس سے کہ دھواں سا اٹھتا ہے۔ وہی دوزخ۔ چراغ کشتہ ہوتا ہے
جس کو ایک لمحہ سے زیادہ قیام نہیں ہوتا۔ جیسے کہ نزع میں بیمار کی نفی
جلدی اکھر جاتی ہے۔
حل۔ اسے ظالم (عاقبت پر) ریم کر وہ ایک بھیا ہوا چراغ ہے
یعنی جو سے۔ زرد دھواں ہو چکا ہے ما اب اس کی زندگی ہی کیا۔ اس کو قیام
کے بیمار کی نفی بھی تو اب بچے والے چراغ کے دھواں کی طرح جلدی

اکھر جانوال ہے۔ (ریم کر)

(۸۹۶) نشت۔ دل قلی۔ یہاں مراد رونق محفل۔ سود چراغ۔
وے کا خاکہ۔ وہی کہ چراغ نہ جلا با جائے۔ اور اس کی جی اور تیل
خروج نہ ہونے پائیں۔ حل۔ در لگی یعنی محفل کی رونق کی آرزو میں
بجز در رکنتی ہے۔ (اور ہم بار و اجب کی خاطر تو واضح پر کچھ خرچ کر دیتے
ہیں۔ اور نہ ایک بچے ہونے چراغ کا خاکہ تو اس میں ہے۔ مگر محفل میں بے
رونق ہی رہے۔ یعنی اندھیرا کہ جس حالت میں وہ چراغ جلا جائے گا۔ تو
سود چراغ ہے۔ یعنی قلی کی کا خرچ نیک جائیگا۔ نفوس میں خصل غریب نہیں ہے۔ پانچ

۸۹۸ چشم خواں خاموشی میں بھی نوا پردہ زسپ
سرمہ تو کہو سے کہ دود شعلہ آواز زسپ
۸۹۸ بیکر عشاق ساز طبع تا ساز زسپ
نالہ گو یا اگر دشت سبازہ کی آواز ہے
۸۹۹ دستاورد پر گاہ غریبار بختوں و بخت
یک ریا باں ہوا گل فرشت با نذر ہے

(۸۹۶) نشت۔ نوا پردہ۔ آواز کافے میں مشغول یعنی امت کرنا۔
نکوس۔ فارسی جہد تو کوئی یا کوئی کا ترجمہ ہے۔ دود شعلہ آواز۔ آواز
کو شعلہ (خون کر کے) اس کا دوزخ یا دھواں۔
حل۔ معینوں کی آنکھیں (جو لکڑیاں ایسی شمع ہوا کرتی ہیں۔ کہ
کچھ اشعار کے گندے کر ہی ان وہ قیام میں بھی نوا پردہ دہاں۔ یعنی

چیت کرتے ہیں معصوم ہیں۔ تو کیوں کواں کی آنکھوں کا سرمہ بہتر
نہ ہے۔ بلکہ آواز کے شعلہ کا دھواں ہے (شعلہ دوسے کی لو کے سرمے
جو کچھ دھواں سمجھا کر ہے۔ وہ گویا عینوں کی اٹھارہ کٹاپہ کر نیوالی
لو کا سرمہ ہے)

(۸۹۸) لغت۔ پیکر۔ وجود۔ ساز۔ باجا۔ طالع ناساز بد قسمتی۔ کہا
تا ہے کہ انسانوں کی قسمت ستاروں کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ ستارہ
روں کھاتے۔ تو کہتے ہیں کہ قسمت بھی بدل گئی۔

حجل۔ عشاق کا وجود گویا ایک طالع ناساز یعنی بد قسمتی کا باج ہے
نہ عشاق کچھ نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ تو جو آواز پیدا ہوتی ہے
وہ ستارہ قسمت کی گویا کرشمہ کی آواز ہوا کرتی ہے۔ (یہاں گویا کائنات
س نے لکھا ہے۔ کہ ستارہ گول کرشمہ کرتے وقت صدائیں دیتا مگر اس
صورت میں ایسا فرض کر لو)

(۸۹۹) دستک۔ توفیق۔ قدرت۔ مرتبہ۔ یک ہی ہاں جلوہ گل۔
بکثرت گلاب کے سرخ پھولوں کیسا جلوہ بارنگت۔ فرشتے یا اندازہ کرے
ہیں داخل ہوتے وقت ایک چٹائی یا کوئی اور چیز پھیلا دی جاتی ہے کہ جس
پر جے ہوئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ گرے میں نہ آئے ہائیں۔ یہی فرشتے یا اندازہ
کندہ تاس ہے۔ حجل۔ جنوں کی خون ہاسے والی آنکھ کی یہ توفیق دیکھو۔
اکہ اس نے اس قدر لہو رو یا کہ ایک بیابان ہر یعنی بکثرت جلوہ گل یعنی
پھولوں کی ہی سرخی اس کے نے بخش میں گویا فرشتے یا اندازہ کن گئی ہے۔
(مرا وہ کہ جنوں نے رو رو کے دھت بھگدی زمین کو فوٹا فوٹ کر دیا اور
وہ لال لال نظر آتی ہے۔)

غزل

- عشق محکم نہیں وحشت ہی سی ۹۰۰
میسری وحشت قیری شہرت ہی سی
۹۰۱ قطع کیے نہ شوق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
۹۰۲ میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اس وہ مجلس نہیں خوت ہی سی
۹۰۳ ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو کچھ سے محبت ہی سی
۹۰۴ اپنی سستی ہی سے جو جو کچھ جو
آگے گر نہیں غفلت ہی سی
۹۰۵ ہر ہر چند کہ ہے برقی فرام
وہ کے خواہ کرے کی فرصت ہی سی
۹۰۶ ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ کسی عشق معیبت ہی سی
۹۰۷ کچھ تو دے اسے فلک نا انصاف
آہ و فسر یا رکی رخصت ہی سی
۹۰۸ ہم بھی تسلیم کی خود ہیں گے
بے نیازی قری عادت ہی سی
۹۰۹ پارے چھیرا بھی جاسے آسہ
گر نہیں وصال تو حسرت ہی سی

(۹۰) لغت، وحشت، دیوانگی، جنونی پن، حیل، دوسرے سے کتنا ہے کہ جو جگہ الزام دیتا ہے۔ کہ میں تیرا عاشق نہیں ہوں۔ میں حق پر کو نہیں؟ تو اچھا، وحشت یا محسن جنونی پن ہی سی۔ کیا میلہ جنونی پن یا دیوانگی تیری شہرت کا باعث نہیں ہے۔ (کہ جو جو سنتا ہے کہ میں دیوانہ ہو گیا۔ تو تیرا ہم اس میں لگتا ہے۔ کہ تو اس قدر محسن ہے کہ لوگ تیرے عشق میں دیوانہ ہو جاتے ہیں۔ گویا سہ)

میری وحشت تیری شہرت ہی سی
(۹۱) ہم سے اپنا تعلق ہٹا دیجیے۔ اگر کوئی اور تعلق نہیں رکھتے تو ہم سے عداوت یعنی دشمنی ہی رکھئے۔ کہ یہ بھی تو یک بڑا یا بھلائی طرح کا نفس ہی ہے۔

(۹۲) لغت بھونے سے یہاں مراد دوست کے ساتھ عاشق کا خود بخش میں ہونا۔ یا تنہائی میں ہونا۔

حیل۔ میرے آپ کے ساتھ "ہونے" میں آپ کی "دیوانی" یا رسوائی کیا ہے۔ (کیا ایک انسان انسان کے ساتھ نہیں ہو کرتا تو پھر اسادہ یعنی افسوس اگر مجلس میں تیرے ساتھ میں نہ ہوں۔ تو غلو ت میں تنہائی ہی میں سی) گویا مجلس میں ہونا تو میرے ساتھ باعث عزت ہوتا کہ ایک ایسے شخص کا دوست کہنا ہے۔

(۹۳) اس شعر کے عام معنوں میں یہ معنی آئے ہیں کہ خیر کو اگر جو سے کنت ہے تو ہوا کہے۔ ہم کوئی اپنے دشمن نہیں ہیں کہ تجھ سے محبت کر کے لیکر اپنا دشمن یا رقیب بنالیں۔ اور پھر جسکو تم ہوں۔
دوسرے معنی۔ اگر خیر کو تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ تو ہاں ملے دیگر یا مراد

معنی رکھتے ہے۔ کہ طیر یعنی بوا، لوس تیرا اپنا بن گیا ہے۔ تو اچھا وہ طیر اپنی ہی سی۔ (حالانکہ اس کی محبت کسی چنایت کے درجے تک ترقی نہیں کر سکتی، تو اس سے ہماری محبت پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ یعنی ہم بھی جو غیر کے پہلے بننے سے بہت قبل تیرے اپنے تھے۔ تو اب بھی ویسے ہی تیرے اپنے ہیں۔ یعنی یہ مصرعہ سہ)

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
اس کو تر میں بول پڑھنا چاہئے۔ ہم بھی (جو تیرے) اپنے ہیں۔ تو
(اب) کچھ (تیرے) دشمن نہیں (ہو گئے)

(۹۴) ہی سستی ہی سے ہو یعنی ہی ہی ذات کے ساتھ ہو نہ کہ غیروں کے ساتھ۔ حیل۔ دنیا میں جو کچھ انسان کرے خواہ "آگنی" حاصل کرتی ہو تو اپنی ہی ذات سے آگنی حاصل کرے۔ اور اگر یہ نہ ہو کہ تو پھر اپنی سستی یعنی اپنی ذات یا دوسرے غفلت ہی سی۔ مراد یہ کہ اگر تو خود شغاف میں ہے۔ تو اچھا اپنا ہیست ہی کو ترک کر دے۔ کیونکہ یہ دونوں اوصاف اہل تصوف کے نکتہ نظر ہیں۔

(۹۵) غفلت۔ برقی خرم۔ بجلی کی طرح جلدی جلدی جاسکے۔ دل کانوں کرنا۔ ایک تیز چہرے سے کسی چالو کا خون محسن ایک لمحہ میں گیب ہا سکتا ہے۔ یہ طرکے برق خرم ہونے کی مناسبت سے کہا ہے۔ اور دل کا خون کرنا۔ گویا دل کے ساتھ نول کا کھانا کھونٹ دینا۔

حیل۔ مانا کہ طرک بجلی کی طرح بہت جلدی جلدی جاسکے والی ہے۔ تو اس فوٹو ہی مدت میں دل کے اور نالوں کو یاد دہان کر دینے کی فرصت ہی سی۔
(مراد) کہ کسی طرک کی وجہ سے کوئی ہوس دل کی پوری نہیں ہو سکتی)

یہ مسئلہ انہوں نے نہیں دیکھا ہے

غزل

۹۱۔ ہے آرا میدگی میں گویا ہوش بجا ہے
صبح و صبح ہے خندہ و خنداں منا ہے
۹۲۔ دھونڈے ہے اس میں آتش نفس کو
جس کی مدد یہ جہل و برق فنا ہے
۹۳۔ مستان کے گروں میں رہ دو دوشی خیال
طائر گشت کے نہ رہے مدعا ہے
۹۴۔ کرتا ہے لیسکر بارغ میں تو ہے حجابیاں
آسنے لگی ہے نکت گل سے حیا ہے
۹۵۔ کھلتا کسی چہ کیوں مرے دل کا معاد
شہر دل کے انتخاب سے رسوا کیا ہے

(۹۱۔) آرا میدگی۔ آرام کرنا جیسے کہ انسان بستر میں بڑا رہے تو
یہ آرام کی بہترین مثال ہے۔ گویا ہوش۔ لعلت طاقت گردا۔ خندہ و خنداں
خدا۔ منہ کھول کے ایسا ہنسنا کہ دانت سب دکھائی دیں۔

حل۔ اگر میں خائف ہو کے (یعنی دین و دنیا کے کاموں سے)
بالکل آرام میں رہا ہوں۔ (جیسے کوئی بستر میں لیٹا ہو) تو یہی سرزاش
یا لعلت طاقت ہے کہ کرنا لازم ہے۔ جیسے کسی سوئے ہوئے پر صبح رات
کھال کے ہنسی ہے کہ دل تو نکل آیا۔ اور ابھی تک بستر میں خائف

(۹۰۔) لعلت۔ وفا۔ و فاجب ہی کی ہائی ہے کہ عشق صادق ہو۔ یہاں
معتوق اپنے عاشق پر ظن کرتا ہے۔ کہ غیر عشق صادق نہیں ہے۔ لہذا تو وفا
کرنا چھوڑ دے۔ اس کے جواب میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے۔

حل۔ ہم تجھ سے کسی ترک و فاکر سکتے ہیں۔ کیونکہ عشق صادق میں
کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر تیرا خیال ہے کہ میں یہ عشق نہیں ہے
تو میں ایک مصیبت کے بڑ گئی ہے۔ تو تیرا ایک مصیبت ہی مجھ کے ہم تیرا
نہ و فاکر رہے ہیں۔ یعنی مباد رہے ہیں۔

(۹۰۔) فک یہی آسمان میں چوکی سنارے ہو کر رہتے ہیں اور انہی
ستاروں سے انسان کی بڑی باجی قسمت وابستہ ہے۔ لہذا بچ کر دینا
آسمان ہی کے اختیار میں ہے۔

حل۔ اے نامخت آسمان! میں کچھ تو دے۔ (باجی محروم ہی نہ
کروے) آہ و فغاں کرنے کی رخصت یعنی ہجرت ہی ادریدے۔ (جیسا
ہم نے ابوروئے ندوے اسی کو کہتے ہیں)

(۹۰۔) تسلیم۔ رضا مندی سے نیازی۔ لاپرواہی۔
حل۔ تیری عادت میں لاپرواہی سی۔ ہم کی تیری ہر بات پر
رضامند ہونے کی عادت ڈال دیں گے۔ (جس سے ہمیں تیرے ساتھ چلنے
کرنے میں کچھ وقت محسوس نہ ہوگی۔)

(۹۰۔) اسے امد۔ اس دے کچھ چھیر چھڑ برابر لگی رہتی چلتی
(مثلاً بوسے کا بھی سوال کر دیا کہ کسی وصال کا اس میں پناہ ہوتا کیسا ہے
اگر وصال میرے ہو گا۔ تو خیر وصال کی حسرت تو کہیں نہ لگی نہیں۔ (ایک چھڑ
چھڑ میں وہ حسرت بھی پوری ہوئے گا کوئی موقع نہ آئے گا پناہ کو شش کا

پڑا سو رہا ہے۔ اور وطن کا آرام چھوڑ کے کہیں اور کسے نہیں جاتا۔

(۹۱۱) لغت - منہی - گائے دان - نقش نفس - جس کے سانس میں جگ بھری ہو۔ یعنی اس قدر سوڑ کر اس کی سانس سے آس پاس کی چیزیں جل جائیں۔ جلد برق فقا۔ فنا کی بجلی کا جھوٹا عکس۔

حاصل - میرا دل اس آگ کے نفس واسے موت کو اپنے کوتاہی کرتا ہے۔ کہ جس کی آواز میرے سے برق فنا کا ایک جلد ثابت ہو ورنہ مرادیکہ میں ایک ایسے زیر دست سخی کا لگا، منہ چاہتا ہوں۔ کہ جس کا لگا ہاں سے اس فن بدن چمک جائے اور میرا دل پھٹک اٹھے۔

(۹۱۲) لغت - خیال کی دادی سے مراد خیال کا ایک وسیع میدان کہ جس کی حدود دور دور تک پھیل جوں - بازگشت - لوٹ کر آنا۔

حاصل - میں خیال کے میدان کو ایک عالم جتنی میں یعنی میں خیال میں کھم بست ہو کے بے کر رہا ہوں۔ تاکہ میں اس قدر اس خیالی میدان میں ادھر سے نکل جاؤں کہ پھر وہاں گدگد چھوڑ کے مجھے گونسنے کا مدعا بھی اس کی خواہش باقی ہی نہ رہے۔ (گو یا اپنے خیال ہی خیال میں ہمیشہ مست رہ کر اپنا عرصہ طوٹ کر جاؤں۔)

(۹۱۳) بے تجلی - فحوی معنی حجاب یا برقع اتار دینا۔

میں بے شرمی کے کام کرتا۔ نگہت علی - پھول کے منہ کی خوشبو۔ مراد پھولوں کی خوشبو۔ حیا - شرم۔ حیا آتا۔ کسی سے شرم آنا۔ یا اس سے پرہیز کرنا۔ جیسے عورتیں حیا کرتی ہیں۔ تو سانسے نہیں آتیں پوسے ہی رہتی ہیں۔ حاصل - چونکہ تو باغ میں بے حجابیاں کرتا ہے۔ یعنی وہاں جا کر

اکثر برقع اتار دیتا ہے۔ اور اس سے ابا میں تیری خوشبو میل جاتی ہے تو مجھے پھولوں کی خوشبو سے گوا شرم آتی ہے۔ کہ وہ تیرے سانسے اس قابل ہی نہیں کہ ان کو سونگھا جائے اس لئے اس واسطے سے میں بے پیر کرتا ہوں۔

(۹۱۴) چونکہ تو باغ میں بے حجابیاں کرتا ہے۔ یعنی خوب کھلتا ہے۔ وہاں میں بلبل گور جھٹکتا ہوں۔ کہ وہاں ہر ایک پیر تیری تنقید میں گویا اصل حجابیاں کھتی ہے۔ حتیٰ کہ نگہت علی بھی سزا جے اس سے شرم آتی ہے۔ اور اسے منہ نہیں کھاتا۔

(۹۱۵) میں نگہت علی پھولوں کی خوشبو کو اپنے حیا کیا کرتا تھا۔ کہ ہر کسی سے باغ میں منہ لگتی ہے۔ مگر اب تو سنا وہاں جا کر اس قدر کھل گئے۔ کہ مجھے نگہت علی سے بھی شرمساری نہ ملتی پڑی کہ وہ برابر اس حال طعن کرتی ہے کہ تیرا محبوب اتنا بے حجاب ہے۔

(۹۱۶) منت - شعروں کا انتخاب۔ عین تو شعرا بکثرت شرم لگا کرتے ہیں۔

مگر اپنے دیوان میں صرف چوٹی کے شعرا انتخاب کر کے دہن کیا کرتے ہیں۔ درجہ اشعار مقرر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن میں حسن و عشق کے متعلق بڑے بزرگ خیالات مددے ہوتے ہیں یا شعروں کے انتخاب سے مراد ایسے اشعار کہ لوگ اپنی عشق کو بھر دلا سلا کے سے کسی شاعر کے کلام سے نئی چٹنا کے باوجود کہیں ہیں۔ اور خاص خاص موقوفوں پر بڑے دیا کرتے ہیں۔ وہ قول حالتوں میں شاعر کی رسوائی ہے۔ حاصل - میں سے صرف وہ انتخابی اشعار جو اپنے حسن و عشق کے متعلق تھے

اپنے کلام میں لکھے تھے اس سے میرے دل کا معاملہ یعنی حسن و عشق کی باتیں لوگوں میں کھل گئیں۔ تو یہ میری رسوائی کا باعث بن گئی۔ اگر عوام میرے کلام سے محض ایسے اشعار جن میں میں نے اپنے عقیدہ معاملات ہی لکھے تھے انتخاب کر کے باجاء پڑھا کر کے تو میں رسوائی کیوں بھوتا۔ اور میرے عشق کا حال

دوسروں پر کیوں گفتا۔

۹۱۵ زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھے تھے

(۹۱۵) اے غالب اگر ہماری زندگی اس طرح (بے کسی و بے اعتباری)
میں گزر کرے گی۔ تو ہم کیا یاد کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا۔

غزل

۹۱۶ اسی بزم میں بے خوں بنی جاسکے
بیٹھا رہا اگرچہ استاد نے ہوا کے
۹۱۷ دل ہی تو ہے سیاست دریاں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں دوسے تو ہے بن صدا کیے

۹۱۸ رکھتا پھروں ہوں فرقہ و سجادہ رہاں سے
دعا ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کے

۹۱۹ بے صدف ہی گذرتی ہو ہر چند مگر خضر
حضرت بھی مل کیس گے ہم کی کیا گئے

۹۲۰ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے نسیم
تو نے وہ گنج ہائے گر خایہ کیا گئے

۹۲۱ کس روزہ ضعیف نہ تراشا گئے
کس دن ہمارے صبر نہ اتنے چلا گئے

۹۲۲ محبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ فرق
دینے لگا ہے ہوسہ بغیر التجا کے
۹۲۳ صد کی ہے دور بات مگر غور ہی نہیں
سوسے سے سوسے مسکراؤں و عسے وفا کے
۹۲۴ غالب خنیں کہہ کرے گا بواب کیا
منا کہ تم کہتے اور وہ سنتا گئے

(۹۱۶) سنت۔ چائے نہیں بنی مراد خرم مت چکا بنے ہوئے۔ ۷۴
غراب ہوتا ہے۔ حل۔ اس بزم میں یہی دوست کی مجلس میں اگر چہ میں
چکا بیٹھا رہا۔ در یہ میں سے کہ اس طرح رقیب میرے ساتھ کوئی شرارت
جنس کر گیا۔ مگر پھر بھی وہ میری نسبت و دست کشاقت اشاروں سے
باتیں کر کے شرارت کرتا رہا۔ تو وہاں چکے خرم سے پیچھے میں میرا لام
بگڑا رہا۔ ایسا آئندہ نہ کرنا چاہیے۔ یعنی نہ جتنی نہیں چاہئے کہ گریباں مبارک
ہوتا ہے جیاد خرم یا صبر نہیں کرنا چاہیے۔

(۹۱۷) لعل سے صدا کے۔ بغیر ایک فقیرانہ لہرا لگائے ہوئے۔
خوار اپنے آپ کو یہاں مثل ایک آنہ دستا فقیر کے تصور کرتا ہے۔

حل۔ در ہی تو ہے۔ یہی اس کا دل بھی نہ بتا بھی تو کھا جاتا ہے
لہذا میں تیرے دربان کی پکڑ دھکڑست ڈر گیا۔ ورنہ میں تیرے دروازے
پر جاؤں اور بغیر یک مستانہ سرا لگائے وہاں سے گزرجاؤں کیا یہ بھی
ممکن ہو سکتا ہے۔

(۹۱۸) غرقہ۔ گدڑی۔ سجادہ۔ نماز گاہ۔ حل۔ دت

ہوئی کہ میں نے آپ وہ ہوا کی دعوت نہیں کی، مینی موسم کو خوشگوار رہیگی اس سے طبع میں اُٹھایا۔ لہذا آپ شراب کے سے اپنی گدڑی اور حصے کو گدڑا چڑھوں۔ کہ ایسا خوشگوار موسم غن نہ ہے۔

(۹۱۵) بے صرفہ۔ بیکار۔ حیل۔ مگر اکثر بیکاری میں گذر جاتی ہے۔ اگرچہ ضرر کی کمی عری کیوں نہ ہو۔ (یعنی کسی ملک کے کسی نذول کا اکثر حصہ بیکار رہتا ہے تو پھر حضرت یعنی ضرر بھی حتیٰ مگر ہائے اکثر بیکاری یہاں پہلو کرتے ہیں۔ توکل مینی روز قیامت آپ کیا حساب دیں گے، کہ ہم نے دنیا میں یہ کیا اور وہ کیا کیا ہے کہ وہ ڈینگے مار لیں گے، کہ ہم نے بہت سا کام کیا۔ چنانچہ یہ کیا درود کیا، مگر در حقیقت کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جو غلام حضرت سے مسو بہ ہو۔ اور وہ مگر بحر کا کام ہو۔

(۹۱۶) لغت۔ مقدور۔ پس کی یا جیسے کہے ہیں۔ میر کیا مقدور ہے۔ حیل۔ اگر بات مجھ سے ہو سکے، تو خاک سے ضرور پہ چھوڑ کر اسے نیم میٹھی میں مبتی تو ہے وہ یعنی یعنی حزا کے کیا گئے۔ (جو لوگوں سے تجھ میں دفن کے گئے)۔ یہاں گنجائش کے گزٹاپ سے مراد تو خزاں ہے ہیں۔ یا ان کوں نشانوں کے مال و دولت پہ شکل مکانات وغیرہ۔ مٹی میں سے اور خاک تک اتنی نرہی۔ یا وہ بزرگ ہستیاں ہیں۔ کہ مر کے مٹی میں دفن ہوئیں۔ اور نشان تک باقی نہ رہا۔

میں نامور بزرگ میں دفن کرو نہ

خاکش چٹان بخور دکر دکنوں نما نہ

(۹۱۱) وہ کو نشان دن خاک کہ دشمنوں نے ہم پر خود ہمتیں مگر وہ نہ مانہ ہیں۔ اور کوئے دن ہم پر علم نہ ہو۔ کہ گو یہ سر پر آئے

ہو گئے۔

(۹۱۷) وہ اب بغیر بھانکے ہی بڑے دینے لگا ہے۔ مینی اس قدر کہ جواب دے خرم ہو گیا ہے۔ کہیں یہ بے بھائی کی خواس میں رقیب کی صحت سے تو نہیں پڑ گئی۔ (اگر ایسا ہے تو یہ بات قابل رشک ہے۔ کہ وہ رقیب سے اتنا کھل گیا ہے کہ کسی معشوق کو، یہاں نہیں کرنا چاہئے)

(۹۱۸) ضد کی ہے اور بات۔ مراد۔ ضد تو خیر خلافت معمول ہے۔ جیسے لڑکے ہیں۔ زیادہ نیک آدمی ہے۔ مگر غریب، اس کے نیکی نہیں کی۔ تو یہ اور بات ہے۔ یعنی ایک مشتے ہے۔ درخواس کا معمول نیکی ہے۔ جو بھول چوک ہیں حیل۔ اس سے بھول چوک میں سبکدوش اقرار پورے کر دے۔ اور یہ حالت اس کی کچھ بڑی نہیں ہے۔ اور اگر کسی وقت کوئی وعدہ پورا نہیں کیا اور ضد کی تو یہ اور بات ہے۔ جی اس وقت وہ بھول چوک نہیں کر رہا تھا۔ مراد یہ کہ وہ قصد، تو وعدہ دیا نہیں کیا کرتا۔ ہاں بھول چوک سے مینا بار بار چلا ہے)

(۹۱۹) نہ سب یہ مانا کہ تم دوست سے اپنا مدعا کیا گئے اور وہ سنا ہی گئے۔ (اور یہ نفی ہوتا رہا) تو تمہیں بتاؤ کہ آخراں سوالوں کا تم کو جواب ہی کیا ہے گا۔ مگر نہیں (تو) پنا اور دوست کا سر کیا، غبت ہے)

غزل

رفتار عمر قطع رہا اضطراب ہے
دکھن سال کے حساب کو برقی آفتاب ہے

میں طرح طرح کے پہیوں کا گھٹنا۔ اور خوب رونق ہوتا۔

حل۔ اس برق من (یعنی بجلی کی طرح چمکنے والے حسین) کے نظارے کی کون تابہا سکتا ہے۔ جس کے جلوس کو موسم بہار کی ردنسی گویا ایک نقاب کا کام دیتی ہے۔ یعنی صرف نقاب کے لئے تھی اب و تاب چاہئے تو اسکا من نظارہ۔ نقاب، خما کے کیا جاتے کس قدر زبردست ہوگا۔ جبکہ صرف ہی ہر آرزو کو لے کر لطف مطلوب ہے۔ مراد۔ خفا نقاب میں ہے۔ اور ظہور قدرت اس کا نقاب ہے لہذا اُس شاہِ حقیقی کے نظارے کی تاب کون رہا سکتا ہے۔

(۹۳۱) نعت۔ مگر کامیاب ہے۔ یہی نظریہ میر کے دیکھ چکی ہے۔

حل۔ میں (امراء) (بے امید) پناہ کی کسی کس طرح کر دوں۔ یہ مانگ میری نظر تنکواچی طرح دیکھ چکی ہے۔ (مطلب یہ کہ وصال کا سبب صرف نظارہ ہی کا سوا کچھ نہیں ہوتا۔)

(۹۳۱) نعت میں نے دوست کے حاکمِ وحشی کا خیال تو چھوڑا۔ اب تجھ کو رشک کہتے جا رہے ہیں۔ کہ اسے قاصد بنا میرے دوست سے زور و زور سے کہو اور اس کے لطفِ نظارہ میں مل گیا۔

غزل

(۹۳۲) دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے

میں اسے نہ بچوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

(۹۳۳) آخر دھوڑ سے ہی گری گرا اندیشے میں ہے

آبِ گینہ تندہی صبا سے بگھلا جائے ہے

(۹۳۴) غیر کو ارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے

گرچہ ہی اُس کو آتی ہے تو شرابا جائے ہے

(۹۳۵) شوق کو یہ است کہ ہر دم نالہ کیجئے جائے

دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

(۹۳۶) دور چشم بدتری بزمِ طرب سے واد واد

نغمہ ہو جاتا ہے داں گزنا میرا جائے ہے

(۹۳۷) گر چنگیز تخیل پر وہ وار راز عشق

پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

(۹۳۸) اُس کی بزمِ آریاں سسکر دل رنجور یال

مشل نقشِ کدے غیر بیٹھا جائے ہے

(۹۳۹) ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا

رنگِ کلمات جاتے ہے جتنا گزرتا جائے ہے

(۹۴۰) نقشِ کو اُس کے مصور پر بھی کیا کیسا نازیں

کیونچہ ہے جس قدر اُتتا ہی گھنٹتا جائے ہے

(۹۴۱) سایہ میر، مجھ سے مشل دودھ جاتے ہے اسل

پاس مجھ آتشِ بھال کے کس سے ٹھہر جائے ہے

(۹۳۲) نعت۔ کب دیکھا جائے ہے۔ یعنی پوچھ رشک کے یہ بات

بجے کیفیت دے رہی ہے۔ اور اس کو گویا نہیں کر سکتا۔

حل۔ میری قسمت دیکھا (کس قدر ڈوبی) مگر اب اپنے ہی پر رشک

آ رہا ہے۔ کہ میں بھی اسے دیکھوں تو گویا اپنے آپ کو ایک غیر سمجھتا ہوں۔

اور اس صورت میں بوجہ رشک (بھلا یہ بات کب میں گوارا کر سکتا ہوں۔)

(۹۳۳) لغت: آبگینہ، بشیشہ، یہاں مراد شراب کا شیشہ، جتنی مہربا شراب کی تیزی، حیل، اگر بھی مذہب یا فکر و فہم کی گرمی (پیش یا مہن) ہے تو دل سے ہاتھ دھو بیٹھ، یعنی دس فکر و فہم سے جل جائیگا، گویا یوں ہو کہ شراب کی تیزی سے شراب کا شیشہ پگھلا جا رہا ہے۔ یعنی دل کو "آگینہ" اور فکر کو شراب سے منسوب کیا ہے۔

(۹۳۴) اس شعر کے مولفنا عالی نے یہ معنی لگائے ہیں، جو عام شرفوں میں درج ہیں، کہ اگر جیسا ہی اس کو "آتی" ہے، یعنی محبوب کو غیر کی گستاخیوں سے اگر کچھ جیہ بھی آتی ہے، تو وہ شراب جیسا ہے، یعنی غیر کا ہاتھ نہیں پکڑتا۔ اس سے کچھ مگر رہیں کرتا، تو غیر کو کچھ گستاخی باز یادتی کرے تو وہ انکو بیکر مکر مخ کر سکتا ہے۔

(۹۳۵) میرزا رفیع مسیحی صبح نہیں ہیں، کیونکہ عالی مرحوم کا یہ گستاخ کہ دوست کو اگر جیسا ہی آتی ہے، یہاں بھی لفظ معمولی طور سے درج شعرو نہیں کیا گیا۔ اور یہ گستاخ اگر محبوب کو اس غیر یا رقیب کی بیجا ہوس سے کچھ مسترم بھی آتی ہے، تو گویا یہ ایک خلاف قیاس امر ہے کیونکہ کسی کی ایسی گستاخی سے تو ایک مجرم بھی مخرابا بنا پا کرتی ہے، یہ بالیکہ شرعاً کا محسوب و سہ ہو، حال اگر جیسا ہی اس کو اسکی ہے، یہاں "آتی" کو "غیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور شرعاً یہ مطلب ہے کہ غیر کو اپنی رقیب کو دور ان اختیار میں کسی وقت گستاخی کرتے ہوئے کچھ جیہ بھی آتی ہے، یعنی وہ لوگ جیسا ہے تو یہی وہ دوست کے شرعاً سے لیں کچھ وہ دل سے ہو جائے گی بھوتی ہے۔

قیار پ یعنی فریب ہے، اپنے محبوب سے کہ وہ خود ہی غمزدگی کی چیز چھڑکا جب اس قدر بھوکا ہے، تو پھر وہ رقیب کو کچھ مکر مخ کر سکتا ہے، کہ وہ اس کے ساتھ گستاخیاں نہ کیا کرے، یہی چیز چھڑکا، غفلت و بھولت میں زیادتیوں کرنے سے وہ باز آئے، جبکہ وہ محبوب (یعنی بدستی و عالم بوالی میں) خود ہی دبی، بیش فلر تادم نظر رکھتا ہے) (یہاں جیسا مراد رقیب کا گستاخیاں کرنے سے رک جاتا، در شرعاً، گویا پھر کی گرمی غفلت کے نبوت کے سبب محبوب کا کچھ مردہ دل نہ ہو جاتا۔)

قیسرت معنی نکاح اور قہر ایک ایسی مادہ ہو کر رہا ہے، مثلاً کوئی ان کے سامنے ان کے شوہر کا نام لے تو وہ جیہ کرتی ہیں، مگر شرعاً کے کچھ نہیں کہتی۔ اس سطر ان کو سب سے حسین کہا جائے، تو جیہ آئیگی، مگر نہ کے رہ جائیں گی، اسی طرح کہتا ہے، کہ یارب وہ محبوب اس قدر حشر و خور ہے کہ اگر غیر سے چہرے سے تو وہ غیرت بھی محسوس کرتا ہے، مگر پھر بھی شرعاً جیسا ہے، یعنی حشر و خور ہونے کی عادت اسے کچھ نہیں کہنے دیتی، اور وہ بوجہ غیر کی گستاخیاں سے لیتا ہے، (یہاں جیسا معنی غیرت سے لگے لگا)

(۹۳۵) غلط، یہ لغت، یہ عادت پڑی ہے، حیل، میرے شوق عشق کو عادت پڑ گئی ہے، کہ وہ چاہتا ہے، کہ میں ہر وقت آؤ و دربار دہی کر رہوں، مگر دس (کی عادت) یہ کہ ایک سانس لینے سے بھی گھبرا جاتا ہے۔

(۹۳۶) غلط، دور، چشم ہر دور، اور دور چشم چہ تری، لینے ابتری یا بربادی کو خدا دور رکھے، حیل، اس کی بیش و نشاط یا طرب کی محفل کا کیا گستاخ، و مودا،

خدا میں کو رہا دی سے دور رکھے، وہاں رہو گا نا بھانا ہوئے کے استفادہ
شور ہوتا ہے کہ، اگر میرا مال بھی پہنچ جائے تو ورثے کی دواؤں میں
لگے ایک صدائے غمزدہ بن جاتا ہے۔

(۹۳۷) نعت۔ طرز تعاقل۔ یہاں مراد محفل ہیں اپنا راز عشق
پہچانے کو دوست سے قصداً غفلت کرنا، اس کی طرف نہ دیکھنا، گویا جانا
بیہوش و غموں میں سا ہو جانا، اس وقت ہونا، وہاں، ہمید معلوم
کر جانا، حیل۔ اگرچہ محفل میں دوست سے قصدِ آنکھیں پڑا لینا، یعنی
طرز تعاقل ہمارے عشق کے ہمید کی پردہ پوشی کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا طرز
تعاقل کی نیت سے گویا جانا یعنی حواسِ اشتہ ہو جانا، کہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ
فوز پا جاتا ہے، یعنی معلوم کر لیتا ہے کہ ہم اس کے عاشق ہیں۔

(۹۳۸) نعت۔ نقشِ معاشینا۔ یعنی مطلب کا قیمتی حاصل ہونا دل
کا بیڑہ جانا۔ دل کا باطل مایوس ہو جانا۔

حیل۔ خیر اس کے وصال سے کامیاب ہو گیا ہے، اور اس کی
مصل کی رونق کا حال سسکر میرا دل غم کر کے اس طرح بیٹھا ہوا ہے، جیسے
مایوس ہو کر رنج کر رہا ہے۔ کہ مجھے خیر پہنچا دے میں میرے بالکل برعکس
پوری طرح کامیاب ہو گیا ہے۔ یعنی اس کے نقشِ مدعا کا سکر بیڑہ
کیا ہے۔

(۹۳۹) رنگ کھلتا، اور زیادہ خوبصورت نظر آتا۔

حیل۔ وہ پری چہرہ محبوب خیر پر عاشق ہو کے (جب کہ غم کرتے
نہیں) تو دہلا ہو کے، اور زیادہ تازہ بن گیا ہے۔ لہذا اب ہنسنا کر رنگ
(جو غم محبت) اس کا اٹھتا ہے، وہ ورثہ زیادہ گوارا بتاتا ہے۔

اور تازہ گسٹ ہو گیا۔
(۹۴۰) نعت۔ کھینچتا ہے۔ یہاں مراد مصور نقش کھینچتا ہے، اور کھینچتا ہے
یعنی دور ہونا یا غور کرنا ہے۔ حیل۔ نقش یعنی دوست کی تصویر کا نقش بھی مصور پر
کس قدر تازہ و انداز کرتا ہے، کہ اس کو مصور جس قدر کھینچتا ہے، جیسی صفو کا ذخیرہ ہوتا
ہے، وہ اسی قدر اس سے کھینچتا ہوتا ہے، جیسی اگر تازہ جاتا ہے (مراد)۔ کوئی کچھ نہیں
سکتا، کیونکہ وہ دوست ہیں جنہیں باتیں ہماری ہیں کہ سب ایک تصویر ہی کے ذریعہ واضح
نہیں کی جا سکتی۔

(۹۴۱) اسے، مدد میرا سچا ہی مجھ سے دھوئیں کی طرح دُور دور رہتا ہے
کیونکہ مجھ میں اس قدر آگ بھری ہے جیسی تیش بھان ہوں، کہ کوئی چہرہ میرے پاس
نہر ہی نہیں سکتی، (سایہ کا انسان سے دور بھاگنا یہ معنی کہ گویا سایہ تکم بھی
محببت میں رہتی ہیں رہا بقول شاعر سے

سیاہ محنت میں ساج بھی پیسے دہتا ہر سال

غزل

گردِ نسر دور کا شکل سنائی گئے مجھے (۹۴۲)

تب اہلِ بکسریں دی ہر نیالی تے مجھے

(۹۴۳) نسیب و نقد وہ عالم کی حقیقت معلوم

سے لیا مجھ سے مری بہت عالی سنے مجھے

کثرتِ آرائی و حدت ہے پرستاری و ہم (۹۴۴)

کر دیا کانسر ان اعصاب خیالی تے مجھے

(۹۴۵) ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا
محبب آرام دیا بے پرواہی سے بگے

(۹۴۶) نفلت، نقش نہالی، قائلین کا نقش برد، سردی، بہاوی میں لیل
نی رات، بردیالی، سردی کے موسم کی راتیں۔

حقل - میرے بچے جو قائلین کچھا تھا (بوجہ موسم سرما کے) اس کے نقش کو
دیکھ کر دوست اس پر ہنسا کرتا تھا۔ اس میں گرم فریاد یا سرگرم فریاد رہا۔ اور
اس طرح گرم ہوس سے موسم سرما کی ٹھنڈی راتوں سے جو اس کے فرق میں لگائیں
بگے پناہ لی۔ درد نہ رہتا۔

(۹۴۷) نسید، بھول چوک، یہاں مراد سید عالم علیہ السلام، یعنی اپنی طاقت
و فراوانی رکھنا، اور نقد عالم دنیا و دنیا کے موجد وہ عالم یا اس کی موجدی کے
حلقہ آغوش، جس میں میری بہت حالی یعنی استغناء اعلیٰ توفیق و علو مرتبہ سے
جو سے مجھ کو نہ رہا۔ لگایا یہ گوارا نہ کیا کہ مجھ کوئی اور سے ہائے۔ جسے یہاں
سید و نقد و عالم بگے اپنی طرف کھینچتے تھے، مگر مدلی بہتی یا استغناء سے مجھ کو انکی
طرف جاتے نہ دیا، کیونکہ تسبیح یعنی تسبیح عالم مقبے کی حقیقت - سب کے عشاق
اس کی پرواہ ہی نہیں رکھتے۔ کہ وہاں کیا ہو گا۔ لگایا یہ ان کے سنا ایک عالم مسموم
مراد عالم سود ہے۔ اسی طرح نسید عام دنیا بھی معلوم ہے، کہ یہ "خرفیست
و نابود ہو جاتی ہے۔ تو انسان کی حالی، ہستی اس میں ہے کہ ان دونوں عالموں سے
بالا تر و مستثنیٰ ہے۔ اور ایسا رتبہ بگے حاصل ہے۔

(۹۴۸) نفلت کثرت، یہاں کثرت اشیا مراد ہے۔ وحدت، تو حید۔
کثرت آرائی وحدت، تو حید کو کثرت اشیا سے آراستہ و چراستہ کرنا۔ یعنی

۷ خیال کرنا کہ ہمارا دست، سب چیز ہماری خدا ہیں۔ اور اس طرح کثرت سے
وحدت کا مستند مضمون کرنا۔ پرستاری و ہم خیالی اشیا کی پرستش، اصنام
خیالی، خیالی اور فرضی ہست، یا فرضی خدا۔

حقل - کثرت آرائی وحدت یعنی ہمہ اوست کے خیال سے سب اشیا
کی نسبت خیال کرنا۔ کہ یہی خدا ہیں۔ یہ محض وہم کی پرستش ہے۔ (کیونکہ ہر چیز
خدا نہیں ہے) انہی خیالی تئوں میں فرضی خداؤں سے مجھ کو کافر بنا دیا سب
(جیسے کہ تصور کثرت وحدت کے سبب آپ نے آپ ہی کو خدا جتایا تھا۔ تو وہ کافر
قرار دے کے قتل کیا گیا۔ یا ہندو بت پرستی کو نہیں چھوڑ سکے۔ کیونکہ وہ خیال
کرتے ہیں کہ وہ بت بھی خدا ہی کا مظهر ہیں)

(۹۴۹) بے پرواہی، نہ پر ہونا نہ اڑنے کی طاقت ہونا۔
حقل - مجھ کو، اس بے پرواہی سے محبب طرح کا آرام پہنچایا ہے۔ کہ
بھول کی خواہش میرے تصور تک میں بھی باقی نہ رہی۔ یعنی اب خیالی ہی نہیں
آتا کہ باغ کہاں ہے اور یہاں کیا چیز ہے۔ بس ایک ہی جگہ پر ٹوٹے ہوئے
آرام سے گزار رہتا ہوں۔

غزل

کار کاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے (۹۴۶)
برق خرمین رخت خون گرم و ہمال ہے
(۹۴۷) غنیمہ شگفتہا سے برق عافیت معوم
باوجود و بھی خواب گل پریشان ہے

(۹۴۸) ہم سے ریح ہے تالی کس لبخ اُٹھ جائے
دراغ پشت دست غم شعلہ نفس بدندان ہے

(۹۴۹) کار کاہ آہستی۔ کارخانہ دنیا۔ لالہ۔ پو مست کا پھول۔ جس کے پتوں کے بیچ میں ہمیشہ ایک سیاہ دراغ ہو اُکرتا ہے۔ دراغ سامان۔ یعنی اسس کا۔ ساز و سامان یا ساری جائیداد گویا ایک سیاہ دراغ ہے۔ برقی خرمن۔ وہ بھی جو کھیتی پر گریس۔ خون گرم۔ یہاں مراد کھیتی داری کرنے سے جو کسان لاہون گرم ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی محنت اور ریح۔

خوف۔ جو جن اخیار اس غزل کے ہیں ان کی طرح میں مصنف سے خود عوامندی میں درج کی ہیں مگر جلدی اس کو بھول نہیں سکتا مذاہم صاف الفاظ میں صاحب کی کا مفہوم یہاں درج کرتے ہیں۔

جس۔ دراغ سامان۔ وہ شخص جس کا ساز و سامان صرف ایک دراغ دل ہو۔ جیسے گل لالہ (پوست کے پھول) میں ایک بڑا سا سیاہ دراغ ہو اُکرتا ہے جو کہ ساز و سامان ہے۔ اسی طرح وہ جان بھیتی داری کرتا ہے تو اس کا خون گویا گرم ہو جاتا ہے۔ تو اسی محنت سے وہ ایک کھیت کی فصل پیدا کرتا ہے۔ جو اس کا ساز و سامان ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس کھیت سے مراد پوست کے پودے کی کھیتی ہے۔ اپ پوست جو کسان کا ساز و سامان راحت ہے۔ اسس میں گل لالہ اُگتا ہے۔ اور اس گل لالہ میں ایک سیاہ دراغ اس کا ساز و سامان بھیتی ہوتا ہے۔ تو یہ گویا اس کسان ہی کے خرمن راحت پر یک جلی کی گری سے۔ جو گل لالہ میں ایک سیاہ دراغ نمودار ہوا ہے۔ خاص شریہ کہ انسان کی محنت ہی اس کے ریح و غم کا باعث بنتی ہے۔ گویا یہ

میری تصویر تک منظر ہے اک صورت خالی کی
چھٹے برقی خرمن کا ہے خون گرم و ہفتاں کا
(۹۴۸) معلوم۔ کئی شعرا میں یعنی سعد و مستعلی ہوا کرتا ہے۔ جیسے سے
قسمت میں لکھی ہے خاک سوتا معلوم

یعنی جب قسمت میں کئی لکھی ہے۔ سو سو اکیس یعنی وہ سب میں سکنت
مقتضیٰ۔ کھٹنے کے وقت تک۔ بیک عافیت۔ اطمینان کا ساز و سامان خواب
لی۔ یعنی جب تک پھول نچرے۔ اور کھس کر پھول نہیں بن جاتا۔

حل۔ پھول کی گلی جب تک کھل کر پھول نہ بنے اس کا دل تو یا مرقع یا
رہتا ہے۔ اور اس کے سے اطمینان کا ساز و سامان معدوم ہو جاتا ہے۔ (لیکن
اس کے برعکس پھول کی یہ کیفیت کہ پھول باوجود و جلی۔ یعنی جب تک
پھول بصورت پھول رہتا ہے۔ گویا اس کا دل جو مستحق ہے۔ یہی اس کی پیکر یا
جمع ہیں۔ اور وہ پریشان نہ رہیں ہے۔ مگر یہ حالت آگیا آخر وہ پھر بھی
صورت قائم نہیں رہتی۔ اور اس کی پیکر یاں اور آخر حرکت پھول کا تو اس
(جو بحالت غم ہوئے کے شخ گل پر سے جوہر یک جگہ قیام و سکون کے حاصل
تھا۔) اس پریشان ہو جاتا ہے۔ مراد یہ کہ انسان کو دنیا میں بزر سامان راحت ہی
حاصل ہو۔ تو بعد چھٹے ہی رحمت زہمت بن جاتی ہے۔

(۹۴۸) ریح پیتی۔ دل کی بیخاری کاؤکھ۔ دراغ۔ دل کا دراغ۔ جو
پورے عشق کرنے کے دل کی سورش سے نمودار ہوا۔ پشت دست غم۔ غامی
نمودار ہے۔ جو معنی عاجز آ جانا۔ شعور۔ یہاں مراد سورش دراغ سے جو شعور
برآمد ہوا تھا۔ جس بدندان۔ ایک اور ناری محاورہ ہے۔ جس کا مفہوم عاجز
آنا ہے۔ حل۔ ہم سے ہی بیخاری کاؤکھ کیونکر شایا جائے۔ جبکہ اس

بہر ذری عشق سے جو داغ دل پر پڑا ہے۔ وہ عاجز آگیا ہے۔ درویشی پرستی کا
اور اس داغ کا شعلہ بھی جس جہان ہے۔ جیسا کہ داغ عاجز ہے۔ اور جیانی
کی برواخت نہیں کر سکتا۔

(۹۴۹) آگ رہا ہے درویشوارے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

(۹۴۹) اے صاحب ہم اپنا گرا ہائے درویشی کے جنگل میں سوچو
ہیں۔ اُدھر سبزہ ہمارے دیر سے گھر کی درویشی سے آگ رہا ہے۔ ہم تو
بیابان میں پھر رہے ہیں۔ اور ہمارے گھر میں گویا بہار آئی ہے۔ مزید کہ
گھر جی اب جنگل کا ٹونڈ ہے۔ وہیں چلے جانا بہتر ہوگا۔

غزل

سادک پر اُس کے مر جانے کی حسرت دروں ہے (۹۵۰)
بس نہیں چلتا کہ پھر فخر کتب کا تل میں ہے
(۹۵۱) دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس سے کہا
میں سے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دس میں ہے
گر یہ ہے کس کس پرانی سے دسے دایں ہمسہ (۹۵۲)
دگر میرا نچے سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے
(۹۵۳) بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سہی ہے حاصل میں ہے

(۹۵۴) رخ رو کیوں کہنے واما ندگی کو عشق ہے
اے نہیں سکتا ہمارا جو قدم حسنہل میں ہے
جلوہ زہر آتش دوستی ہمارا دل سی (۹۵۵)
قتلہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے
(۹۵۶) ہے دس شوریدہ غالب طہنم پیچ و تاب
رہم کر ہی قتلہ پر کہ کس مشکل میں ہے

(۹۵۰) میں۔ اس کو زہر دات و غیرہ سارو سامان سے غل سادہ ہاس میں
دیکھنے کی حسرت میں چڑھتا ہوں۔ اور میر میں نہیں چلتا۔ کہ اس کے ایسے سامان
انارڈالوں۔ کیونکہ اس قالی کے دھڑ میں پھر خیر موجود ہے۔

(۹۵۱) اس کی تقریر کی لذت دیکھا۔ کہ اس نے جو بات کی۔ میں نے سسٹر
میں جانا۔ کہ اُس نے تو گویا میرے دل کی بات کہی ہے (بات چیت)۔
بیکرا گھنٹہ کر کے کانوں میں ہے۔ کہ جو کچھ کہیں وہ ایسا ہو کہ گویا سب کے دل
اسی بات کے سننے کے متوقع تھے۔

(۹۵۲) اگرچہ وہ میرا ذکر اپنی محفل میں بہت برائیوں کے ساتھ کرینے
میں۔ لیکن فہمیت ہے۔ کہ اُس میں ان کی محفل میں ہیں ہوں۔ مگر وہ تو دس
کیا جاتا ہے۔ لہذا میرا ذکر میری ذات سے بہتر ہے۔ کہ وہ وہاں ہے۔ اور
میں نہیں ہوں۔

(۹۵۳) اے ناامیدی تو ہم پر اتنا ہجوم نہ کر۔ کیونکہ ہم بے فائدہ
کوشش کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور ہم کو اس سے لذت آتی ہے۔ ایسا نہ ہو
ہے خاک میں مل جائے۔

(۹۵۳) لغت - حاکم دلی - تھکاوٹ - منزل - ناز ہوئے یعنی
مغرہ ہانے کی جگہ - محل - ہم راستے کرنے کی تعلیم کیوں اٹھائیں
جبکہ تھکاوٹ کو ہم سے گویا عشق ہے - مگر جس کیس ہمارے قدم چلتے چلتے تھکے
یعنی اس مقام کو اپنی منزل بناتے ہیں - تو ہم بھی وہاں قیام کر لیتے ہیں
قدم آگے نہیں اٹھاتے۔

(۹۵۵) لغت - آب و گل - پانی و درمنی یعنی انسان کی نسبت مشہور ہے
کہ یہ منی و در پانی سے بنایا گیا ہے - تو آب و گل کو باستان کی سرشت ہے -
محل - دوست کو کہتا ہے - آپ کے کہنے کے مطابق - اچھا ہمارا دل
دوست کی آگ کی جگہ زار و غمناک (گاہ) سی - تو یہ فتنہ قیامت کس کی
سرشت یا غیر میں داخل ہے - یہی میں عاشق ہوں تو غیر آتش جہاں سی
مگر تم تو محبوب ہو - پھر کیوں نہ سزا یافتہ ہو گے۔

(۹۵۶) لغت - خورجہ - جنونی - طلسم - جادو - یہاں مراد کوہ و صند
ایس - محل - غالب کا جنونی دل غم و فکر کا ایک گور کہ صند ایس بن گیا ہے -
سے دوست تو اپنی تسلی پر دم کر کہ یہ غالب کے جنونی دل میں بھس کر گئی
محل میں پڑ گئی ہے - (مراد یہ کہ غالب کی فتنائے دل کو پورا کرے)۔

غزل

✓ دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی (۹۵۷)
دو لڑکوں کو اک ادائی میں رضا مند کر گئی

(۹۵۸) توسل ہو گیا ہے سینہ شاد و فراد
تعلیق پر وہ داری زخم جگر گئی

وہ بادۂ شبنم کی سرسبزیاں کہاں (۹۵۹)
اٹھے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

(۹۶۰) اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے بار میں
بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

و بیکو تو دلفریبی انداز نقش پاؤں (۹۶۱)
ہوج خسرم یا رہی کیک گل کتر گئی

(۹۶۲) ہر یوا ہوس سے حسن پرستی سحر کی
بہ ہر دے سنبوۃ الی شکستہ گئی

نک رہے ہیں کام کی داں نقاب کا (۹۶۳)
مستی سے ہر رنگ ترے رخ پر بکھر گئی

(۹۶۴) فردا و دی کا نفس قدیم بار منت گیا
گل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گھر گئی

مارا زمانہ سے اسد اللہ خسان نہیں (۹۶۵)
وہ و مومے کس وہ جوانی کو گر گئی

(۹۵۷) تیری نگاہ (تیر کی طرح) دس سے جگر تک پہنچ گئی - اور دل
و جگر دونوں کو ایسی ایک اداسے ناز سے خوش کر گئی - (نگاہ کی تعریف نگاہ
دل و زہد ہو کر گئی ہے - اب وہ نگاہ جگر و زہد بھی ہو گئی)

(۹۵۸) درد و فرق کی لذت کیسی اچھی ہے - کہ میں جب اس کو عشق کا
آواز ہوا تھا چہا یا کرتا تھا - یعنی میرا زخم جگر پر دست میں تھا - (کہ کسی کو
اس کی خبر نہ ہو) - مگر اب میرا عشق سب پر کھل گیا - تو میرا سینہ بھی گویا عشق

ہو گیا ہے۔ اور وہ اخطائے راز عشق کا نہ تم جگر چھپائے کی غلش ہی
مٹ گئی۔

(۹۵۹) لغت۔ بادہ سببنا۔ رات کو شراب پی کر تمام رات دست
رہنا۔ مذہب خواب بحر۔ یعنی رات بھر شراب سے جاگتے رہنا۔ در صبح کو بھر
سوئے کی لذت۔

حاصل۔ غالب پورے غوار تھا پہلے ہاتھ کھلا تھا۔ خوب پیتا رہا۔
پھر ہاتھ تنگ ہو۔ تو اسے کچھ عرصہ ترک کر دیا۔ یہی مصیبت نظم کر دیا ہے۔
کہتے ہیں وہ رات بھر شراب پی کے جاگتا رہتا۔ در دستیاں کرنا جاتا رہا۔ اب
مٹ گئی۔ یعنی ہوشیار رہ جاتا ہے۔ مراد شراب کو ترک کر دیا۔ اب وہ زمانہ نہیں
رہا کہ رات بھر شراب پی کے جاگتے۔ اور پھر تنگ کر دیا۔ اسے یہی ہے۔ کہ
سب سما۔ اتر کے مزہ آگیا۔ اب رو پیہ پیہ کساں۔ وہ شراب ٹھہری
ہو نہیں سکتی۔

(۹۶۰) مجھے زندگی میں خواہش رہی تھی۔ کہ کسی طرح آڑ کے کو چہرہ
میں پہنچوں مگر وہ شوق پورا نہ ہو سکا۔ اب مر کے مٹی میری آڑ سے لگی۔ تو
بارے سے ہوا۔ تیری بدولت میری خاک گوسے پار میں پہنچی۔ نو و بدل
وہر کی ہوس گراؤ کے دوست کے کوچے میں پہنچوں۔ اس طرح مٹ گئی۔

(۹۶۱) لغت۔ گل کھڑتا۔ کوئی عجیب کام کرنا یا تسکد کھڑا کرنا۔

حاصل۔ دوست کے نقش پا کے انداز (نہ ہری و صبح) کی دلفریبی
پر خود کو کہ یہ اب ہم کو اتنا فریفتہ کئے ہوئے ہے۔ کہ ہم اسی پر جھکے جیسے
اسے دیکھتے دہکتے ہیں۔ وہ دوست کی مستانہ ہال (موج خرام بھی) کیا
فردا کیڑی کا ہم کر گئی۔

(۹۶۲) لغت۔ ہوا سوچ شراب سے علاقہ مراد لیا کہوئے ہیں کہ بعض
لذت نفسانی کی خاطر کسی کے عاشق ہوں۔ وہ ذول عشق ان کو نہیں ہوا کرتا۔
حاصل۔ اب ہر لڑکا ہوس سے حسن پرستی (عشق) اپنا شعار (شیوہ)
دستور بنالیا ہے۔ تو بادل نظر (پگ حسن پرستوں یا عشاق مساوی)
کے اس ستیوہ یعنی دستور عشق کی قدر جاتی رہی۔ (کوئی تیز بانی نہیں دی
لگوں کیا عاشق ہے کون جھوٹا)

(۹۶۳) اس شعر کا اصلی مدعا تو یہ ہے کہ دوست کو دیکھ کر ہم استے
پوش ہوئے کہ تو بادل ہوش بھر گئے۔ اور اس کے حسن صورت کو دیکھ کے بھلا کر گئے۔
حاصل۔ ہماری نظروں پر رنگ جب پہنچی۔ تو یہ دینی بدست کوئی
گل کے اپنا ہوش نہ رہا۔ اور اس کے رخ پر بھر گئی۔ گو یا بادل ایک خوب
نئی نظروں کے تاروں سے بن گیا۔ در ہم دوست کو نہ یاد ہو کچھ نہ سکے۔

(۹۶۴) لغت۔ فردا دوست کا طرفہ مٹ گیا۔ یعنی بوجہ خودی و
باخبری یہ ہوش ہی نہیں۔ کہ آج اور کل میں تمیز کیا ہوتی ہے۔ جیسے روز
فراستہ میں آج اور کل یا ماضی و مستقبل کا کوئی جھگڑا نہیں ہوگا

حاصل۔ گل تم ہم سے جدا ہو کے گیا گئے۔ ہمارے لئے سچ بچ غیامت
آئی۔ اور جیسے قیامت کا د سنو رہے۔ آج اور کل کا جھگڑا ہی مٹ گیا۔ یعنی
ہم پر ہوش میں آج اور کل ٹکسکی بھی خبر نہ رہی۔

(۹۶۵) اسے تسکد نہ دے اب تمہیں مار ڈالا۔ یعنی جوانی کا زمانہ
گزر گیا۔ تو تمہاری حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔ وہ وہ جوانی کے دلوئے اور خود
و جوانی کساں گئی۔

غزل

- ✓ تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقی نظر سے (۹۷۷)
 ورنہ ان خصلت میں تری صورت کمر سے
 (۹۷۸) اپنی گلی میں جھک نہ کر دین بعد قتل
 میرے پتے سے خلق کو کیوں ترا کمر سے
 ساقی تری کی شرم کرد آج در نہ ہم (۹۷۹)
 ہر شب پیای کرے ہیں بے جسد سے
 (۹۸۰) تجھ سے تو کچھ کلام ہیں لیکن اسے ندیم
 میرا سلام کہو اگر نامہ بر سے
 تم کو بھی ہم دیکھائیں کہ مجھوں نے کیا کیا (۹۸۱)
 فرست کفایتی غم پنہاں سے کرے
 (۹۸۲) لازم نہیں کہ خضرک ہم پیسہ دی کرے
 ہانا کہ اک بر رنگ ہیں ہم سفر سے
 اسے ساکنان کو چڑھ لہار دیکھنا (۹۸۳)
 تم کو کہیں جو غالب آشفۃ سر سے

- (۹۷۷) تسکین - تسلی یا پورا پورا اطمینان - ذوق نظر - وہ شخص
 کہ جس کو دیکھ کر دل کو خوشی حاصل ہو۔
 حل - اگر بہشت کی عروں میں تیری صورت کی کوئی عرمل ہوتے
 تو غیبت کہیں گے کہ ذوقی نظریں نظارہ کی خوشی تو حاصل ہوگی لیکن

جس کو وہاں غلام دیکھنے کو ملیں گی اس سے دوستی تسکین تو نہ ہوگی۔ خیر اس کا
 کہ کہ تم نہ کر سکتے۔ مگر کم از کم تیری شکل و صورت کی کوئی عرمل تو وہاں میں غزلی
 کی پاس ہے۔

(۹۷۸) غالب - چاہتا ہے کہ مرہاؤں تو میرے بعد بھی میرے محبوب
 کی طرف کوئی نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ اس نے کتابت کہ مجھ کو قتل کر کے اپنی ہی گلی
 میں دفن نہ کرے۔ تاکہ میری قبر جو تیری گلی میں ہوگی تو اس کا پتہ پوچھتے پوچھتے لوگ
 وہاں آجائیں گے۔ اور پھر تیرے گھر بھی ان کو معلوم ہو جائیگا۔ تو تجھ کو یکہ پاس گئے۔
 لیکن میرا رشک اس بات کو قبول نہیں کرتا۔

(۹۷۹) نفقہ - ساقی تری - شرب ہلائے پر مقرر کرتا۔ شرم کو برہا
 ہر دہار کا ذکر - آج تم شرب چاہا کہ ساقی مقرر کرے گئے ہو۔ کچھ تو ہم را
 لگا کر - اور شرب سے طوب چکاؤ - در نہ جتنی شرب میں گھر میں شہر آتی ہے
 وہ تو ہر دہار پیای کرے ہیں۔ ہر ہمارا احساں کیا۔

(۹۸۰) حل - اسے ندیم (یہاں مراد ہمدرد) - تجھ سے تو کچھ کلام نہیں۔
 لیکن تیری کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن یہ شکایت اپنے نامہ بر کی ہے کہ وہ
 ہمارے گھر سے تجھ سے تو اسے میرا سلام کہہ دین جس کا مطلب یہ کہ اسے یاد دل
 دینا کہ وہ ہمارے خط کا اچھا جواب لے۔ کہ خط تو خط خود رفتہ واپس
 نہیں آئے۔

(۹۸۱) نفقہ - کش کش - کہی اور کہینا کہی اور مر - غم پنہاں یعنی
 وہاں بھی ہلا تم عشق چھپا چھپا ہے۔ مجھوں کے عشق کی طرف رخ ہو و
 سرا نہیں ہو۔

حل - اگر میں اپنے پوشیدہ عشق کی کھینچا تانی سے (جو میں رسوا

ہوئے سے بھی مانع آتا ہے، باذرا فرصت ہے۔ تو دکھادیں۔ کہ ہم جو کچھ کر چکے
وہی جنوں نے کیا تھا۔

(۹۷۰) اگر خواجہ خضر بطور بزرگ ہیں ایک ساتھ سفر کرے کوئل جائیں
تو یہ ضرور بتی نہیں ہے۔ کہ ہم سکندر کی طرح اس کی پیروی کریں۔ کیونکہ ہماری
راہ (راہ عشق) اور ہے۔ خضر کی اور۔ وہ ہماری راہ نہ تھی نہیں
کر سکتا۔

(۹۷۱) اسے لوگوں کو ایسے معشوق کے کوپے میں رہتے ہو۔ جو کہ
نائب کا دلدار ہے۔ ذرا دیکھتے رہنا۔ کہ اگر غالب پریشان حال اور
آنکے تو اس کو کوئے دلدار میں بٹھانا۔ اور اس کی دلداری یا انکے ساتھ
کچھ ہمدردی ضرور کرنا۔ (معشوقاں کے محبوب سے خواہش)

غزل

کوئی دن گر زندگانی اور ہے (۹۷۳)
اپنے جی میں ہم نے نہائی اور ہے
(۹۷۴) آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سو زخمیائے نہائی اور ہے
بار بار دیکھی ہیں اُن کی رختیں (۹۷۵)
پر کچھ اب کی سحرگانی اور ہے
(۹۷۶) دیکھنے غلہ منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کہ تو بس نام نہائی اور ہے

قاصدِ امسار ہیں اکثر بزم (۹۷۷)
وہ ہر سانس سہائی اور ہے
(۹۷۸) ہو چسپیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگسائی اور ہے

(۹۷۹) اس کے دو معنی ہیں۔ کہ اگر کچھ دنوں پہلے اس تکلیف سے
بچتے رہے۔ تو ہم یہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ اب اپنی زندگانی
کو خود ہی غارتہ کر دیں گے۔

دوسرے معنی۔ اگر ہمیں تھوڑے دنوں اور بھیے کا موقع مل گیا۔
تو ہم نے یہ جی میں ٹھان رکھی ہے۔ کہ پھر ہم اس طرح سوائے عشق ہو گے
نہیں جیئیں گے۔ ضرور اپنے دھیرے کو بدل دیں گے۔ گویا کچھ اور طرح
کے حالات سے زندگی بسر کریں گے۔ (مثلاً ترک عشق و محبت
کرنا وغیرہ وغیرہ)

(۹۸۰) ظلم نہائی سے مراد عشق کا روگ۔ جو پختہ اندر ہی اندر
جان کھاتا ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کے اندرونی غموں کی جان کچھ درجہ
ہے۔ بھلا دوزخ کی آگ میں ایسی تیز اور دل پر اثر کرے کہ دل تپش
ہی کہاں ہے۔

(۹۸۱) اُن کی رختیں اپنے ساتھ ہم سے جدا ہاں روئیں ہیں۔
اب پھر کچھ ایسی ہی صورت ہے۔ لیکن اس دفعہ ان کی عقلی مہموت سے
کچھ زیادہ ہے۔

(۹۸۲) ہمارا نامہ ہر وہ ست کو غلام کے پھر اُن کا منت

نا ہے۔ کیونکہ کچھ پیغام وہ اور بھی آتے زبانی سنا یا پھا ہوا ہے۔ اس قدر پرانی روایت ہے۔ کہ خط میں لکھنا نازیبا تھا، یا خط کے کٹنے بعد یاد آیا تھا۔

(۹۷۶) لغت۔ اعمار۔ جمع عمر۔ عمریں۔ نجوم۔ ستارے۔ جن کے رات نکلنے اور غروب ہونے سے جہڑوں کا گذر نامعلوم کیا جاتا ہے۔ اور قافح عمار ہیں۔ بلائے آسمانی۔ کوئی ناکسانی مصیبت۔ جیسے کہ دوست اس کو اتنا فائدہ دیکھ لیا۔ تو عاشق ہو کے مصیبت میں پھنس گئے۔

حاصل۔ ستارے تو اکثر ہماری عمریں ہی کم کرتے ہیں۔ کچھ اور مزید ہیں پہناتے۔ مگر وہ "یار" ایک ایسی ناشدنی اور مصرت رسالہ بلا ہے کہ ان ستاروں کی آفتوں سے کچھ جدا گانہ آفت خیر ہے۔

(۹۷۸) غائب۔ اب زنگی قریب لافتمام ہے۔ اس کی سب مصیبتیں اٹھا رہے ہوں۔ صرف ایک مرنے والی ہے جو ناکانی ہے۔ یعنی کسی وقت مر بھی جاؤنگا اور نصیبت بھی گذر جائیگی۔

غزل

کوئی اُمید پر نہیں آتی (۹۷۹)
کوئی صورت نظر نہیں آتی

(۹۸۰) موت کا ایک دن معین سے

نہیں کیوں رات بھر نہیں آتی

آجے آتی تھی حال دل پر ہنسی (۹۸۱)

اب کسی بات پر نہیں آتی

(۹۸۲) ماننا ہوں ثواب طاعت و زحمت

پر طبیعت اوسر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں (۹۸۳)

ورنہ کیسا بات کر نہیں آتی

(۹۸۴) کیوں نہ چنوں کہ یاد کرتے ہیں

میسری آواز کر نہیں آتی

داغ دل گر نظر نہیں آتا (۹۸۵)

نہ ہی اسے چارہ کر نہیں آتی

(۹۸۶) ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرتے کی (۹۸۷)

موت آتی ہے نہیں آتی

(۹۸۸) کعبہ کس منہ سے جاؤ گے قاتل

شہر دم تم کو گر نہیں آتی

(۹۸۹) کوئی امید پوری نہیں ہوتی۔ اور کار برداری کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔

(۹۹۰) موت کا تو ایک غاص دن مقرر ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ

آجائے۔ تو پھر نہیں آیا کرتی۔ لہذا نیند کا بھی یہی حساب ہو گیا ہے۔

کہ پہلے آتی تھی۔ اور اب رات رات بھر کے لئے مطلق آتی ہی نہیں۔ مگر یا

نیند تو موت کی صورت نہیں ہوتی ہے۔

(۹۸۱) پہلے تو مجھے دل کے حال پر ہنسی آیا کرتی تھی کہ یہ احمق مجھے چھوڑ کر کس پر فاعصوب سے جا چکا ہے۔ جو اس کو منہ بھی نہیں لگاتا کہ تیرا یہ تم کی بات ہو یا خوشی کی۔ مطلق ہنسی ہی نہیں آتی۔ یعنی اب میں استغور افسردہ خاطر ہو گیا ہوں۔ کہ کہ لذت زندگی آتی نہیں رہی۔ تو ہنسنا کس کا۔ ہر وقت مایوسی۔ اور مایوسی سے چپ اور بھی طاری رہتی ہے۔

(۹۸۲) دعا غصے گنتا ہے۔ کہ میں پرہیزگاری اور جہاد مت کا ثواب تو جانتا ہوں۔ کہ کس قدر ہے۔ پر کیا کروں۔ ایسی باتوں کی طرف میری طبیعت اب راغب نہیں ہوتی۔

(۹۸۳) کچھ ایسی ہی بات ہے۔ یعنی امر مجبوری ہے۔ کہ میں چپ چاپ بیٹھا رہتا ہوں۔ ورنہ کوئی بات ہے جو میں کہ نہیں سکتا۔ (غائبانہ لہجہ کی وجہ سے وہی میں خاموش رہتا ہوں۔ مصمت ہے۔)

(۹۸۴) لذت۔ چیخوں کے معنی شکوہ کرنا بھی ہے۔ اور چیخنا چلنا بھی۔ یہاں دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں۔

حل۔ میں کیوں نہ چیخوں۔ کہ میری (آہ و فطردگی) آواز ان کو کسی وقت نہیں پہنچتی۔ تو وہ یاد کرتے ہیں۔ کہ میری آواز کیوں نہیں آتی۔ (گو یا مجھ کو باقی سستا نامنطور ہے۔)

(۹۸۵) اسے چارہ گری یہاں مراد جراح (اگر تھو کو میرے دل کا دارغ (جو بہر تپش دل مثل کباب میں رہا ہے۔) دکھائی نہیں دیتا۔ تو اس کے جھپٹنے کی بھی بو نہیں آتی۔ مراد یہ کہ اسے جراح اگر تو کچھ غور کیے۔ تو میرے زخم دل سے سخت جھوٹے آئے گی ہے۔ اور یہ علاج کی حد سے ابھر آ گیا ہے۔ یا اسے جراح زخم دل اس قدر بڑھ گیا۔ اور تو پہچان ہی نہیں سکتا۔ قصداً یا سوتا۔

(۹۸۶) ہم وہاں ہیں۔ جہاں سے ہم کو بھی اپنی کچھ خبر نہیں آتی۔ یعنی ایک خود فراموشی وہ ہے طوری کے عالم میں ہاتھ بھر پڑے ہوئے ہیں۔

(۹۸۷) ہم تو ایسی امیدیں مرتبہ ہیں۔ یعنی بہت آرزو کرتے ہیں۔ کہ کسی طرح مر جائیں۔ مگر موت آگے بھر جاتی ہے۔ یعنی مرتے نہیں۔ اور ہماری تمنا پوری نہیں ہوتی۔ (مراد غایت درجہ کی مایوسی حالت ہے۔)

(۹۸۸) اسے غائب اب تم کہہ یعنی غائب خدا میں کس منہ کے ساتھ جاؤ گے کہ تم کو شرم نہیں آتی۔ (یعنی تمام ظم نور ندی و میخواری کہتے رہے۔ اور اب یہاں کو جاتے ہو)

غزل

دل نادان سٹھے ہوا کیا ہے (۹۸۹)
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار (۹۹۰)
یا آنہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں (۹۹۱)
لاکش پوچھو کہ بدعا کیا ہے

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجد (۹۹۲)
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چسورہ لوگ کیسے ہیں (۹۹۳)
خمر و عشق و ادا کیا ہے

(۹۹۴) تنگ زلف فبیری کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں (۹۹۵)
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
(۹۹۶) ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا (۹۹۷)
دور درویش کی صدا کیا ہے
(۹۹۸) جان تم پر نشا رکھتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب (۹۹۹)
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

(۹۸۹) اسے نادان (احق) دل تجھے کیا ہو گیا ہے۔ آخر اس درد
باروگ کی کچھ دوا بھی ہے۔ یا کہ نہیں۔ تاکہ کوئی چارہ کرے۔
(۹۹۰) ہم دوست کے خواہشمند ہیں۔ اور وہ ہم سے ہزار
ہو رہا ہے۔ یاد ہی یہ بات کیا ہے۔ کیا کسی نے اس کو کچھ بھلا تو نہیں
دیا ہے جب ہم اس کے خواہاں ہیں۔ تو وہ بھی خواہاں ہوں۔ اُن
تہزار کیوں ہو رہا ہے۔
(۹۹۱) میں بھی حق گو یابی رکھتا ہوں۔ یعنی منہ میں زبان
رکھتا ہوں۔ اسے کاشی تم مجھ سے پوچھو کہ میری تمنا آپ سے کیا ہے۔

کیا ہے کوئی لگا جو سے میرے ساتھ گفتگو نہیں کرتے۔ اور میری بات
نہیں دیتے۔

قطعہ بند

(۹۹۲) جبکہ تیرے بغیر کہاں کوئی موجود ہی نہیں۔ (یعنی یہ سب
خدا ہی کا لہو ہے اور آپ۔ تو پھر اسے خدا سے برتر ہے ہنگام یعنی دنیا کی
(ہم دعا کیا چیز ہے۔)
(۹۹۳) مثلاً ہر لوگ کے چہرہ والے لوگ کیسے ہیں۔ (یعنی کہاں
کے تھے) اور ان کا اشارہ دیکھنا ہے اور ناز و انداز کیا چیز ہے۔
(۹۹۴) یہ ان ہری چہرہ لوگوں کی خوشبودار زلفوں میں تنگ کیوں ہے
یہی لافوں کے قریب ان کے سر کے بال مرے ہوئے کیوں ہیں۔ (اور ان کی
دوسرے آلودہ نگہ (جو کوئی تاثیر نظر چلائی ہے) کیا چیز ہے۔
(۹۹۵) یہ سبزہ اور پھول کہاں سے آئے ہیں۔ بادل کیا اور ہوا
کیا چیز ہے۔ ان سب اشعار میں اشارہ یہ ہے کہ یہاں سب خدا ہی کی
قدرت کا حضور ہے۔ اور قدرت وہی خدا ہے (تو پھر اس واسطے خدا کوئی چیز
یہاں موجود نہیں ہے۔
(۹۹۶) ہم کو ایسے دوست سے وفا کی امید لگ رہی ہے۔ جو کہ خود
یہ نہیں جانتا کہ وفا کیا چیز ہے۔ یعنی وہ اس قدر بیگناہ و فاسد ہے۔
(۹۹۷) ہاں بھلا کر خدا تیرا بھی بھلا کرے گا۔ اس کے سوا فقیر کی صدا
داد اور کیا ہوگی (یہ الفاظ معشوق کو مخاطب کر کے محتاجب عاشق کو رافقین
کو میں کہے گئے ہیں تاکہ معشوق نظر تو جھکے۔
(۹۹۸) دوست کی طرف مخاطب کر کے (طہار خلوص کی نیت

سے کہتا ہے کہ میں اپنی جان تک تم پر قربان کرتا ہوں۔ دعا کیا چیز ہے۔ جو کہ تمہارے حق میں کی جائے۔ یہ میں نہیں جانتا۔ میں تو جان دینا جانتا ہوں۔

(۹۹۹) میں نے مانا کہ غالب کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن آخر انسان ہے۔ وہ مفت ہاتھ آئے تو بڑا کیا ہے (اپنا غلام بنانا)

کمال حسن اگر موقوف انداز تغافل ہو
(۱۰۰۰) تکلف برطرف تجھ سے تیری تصویر بہتر ہے

(۱۰۰۰) اگر حسن کی فنی کمال اس بات پر منحصر رکھی جائے کہ محبوب کے انداز تغافل (بے پرواہی اور بے نیازی کے رنگ و صنگ) سے حد درجہ استغنا اور بے تعلقی پائی جاتی ہو۔ (جیسا کہ معشوقوں کا قصہ ہے) تو پھر بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ تجھ سے تیری تصویر بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں بے نیازی اور بے تعلقی کا وصف تا بہ کمال پایا جاتا ہے۔ (طاہر ہے کہ تصویر کو کسی کے کوئی واسطہ یا تعلق ہو ہی گیا سکتا ہے۔

عشقائے معانی (شرح اردو دیوان غالب) جلد اول حتم ہوئی

(مضموغہ انقلاب سیم پریس بیرون مورید روارہ لاہور)